

الْقُرْآنُ

مفسر
اور
علم الفہم



محمد عثمان نجابی

الْقُرْآنُ

مَعْرِفَتِ

أُور
عِلْمِ الْفَنَنِ

مُحَمَّدُ عُمَرَانُ نَجَابِي

مُتَرَجِم

فَهِيمُ اخْتَرَنْدُؤِي

نَايِشْرَانُ وَتَاَجْرَانِ كُتُبِ

أُرْدُو بَاَزَارِ لَاهُؤُر

الْفَيْصَلِ

DATA ENTERED

297.1229 Najati, Muhammad Usman
Al-Quran aur Ilm-un-Nafs/ Muhammad
Usman Najati.- Lahore: Al-Faisal Nashran,
2010.
408 P.

I. Quran - Talimaat I. Title.

ISBN 969-503-036-X

Q 297.1229

ن 291 ق

14144
5

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

جولائی 2010ء

محمد فیصل نے

آر۔ آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت:-/300 روپے

AI-FAISAL NASHRAN

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

فہرست

۵۰۹

صوفیہ سہیلی

۲۵۵/۲

۹	مقدمہ
		پہلی فصل
۱۷	قرآن کریم اور محرکات عمل
۱۷	عضویاتی محرکات
۲۰	اول: تحفظ ذات کا محرک
۳۲	دوم: بقاء نوع کے دو محرک
۳۳	جذبہ مادریت
۳۷	نفسیاتی محرکات
۳۹	محرک ملکیت
۴۰	محرک سرکشی
۴۵	محرک تنافس
۴۷	محرک دینداری
۵۰	لا شعوری محرکات
۵۱	محرکات کے درمیان کشمکش
۵۳	محرکات پر کنٹرول
۶۹	محرکات کی بے راہ روی

دوسری فصل

۷۳	قرآن کریم میں تاثرات
۷۳	خوف
۷۷	خوف کی قسمیں
۸۷	محبت
۸۷	اپنی ذات سے محبت
۸۹	لوگوں سے محبت
۹۲	جنسی محبت
۹۳	والدین سے محبت
۹۷	اللہ کی محبت
۹۹	رسول کی محبت
۱۰۰	خوشی

۱۰۲	نفرت
۱۰۵	حسد
۱۰۶	غیرت
۱۰۹	غم
۱۱۳	ندامت
۱۱۶	دوسرے تاثرات
۱۱۹	تاثرات کے ساتھ پیدا ہونے والی جسمانی تبدیلیاں
۱۲۶	تاثرات پر کنٹرول
۱۲۷	موت کے خوف پر کنٹرول
۱۳۰	فقر کے خوف پر کنٹرول
۱۳۲	غصہ پر کنٹرول
۱۳۵	محبت پر کنٹرول
۱۳۷	دیگر تاثرات پر کنٹرول

تیسری فصل

۱۳۹	قرآن اور ادراک حسی
۱۴۱	قرآن اور حواس
۱۴۵	جلدی حواس
۱۴۶	دائرہ حواس سے خارج ادراک حسی
۱۵۰	بصری دھوکا
۱۵۰	توجہ اور ادراک حسی پر اقتدار محرکات کی اثر انگیزی

چوتھی فصل

۱۵۵	قرآن اور غور و فکر
۱۶۰	مشکلات کے حل میں غور و فکر کے مراحل
۱۶۵	غور و فکر کی غلطیاں
۱۶۷	الف: قدیم افکار پر اصرار
۱۷۰	ب: معلومات کی عدم فراہمی
۱۷۵	ج: جذباتی و انفعالی جانبداری

پانچویں فصل

۱۷۹	قرآن اور تعلم
-----	---------------

۱۷۹	علم کے ذرائع
۱۸۰	زبان کی تعلیم
۱۸۰	حضرت آدمؑ کو زبان کی تعلیم
۱۸۳	فیصلہ اور اختیار کی صلاحیت
۱۸۴	قرآن میں تعلم کے طریقے
۱۸۴	نقل و تہد
۱۸۷	عملی تجربہ، سعی و خطا
۱۸۹	تفکیر
۱۹۰	قرآن میں تعلیم کے اصول و مبادی
۱۹۱	محرك
۱۹۱	الف: ترغیب و ترہیب کے ذریعہ محرك کو ابھارتا
۱۹۸	ب: قصوں کے ذریعے محرك کو ابھارتا
۱۹۹	ج: اہم واقعات کا تذکرہ
۲۰۰	تکرار
۲۰۶	توجہ
۲۱۰	عملی مشق
۲۱۳	تعلیم کی تقسیم
۲۱۴	عملی اصلاح میں تدریج

چھٹی فصل

۲۲۳	علم لدنی اور قرآن
۲۲۳	الہام اور خواب
۲۲۳	خواب

ساتویں فصل

۲۳۹	قرآن اور تذکر و نسیان
۲۴۱	نسیان
۲۴۵	قرآن میں نسیان کا علاج

آٹھویں فصل

۲۳۹	دماغ و اعصابی نظام اور قرآن
-----	-------	-----------------------------

نویں فصل

۲۵۵	شخصیت اور قرآن
۲۵۷	انسانی ساخت
۲۵۹	نفسیاتی کشمکش
۲۶۹	شخصیت کا توازن
۲۷۰	ہموار شخصیت
۲۷۱	قرآن میں شخصیت کے خدو خال
۲۷۳	مومنین
۲۷۷	کفار
۲۷۹	منافقین
۲۸۱	قرآن میں عقلی حیلے
۲۸۵	قرآن میں شخصی و انفرادی فرق
۲۸۹	قرآن میں انسانی نشوونما
۲۸۹	ما قبل ولادت نشوونما
۲۹۲	ولادت کے بعد نشوونما

دسویں فصل

۲۹۹	نفسیاتی علاج اور قرآن
۳۰۵	ایمان اور احساس امن و سکون
۳۱۳	ایمان اور جماعت سے وابستگی کا احساس
۳۱۷	نفسیاتی علاج کا قرآنی طریقہ
۳۱۹	عقیدہ توحید پر ایمان
۳۱۹	تقویٰ
۳۲۱	عبادات
۳۲۲	الف: نماز (صلوٰۃ)
۳۳۰	ب: روزہ
۳۳۲	ج: زکوٰۃ
۳۳۳	د: حج
۳۳۴	صبر
۳۳۸	ذکر
۳۴۲	توبہ

مقدمہ

قرآن کریم، نبی آخر الزماں ﷺ پر نازل ہونے والی ساری انسانیت کے لیے آخری کتاب ہدایت اور سرچشمہ دین ہے، اس میں انسان کی عقل اور وجدان سے خطاب کیا گیا ہے، عقیدہ توحید کی تعلیم دی گئی ہے، عبادات کی صورت میں پاکیزگی سے آراستگی کی راہ دکھائی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر خیر و خوبی کی جانب رہنمائی کی گئی ہے، اپنی ذات کی تکمیل، شخصیت کی افزائش، اور کمال انسانی کے مدارج تک رسائی حاصل کر کے دونوں جہان کی سعادت و سُرخروئی سے ہمکنار بنانے والی جاہ پر چلنا سکھایا گیا ہے، قرآن کی آیات ذیل ملاحظہ کیجئے:

هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ
يُوقِنُونَ۔ (جاثیہ-۲۰)

(یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے، اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْمُلُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ
لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ (یونس-۵۷)

(لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے، یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفاء ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً
وَبُشْرَىٰ لِّلْمُسْلِمِينَ۔ (نحل-۸۹)

(اور ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے، اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔)

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا
وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمُ

مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ - (بقرہ-۱۵۱)

(جس طرح) تمہیں اس چیز میں فلاح نصیب ہوئی کہ ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیات سنانا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ - (جمعه- ۲)

(وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سنانا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔)

کائناتِ ارضی کی سیر، مشاہدہ، مخلوقات، آسمان و زمین کی نیرنگیوں اور ان میں بکھری قدرت کی کرشمہ سازیوں پر غور و فکر کر کے ان کے خالق کے وجود کا یقین حاصل کرنے کی قرآن کریم نے بار بار دعوت دی ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ - (عنکبوت-۲۰)

(ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتداء کی ہے۔)

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَكْنُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ - (اعراف-۱۸۵)

(کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا، اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا؟)

قُلْ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ - (یونس-۱۰۱)

(ان سے کہو "زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو۔")

زیورِ علم سے آراستگی اور حصولِ علم کی اہمیت قرآن کریم کے نزدیک اس قدر زیادہ ہے کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میں پڑھنے اور سیکھنے کی دعوت دی گئی ہے، نیز قلم کی اہمیت سراہی گئی ہے، جس کے ذریعہ اللہ نے لکھنے کی تعلیم دی، اور نا آشنا انسان کو علوم سے آراستہ کیا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ
اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمُ۔ (علق- ۵۱)

(پڑھو) اے نبی! اپنے رب کے نام کے ساتھ، جس نے پیدا کیا، جسے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

قلم کی قسم کھا کر اللہ نے تعلیم و تعلم کے اندر اس کی اہمیت کا اظہار فرمایا ہے:

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ۔ (قلم)

(ان، قسم ہے قلم کی، اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے

ہیں۔)

علم کے فضل، علماء کی تکریم اور ان کی بلندیِ عظمت کا اظہار کرتے اور علم کو مساوی ایمان قرار دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
دَرَجَاتٍ۔ (مجادلة- ۱۱)

(تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا

ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔)

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِئْتُمْ فِي كِتَابِ
اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمَ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا
تَعْلَمُونَ۔ (روم- ۵۶)

(مگر جو علم اور ایمان سے بہرہ مند کئے گئے تھے وہ کہیں گے کہ خدا

کے نوشتے میں تو تم روزِ حشر تک پڑے رہے ہو، سو یہ وہی روزِ حشر ہے،

لیکن تم جانتے نہ تھے۔)

قرآن کریم کی نظر میں علم اور علماء کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ مذکورہ آیت میں ”اہل علم“ کا تذکرہ ”اہل ایمان“ پر مقدم رکھا گیا اور درج ذیل آیت میں اللہ کی احدانیت، عدل اور قدرت و حکمت کے اعتراف میں ”ملائکہ“ کے بعد ”اہل علم“ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ
قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (آل
عمران - ۱۸)

(اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں، کہ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔)

نبی کریم ﷺ کو زیادتی علم کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ (طہ - ۱۱۳)

(اور دعا کرو کہ اے پروردگار! مجھے مزید علم عطا فرما۔)

علم اور حکمت اللہ کی دو نعمتیں ہیں، اللہ اپنے حسبِ مشیت اپنے صالح مومن بندوں کو ان سے نوازتا ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا مَّا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ۔ (بقرہ - ۲۶۹)

(جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے، اور جس کو حکمت ملی اسے

حقیقت میں بڑی دولت مل گئی، ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے

ہیں جو دانش مند ہیں۔)

متعدد قرآنی آیات بتاتی ہیں کہ علم اور حکمت اللہ کی اہم ترین نعمتیں ہیں، جن سے وہ اپنے منتخب انبیاء و رسولوں کو سرفراز کرتا ہے۔ لہ

لہ مثال کے طور پر دیکھئے: بقرہ 227- یوسف 66-68- انبیاء 73- نمل 15-

اپنی ذات، مخلوقات کی بوالعجبیوں اور کائنات کی باریکیوں پر غور کرنے کی قرآن کریم نے ترغیب دی ہے، جو نفسیات اور اس کے اسرار کے مطالعہ و تحقیق کی دعوت ہے۔ مطالعہ نفسیات معرفت الہی عطا کرتا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ، وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ (ذاریات۔ ۲۱، ۲۰)

(زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے، اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہیں، کیا تم کو سوجھتا نہیں؟)

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى۔ (روم۔ ۸)

(کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا، اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں، برحق اور ایک مدت مقرر ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔)

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (رحمٰن السجدة) (۵۳)

(عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔)

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ، خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ، يُخْرَجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔ (الطارق۔ ۵، ۷)

(پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔)

اور اسی مفہوم کے اظہار کے لیے کہا جاتا ہے کہ ”جس نے اپنی ذات کی معرفت حاصل کر لی اس نے اپنے رب کی معرفت پالی“ اور ”اپنی ذات کی سب سے زیادہ

معرفت رکھنے والا شخص ہی اپنے رب کی سب سے زیادہ معرفت رکھتا ہے۔ (۱)“
ان سب کے علاوہ معرفت ذات کے نتیجہ میں خواہشات پر کنٹرول، گمراہی و انحراف سے حفاظت، ایمان، نیک عمل اور صالح کردار کی رہنمائی نصیب ہوتی ہے، جو پُر امن و اطمینان بخش زندگی اور دنیا و آخرت کی سعادت سے نوازتی ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں انسانی بناوٹ کی نوعیت بتائی گئی ہے، مختلف نفسیاتی احوال کا تذکرہ ہے۔ نفس کے انحراف اور مرض کے اسباب نیز ان کی اصلاح، تربیت اور علاج کے طریقے بتائے گئے ہیں، ان امور کا تذکرہ اس کتاب میں فطری بات تھی جو انسان کی ہدایت، رہنمائی، تربیت اور تعلیم کے لیے نازل کی گئی ہے، نفس سے متعلق قرآن کریم کی آیات وہ رہنما اشارے اور سنگ ہائے میل ہیں جن سے اپنے نفس اور اس کی مختلف خصلتوں کے فہم اور اصلاح و تربیت کے لیے صحیح طریقہ کار کی رہنمائی میں مدد لی جاسکتی ہے۔ انسان، اس کی صفات اور نفسیاتی احوال کے حقائق سے متعلق قرآنی آیات سے انسانی شخصیت، اس کے کردار و عمل کے بنیادی محرکات، اس کی شخصیت کے توازن اور نفسیاتی صحت کی تکمیل سے متعلق صحیح خدو خال متعین کرنے میں روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، اس سے ایسے ”علم النفس“ کی تشکیل کی راہ ہموار ہو سکتی ہے جس کے نتائج اور حقائق، اللہ رب العزت، جو انسان کا خالق اور اس کی شخصیت کے اسرار اور فطرت سے سب سے زیادہ آشنا ہے۔ ”أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔“ کے بتائے ہوئے سچے حقائق انسانی سے ہم آہنگ ہوں۔

زیر نظر کتاب دراصل قرآن کریم میں وارد انہیں نفسیاتی مفاہیم و حقائق کو یکجا کرنے اور انسانی شخصیت کے واضح تصور کی تعیین میں ان سے روشنی حاصل کرنے کی کوشش ہے جو ”علم النفس“ کے اندر جدید تحقیقات کے آثار کی راہ ہموار کر کے شخصیت کے سلسلہ میں ایسے جدید نظریات کی بنیادیں فراہم کرے گی، جن کے حقائق، انسان کے قرآنی حقائق و مفاہیم سے ہم آہنگ ہوں گے۔

طبیعیاتی علوم کے اندر اختیار کئے جانے والے مناہج بحث کو اپنانے کی وجہ سے جدید

ماہرینِ نفسیات نے صرف ان ظاہری نفسیاتی کیفیات کے مطالعہ تک خود کو محدود رکھا جن کا معروضی طریقہ پر مطالعہ و تجربہ کرنا ممکن تھا اور ان بہت سی اہم نفسیاتی کیفیات کے مطالعہ کو نظر انداز کر گئے جنہیں مطالعہ و تجربہ کی کسوٹی پر اتارنا دشوار تھا چنانچہ انہوں نے اپنے مطالعہ و تحقیق میں خود نفس کو شامل نہیں کیا کیونکہ اسے مطالعہ کا موضوع بنانا دشوار تھا اور کردار ہی تک اپنے مطالعہ کو محدود رکھا بلکہ کچھ ماہری نفسیات نے ”علم النفس“ کو بدل کر ”علم کردار“ نام تجویز کیا کیونکہ جدید علم النفس میں کردار و سلوک ہی کا مطالعہ کیا جاتا ہے نفس کا مطالعہ نہیں کیا جاتا ہے۔

نفسیاتی مطالعات میں طبیعیاتی علوم کے نتائج بحث کو اپنانے والے مذکورہ رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم النفس کے موضوع پر مادی نقطہ نظر چھا گیا جو تمام ظاہری نفسیاتی کیفیات و امور کو عضویاتی اعمال قرار دیتا ہے انسان کو اسی نظر سے دیکھا گیا جس سے حیوان کو دیکھا جاتا ہے بلکہ حیوانی کردار کے مطالعہ کو انسانی کردار کے فہم کا فطری ذریعہ سمجھا گیا اور بیشتر اوقات اس بڑے فرق کو نظر انداز کر دیا گیا جو روح کی امتیازی صفت سے آراستہ ہونے کی وجہ سے دونوں کے درمیان پایا جاتا ہے بلکہ روح کا مطالعہ تو نفسیاتی تحقیقات کے اندر تقریباً مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی سلوک کے سطحی اور غیر اہم پہلوؤں کا مطالعہ کرنے والی نفسیاتی تحقیقات کی ڈھیر لگ گئی لیکن ان بہت سے اہم عملی مظاہر کا مطالعہ یکسر نظر انداز کر دیا گیا جن میں دینی اور روحانی گوشوں کو زیر بحث لایا جاتا ہے اعلیٰ انسانی اقدار کا مطالعہ کیا جاتا ہے محبت کی بلند ترین انسانی تصویریں پیش کی جاتی ہیں۔ (ان میں جنسی پہلو نہیں ہوتے جو جدید ماہرینِ نفسیات کے مطالعہ محبت میں ملتے ہیں) انسانی کردار پر عبادات کے اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے جسمانی اور روحانی محرکات کے درمیان برپا نفسیاتی کشمکش کا مطالعہ کیا جاتا ہے مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان توازن قائم کر کے شخصیت کی تکمیل و ہم آہنگی زیر بحث لائی جاتی ہے اور ان کے علاوہ دیگر ان موضوعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن پر آئندہ اس کتاب میں گفتگو کی جائے گی۔ چند جدید ماہرینِ نفسیات نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ جدید علم النفس کے اندر انسان کے روحانی پہلو کے مطالعہ میں نقص پایا جاتا ہے چنانچہ ایک معاصر نفسیاتی تجزیہ نگار ERICH FROMM کہتا ہے کہ

موجودہ علم النفس نے ”بیشتر اوقات میں صرف انہی مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے جو بہت معمولی اور ان کے اپنائے ہوئے علمی منہاج سے ہم آہنگ ہیں، نئے مناہج بحث وضع کر کے انسان کے اہم ترین مسائل کا مطالعہ نہیں کیا گیا ہے، اسی طرح علم النفس اپنے بنیادی موضوع یعنی روح کے مطالعہ سے خالی ہے، مشینی افعال، جوابی اعمال اور خواہشات پر توجہ دی گئی ہے، لیکن انسان کے واضح امتیاز کو عطا کرنے والے بنیادی امور جیسے محبت، عقل، شعور اور اقدار سے صرف نظر کر لیا گیا ہے۔“ ۱

ادھر کچھ عرصہ سے معدودے چند ماہرین نفسیات نے انسان کے روحانی پہلو کے مطالعہ کی اہمیت کو محسوس کیا اور بعض روحانی پہلوؤں مثلاً تخاطر ۲ اور استشفاف ۳ کے مطالعہ کی کوششیں شروع کی گئیں، ابھی یہ کوششیں ابتدائی مراحل میں ہیں، اور ان گہرے نتائج تک نہیں پہنچ سکی ہیں جنہیں انسان سے متعلق اپنی گہری معلومات کے مجموعہ میں ہم باطمینان شامل کر سکیں۔

بلاشبہ اس وقت ضرورت ہے کہ ہم اپنے اسلامی سرمایہ کے مطالعہ کی جانب مزید توجہ دیں، قرآن کریم سے آغاز کرتے ہوئے، حدیث نبوی اور مسلم فلاسفہ و مفکرین کے ذریعہ انجام پانے والی عمدہ بہ عمدہ کی نفسیاتی تحقیقات کا مطالعہ کر کے اسلامی نفسیاتی مفاہیم کا صحیح فہم حاصل کریں جو ایک جانب نفسیاتی تحقیقات کے اندر ہمارے لیے رہنما ہو اور دوسری جانب انسانی شخصیت سے متعلق ان مخصوص نظریات کی تشکیل میں وہ معاون بنے جو خالص علمی بحث و تحقیق کی باریکیوں اور انسان سے متعلق قرآنی حقائق کے جامع ہوں، کیونکہ یہ حقائق خالق انسان کی جانب سے حاصل ہونے کی وجہ سے بالکل برحق ہیں:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ

حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔ (طہ السجدة: ۴۲)

(باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم و

حمید کی نازل کردہ چیز ہے۔)

۱۔ الدین والتحليل النفسی، ترجمہ فواد کامل، مکتبہ غریب قاہرہ ۱۹۷۷ء صفحہ ۱۱

۲۔ کسی دوسرے شخص خواہ وہ دور ہو، کے ساتھ تبادلہ خیالات و افکار کو تخاطر کہتے ہیں۔

۳۔ دائرہ حواس سے باہر دور کی اشیاء کا ادراک، استشفاف کہلاتا ہے۔

قرآن کریم اور مُحَرَّکَاتِ عَمَل

مُحَرَّکَاتِ ان حرکت بخش قوتوں کا نام ہے جو کسی زندہ وجود کو سرگرمی پر آمادہ کرتی اور کردار و عمل کا رُخ کسی مخصوص مقصد یا چند مقاصد کی جانب پھیرتی ہیں، مُحَرَّکَاتِ ہی زندہ وجود کے اہم اور ضروری کام انجام دیتے ہیں، زندگی و بقاء کے لیے لازمی بنیادی ضروریات کی تکمیل اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے دیگر مفید و اہم افعال کی انجام دہی پر یہی مُحَرَّکَاتِ آمادہ کرتے ہیں۔

جدید ماہرینِ نفسیات مُحَرَّکَاتِ کی دو بنیادی قسمیں کرتے ہیں:

اول: عضویاتی مُحَرَّکَاتِ ۱۔ یہ وہ فطری مُحَرَّکَاتِ ہیں جو جسم کی عضویاتی ضروریات اور جسم کے خلیوں میں پیدا ہونے والے نقص اور بے اعتدالی سے متعلق ہوتے ہیں، یہ انسان کو ایسے مقاصد پر آمادہ کرتے ہیں جو جسم کی عضویاتی ضروریات پوری کرتے ہیں، یا جسم کے خلیوں میں پیدا ہو جانے والی کمی کو پورا کر کے اسے سابقہ حالتِ اعتدال پر واپس لاتے ہیں۔

دوم: نفسیاتی مُحَرَّکَاتِ ۲۔ یہ مُحَرَّکَاتِ سماجی نشوونما کے دوران اکتسابی طور پر فرد کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔

عضویاتی مُحَرَّکَاتِ

ہر مخلوق کو نعمتِ وجود سے سرفراز کرنے والی ذاتِ الہی نے اپنی حکمت کے پیش نظر تمام مخلوقات کے اندر ایسی مخصوص صفات اور خصوصیات رکھی ہیں جو اپنے مخصوص

۱۔ انہیں اولین مُحَرَّکَاتِ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ یہ ثانوی مُحَرَّکَاتِ ”اکتسابی مُحَرَّکَاتِ اور سماجی مُحَرَّکَاتِ“ بھی کہلاتے ہیں۔

اعمال کی ادائیگی پر انہیں آمادہ کرتی ہیں۔

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ - (طہ-۵۰)

(ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی، پھر اس کو

راستہ بتایا۔)

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ وَالَّذِي

قَدَّرَ فَهَدَىٰ - (اعلیٰ-۳۱)

(اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو، جس نے پیدا کیا اور تناسب

قائم کیا، جس نے تقدیر بنائی، پھر راہ دکھائی۔)

انسان اور حیوان کی تکوینی ساخت میں موجود اہم خصوصیات میں عضویاتی محرکات

آتے ہیں، عضویاتی محرکات کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم بقاء فرد کے لیے ضروری ہے، اور دوسری قسم بقاء نوع کے لیے لازمی ہے۔

عضویاتی وظائف انسان اور حیوان کے اہم حیاتیاتی کام انجام دیتے ہیں، یہی بدن

کی ضروریات پوری کرتے ہیں، اس میں پیدا ہونے والے عضویاتی اور کیمیائی نقص کی

تلافی کرتے ہیں، اور پیش آمدہ اختلال و اضطراب اور بے اعتدالی کا دفاع کرتے ہیں، ذات

کے تحفظ اور بقاء کے لیے جسم کے اندر حیاتیاتی اعتدال کی لازمی مقدار برقرار رکھنے میں

وہ ہمیشہ مصروف رہتے ہیں، جب کبھی جسم کے اندر بے اعتدالی پیدا ہوتی ہے، مثلاً خون

میں غذاء کی مقدار کم ہو جاتی ہے، یا جسم کے خلیوں میں پانی کی کمی ہو جاتی ہے، یا بدن کی

حرارت یا برودت اپنی مقررہ مقدار سے بڑھ جاتی ہے، یا جسم کے اندر مقررہ حد سے زائد

تکان پیدا ہو جاتی ہے، تو مخصوص حرکات جسم کے اندر فوراً حرکت میں آ جاتے ہیں، اور

جسم کو سابقہ معتدل حالت پر واپس لانے کے لیے ضروری سرگرمی پر فرد کو آمادہ کرتے

ہیں، جدید عضویاتی تحقیقات لہ بتاتی ہیں کہ انسان اور حیوان کے جسم میں اعتدال کا

ضروری معیار برقرار رکھنے کے لیے طبعی میلان پایا جاتا ہے، چنانچہ جب بھی توازن میں

لہ امریکی ماہر عضویات W.B.Cannon کی تحقیق ہے جو ”حکمت بدن“ نامی اس کی

کتاب میں شائع ہو چکی ہے۔

The Wisdom Of the Body. New York: norton. 1932

فرق پیدا ہوتا ہے، سابقہ متوازن کیفیت پیدا کرنے کے لیے متعلقہ محرک فوراً مناسب سرگرمی پر آمادہ کرتا ہے، یہ مناسب سرگرمی خالص عضویاتی بنیاد پر انجام پاتی ہے، جس میں انسان کے اپنے ارادہ کا دخل نہیں ہوتا ہے، مثلاً زائد درجہ حرارت کے موقع پر جسم عرق آلود ہو کر اپنے درجہ حرارت میں کمی لے آتا ہے، یا پوٹوں کے نیچے کوئی چیز چلی آئے تو آنکھ اشکبار ہو جاتی ہے اور آنسوؤں کے ذریعہ وہ چیز باہر آ جاتی ہے، کبھی کبھی ایسی سرگرمی فرد کے اپنے مخصوص ارادہ سے بھی انجام پاتی ہے، مثلاً بھوک کی حالت میں غذا اور پیاس کے وقت پانی کا بلا ارادہ استعمال۔

حیاتیاتی اعتدال کے جس نظریہ کا انکشاف آج سائنسدانوں نے کیا ہے، قرآن کریم نے چودہ صدی قبل ہی اس کا ذکر کر دیا تھا، ملاحظہ کیجئے:

وَالْأَرْضُ مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ - (حجر - ۱۹)

(ہم نے زمین کو پھیلایا، اس میں پہاڑ جمائے، اس میں اس نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نئی تکی مقدار کے ساتھ اگائی۔)

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا - (فرقان - ۲)

(جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔)

وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ - (عد - ۸)

(ہر چیز کے لیے اس کے ہاں ایک مقدار مقرر ہے)

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ - (قمر - ۴۹)

(ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔)

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ - (انفطار - ۷)

(جس نے تجھے پیدا کیا تجھے نیک سک سے درست کیا، تجھے متناسب

بنایا۔)

انسان اور حیوان دونوں مخصوص و مقررہ معیار و انداز اور بہترین و پائیدار طریقہ پر بنائے گئے ہیں۔ توازن اور اعتدال کی مخصوص کیفیت دونوں میں موجود ہے، جب بھی اس توازن میں اختلال پیدا ہوتا ہے سابقہ متوازن حالت پر جسم کو واپس لانے کے لیے عضویاتی محرکات انسان اور حیوان کو متعلقہ مناسب سرگرمی پر آمادہ کرتے ہیں۔

ان اہم عضویاتی محرکات کی جانب قرآن کریم نے اشارے کئے ہیں جن پر ذیل میں گفتگو کی جا رہی ہے۔

اول: تحفظِ ذات کا محرک

قرآن کریم کی بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذات کے تحفظ اور فرد کی بقاء سے متعلق اہم عضویاتی محرکات جیسے بھوک، پیاس، تکان، حرارت، برودت، آلم اور سانس لینے کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام، جو جنت میں تھے، کو وہاں کی نعمتیں یاد دلائیں جہاں نہ انہیں بھوک اور پیاس کا احساس پریشان کرتا تھا، نہ لباس کی ضرورت اور موسم کی سختیاں ضرر رساں بنتیں، نہ جنت میں سورج تھا کہ اس کی تمازت کا احساس ہوتا، اللہ تعالیٰ نے انہیں شیطان کی سازش کا شکار بننے سے بھی خبردار کیا جو انہیں جنت سے نکال کر زمین پر اتار دینا چاہتا تھا، تاکہ انہیں اور ان کی اولاد کو مسلسل کوشش اور پیہم عمل کی پریشانیوں سے گزرنا پڑے، بھوک مٹانے کے لیے شکار اور زراعت کرنی پڑے، پیاس بجھانے کے لیے کنوئیں کھودنے اور بہتی نہروں تک سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے، موسم کی سختیوں سے حفاظت کے لیے جسم کو ڈھانپنے والے لباس بنانے، اور سورج کی شدت اور رات کی ٹھنڈک سے بچاؤ کے لیے رہائش گاہوں کی تعمیر اور درختوں کے سایوں اور غاروں میں پناہ لینے کی ضرورت پڑے:

فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِرِزْقِكَ فَلَا
يُخْرِجُكَ مِّنَ الْجَنَّةِ فَتَقَىٰ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَ
لَا تَعْرَىٰ، وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ، فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ
الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ
لَّا يَبْلَىٰ۔ (طہ - ۱۱۷، ۱۲۰)

(اس پر ہم نے آدم سے کہا کہ دیکھو یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہاں تو تمہیں یہ آسائشیں حاصل ہیں کہ نہ بھوکے ننگے رہتے ہو، نہ پیاس اور دھوپ تمہیں ستاتی ہے۔ لیکن شیطان نے اس کو

پھسلایا، کہنے لگا۔ ”آدم! بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے۔“

ان آیات میں تحفظِ ذات سے متعلق تین اہم محرکات کا تذکرہ ہے، یعنی بھوک، پیاس اور سخت حرارت (نیز ٹھنڈک) سے بچاؤ کے محرکات، ان آیات میں جذبہٴ بقا اور جذبہٴ ملکیت کی جانب بھی اشارہ ہے، تحفظِ ذات کے محرکات جذبہٴ بقا کے لیے عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ محرکات جسم کی عضویاتی ضروریات کو پورا کر کے فرد کی بقاء اور تسلسلِ زندگی کا کام انجام دیتے ہیں، جذبہٴ ملکیت کا شمار نفسیاتی محرکات میں ہوتا ہے، جس پر ہم آئندہ گفتگو کریں گے، بقاء کی خواہش اور جذبہٴ محرکات کی راہ سے ہی شیطان نے نفسِ آدم میں رسائی پا کر وسوسہ ڈالا اور حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کو بھول گئے، اور درخت سے کھا کر فرمانِ الہی کی خلاف ورزی کے شکار ہو گئے۔

سورہ نحل کی درج ذیل آیات میں تحفظِ ذات کے چند محرکات حرارت و برودت، تکان اور عالم کی جانب اشارے ملتے ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُودِ الْاَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ رِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَابِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اِنَّهَا لَمَتَاعًا اِلٰى حِينٍ۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيْكُمْ الْحَرَّ وَالسَّرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بِاَسْمِكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسَلِّمُوْنَ۔ (نحل۔ ۸۰-۸۱)

(اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا، اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے مکان پیدا کئے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔ اس نے جانوروں کے صوف اور اون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مدت مقررہ تک تمہارے کام آتی ہیں۔ اسی نے پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمہارے لیے سائے کا انتظام کیا، پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہیں ایسی

پوشاکیں بخشیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں جو آپس کی جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہیں، اس طرح وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرتا ہے۔ شاید کہ تم فرمائید: (بنو۔)

پھاڑوں کے غاروں، خیموں اور گھروں کی رہائش گاہیں بنا کر انسان ضرر رساں جانوروں، دشمنوں کے شر اور موسم کی گردشوں، حرارت و برودت سے اپنے بچاؤ کا سامان کرتا ہے، یہاں اسے دن بھر کی مسلسل جدوجہد سے چور ہونے کے بعد راحت، اطمینان اور نیند کا لطف ملتا ہے۔ درختوں کے سایوں، ٹیلوں اور پھاڑوں میں پناہ بنا کر سورج کی تمازت سے وہ اپنی حفاظت کرتا ہے۔ لباس بنا کر سردی و گرمی کی سختیوں سے بچاؤ کرتا ہے، اور لوہے وغیرہ سے ہتھیار بنا کر جنگوں میں دشمنوں کے حملوں اور زخموں کی تکالیف سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔

بھوک، پیاس اور تکان کے محرکات ایسے ہیں جنہیں عام حالات میں طویل عرصہ تک برداشت کرنے کی صلاحیت انسان کے اندر نہیں ہوتی کہ یہ اس کے لیے باعثِ الم اور قابلِ ضرر ہوتی ہیں، اس کی جانب اشارہ قرآن کی درج ذیل آیت میں ہے، جس میں راہِ خدا میں بھوک، پیاس اور تکان کو برداشت کرنے پر استحقاقِ اجر و ثواب کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ
يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَؤُنَّ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ
عَدُوِّ نَيْلًا إِلَّا أَكْتُبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ
الْمُحْسِنِينَ - (توبہ - ۱۲۰)

(مدینے کے باشندوں اور گرد و نواح کے بدویوں کو یہ ہرگز زیبا نہ تھا کہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہتے اور اس کی طرف سے بے پرواہ ہو کر اپنے اپنے نفس کی فکر میں لگ جاتے۔ اس لیے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا کہ اللہ کی راہ میں بھوک پیاس اور جسمانی مشقت کی کوئی تکلیف وہ جھیلیں، اور منکرینِ حق کو جو راہ ناگوار ہے اس پر کوئی قدم وہ

اٹھائیں، اور کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) کوئی انتقام وہ لیں، اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عملِ صالح نہ لکھا جائے، یقیناً اللہ کے ہاں محسنوں کا حق اچھمت مارا نہیں جاتا۔)

تحفظِ ذات کے محرکات ہر انسان اور حیوان کے اندر موجود ہوتے ہیں، سورہ نحل کی آیت میں چیونٹی کے اندر موجود تحفظِ ذات کے محرکات کی جانب اشارہ ہے، جس بنا پر ضرر و تکلیف اور ہلاکت و تباہی سے وہ اپنی حفاظت کرتی ہے:

وَ حَشِيرَ لِسَلِيمَانَ جُنُودَهُ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ
فَهُمْ يُوزَعُونَ، حَتَّىٰ إِذَا آتَوُا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا
أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سَلِيمَانُ وَ
جُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ (نمل - ۱۷-۱۸)

(سلیمان کے لیے جن اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے تھے اور وہ پورے ضبط میں رکھے جاتے (ایک مرتبہ وہ ان کے ساتھ کوچ کر رہا تھا) یہاں تک کہ جب یہ سب چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا۔ ”اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔“)

ان دونوں آیات میں چیونٹی کے اندر موجودہ تحفظِ ذات کے محرکات کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے، ایک چیونٹی جو غالباً چیونٹیوں کی ملکہ یا محافظہ تھی، درپیش خطرہ سے بقیہ تمام چیونٹیوں کو آگاہ کرتی ہے، تاکہ حفاظت کے لیے وہ اپنے ٹھکانوں میں پناہ گزیں ہو جائیں۔ بعض آیات میں انسانی زندگی پر خوف کے اور بھوک کے محرک کی خصوصی اہمیت کا ذکر ملتا ہے، بھوک اور خوف یہ دونوں انسانی زندگی میں اہم رول ادا کرتے ہیں، انسان اپنے لیے، اپنے اہل و عیال اور بچوں کے لیے لقمہٴ زندگی کی فراہمی کی راہ میں عام طور پر سخت جدوجہد کرتا ہے، اسی طرح موت، نامعلوم مستقبل، دشمنوں اور مصائبِ زمانہ وغیرہ کا خوف انسان کے لیے اکثر و بیشتر پریشانی کا سبب بنتا ہے، اسی لیے بھوک اور خوف کو انسانی زندگی کے لیے اہم موثر عوامل قرآن کریم میں تسلیم کیا گیا ہے:

وَكَلْبَلُونَكُمْ بِشْيَءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنْ

الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَ بَشِيرِ الصَّابِرِينَ -
(بقرہ-۱۵۵)

(اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطرہ، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھائے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے، ان حالات میں جو لوگ صبر کریں، انہیں خوشخبری دے دو۔)

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعِيمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ -
(نحل-۱۱۲)

(اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے۔ وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفرغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا۔ تب اللہ نے اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔)

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَ
أَمَنَّهُمْ مِنَ خَوْفٍ - (قریش-۳۲)

(لہذا ان کو چاہئے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن عطا کیا۔)

انسان کی زندگی میں بھوک کے محرک اسی طرح سردی گرمی وغیرہ موسم کی سختیوں سے جسم کی حفاظت اور اہمیت کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ ایمان لغو (مہمل قسموں) کا کفارہ دس مساکین کو کھلانا اور کپڑے پہنانا رکھا گیا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْإِيمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْفَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ - (مائدہ-۸۹)

(تم لوگ جو مہل قسمیں کھا لیتے ہو ان پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کرے گا۔) ایسی قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو، اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ قسم کھا کر توڑ دو، اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لیے واضح کرتا ہے شاید کہ تم شکر ادا کرو۔)

حرارت اور برودت کے محرک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قرآن کتا ہے

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلِيُّ
الْأْرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا - (الدھر-۱۲، ۱۳)

(اور ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریشمی لباس عطا کرے گا، وہاں وہ اونچی مسندوں پر تکتے لگائے بیٹھے ہوں گے، انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی نہ جاڑے کی ٹھری۔)

جنت میں سورج نہیں ہوگا کہ گرمی اور اسی طرح سخت سردی کا احساس انسان کو

ستائے، تکان کے محرک کی جانب بھی قرآن میں اشارہ ہے۔ اہل جنت مومنین کی زبان سے قرآن میں کہا گیا ہے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا
لَغَفُورٌ شَكُورٌ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا
يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ -

(فاطر-۳۲، ۳۵)

(اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر

دیا، یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا قدر فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں

اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا، اب یہاں نہ ہمیں کوئی

مشقت پیش آتی ہے اور نہ تکان لاحق ہوتی ہے۔)

جنت ایک دائمی قیام گاہ ہوگی، کسی بھی ذمہ داری سے فراغت کی وجہ سے کسی تکان اور پریشانی کا احساس انسان کو نہیں ہوگا، اہل جنت کا وصف قرآن بتاتا ہے کہ:

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرِجِينَ۔

(حجر-۳۸)

(انہیں نہ وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہاں سے نکالے

جائیں گے۔)

دنیاوی زندگی میں تلاش معاش کی راہ میں جدوجہد اور اپنی مختلف ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اسے طرح طرح کی پریشانیوں اور محنتوں سے گزرنا پڑتا ہے اور نتیجتاً اسے نیند اور آرام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اپنی معاشی ذمہ داریوں کی مسلسل ادائیگی کے لیے دوبارہ نشاط و تازگی اس کے اندر لوٹ آئے:

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ

فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ۔ (روم-۲۳)

(اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا

اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان

لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں۔)

دن بھر کے کاموں، حصولِ رزق کے لیے جدوجہد اور اپنی مختلف ذمہ داریوں کی ادائیگی سے شکستہ اور چور ہو کر جسم کو راحت پہنچانے کے لیے دن یا رات میں نیند کی لذت بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ

مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ۔ (یونس-۶۷)

(وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں

سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں

کے لیے جو ”کھلے کانوں سے پیغمبر کی دعوت) کو سنتے ہیں۔)

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ

مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَشْكُرُونَ۔ (المؤمن-۳۱)

(وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔)

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ - (نمل - ۸۴)

(کیا ان کو بھائی نہ دیتا تھا کہ ہم نے رات ان کے لیے سکون حاصل کرنے کو بنائی تھی اور دن کو روشن کیا تھا؟ اس میں بہت نشانیاں تھیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے تھے۔)

وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا - (نبا - ۱۱۹)

(اور تمہاری نیند کو باعثِ سکون بنایا اور رات کو پردہ پوش اور دن کو معاش کا وقت بنایا۔)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا - (فرقان - ۴۷)

(اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس اور نیند کو سکون موت اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا۔)

یہ آیات بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رات کی تاریکی کو پردہ پوش بنایا ہے تاکہ دن بھر کی جدوجہد، حرکت و عمل اور محنتوں کے بعد رات میں راحت و سکون اور نیند کی لذت حاصل ہو اور دن کو روشن بنایا ہے تاکہ زمین میں چل پھر کر تلاشِ رزق اور تقاضے زندگی کی وہ تکمیل کر سکے، تکان اور طلبِ راحت کے محرک کا تذکرہ ذیل کی آیات میں ملتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ - (العام - ۶۰)

(وہی ہے جو رات کو تمہاری رو میں قبض کرتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے پھر دوسرے روز وہ تمہیں اسی

کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے۔ وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔)

وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ (قصص - ۷۳)

(یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ (تم رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔)

تکان ایک اہم محرک ہے جو دن بھر کی جہد و عمل کے بعد نیند اور راحت پر انسان کو آمادہ کرتا ہے، جس کے ذریعہ جسم کے خلیوں کو نشاط و تازگی حاصل ہو جاتی ہے اور نیند کے بعد انسان چست، چاق و چوبند ہو کر نئی طاقت اور از سر نو کام کے لیے تازگی و نشاط کے ساتھ بیدار ہوتا ہے۔

مختلف قسم کے اندیشوں، خوف اور روزمرہ زندگی میں پیش آنے والی مختلف پریشانیوں اور سختیوں کی وجہ سے جسم کے اندر پیدا ہونے والے جسمانی تناؤ و بے کیفی بھی نیند کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے، غزوہ بدر کے موقع پر جب کچھ مسلمانوں کے اوپر خوف چھا چکا تھا، مسلمانوں کی حالت بتاتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النَّعَاسُ أَمِنَةً مِّنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيَطَهِّرَ كُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُم رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ۔ (انفال - ۱۱)

(اور وہ وقت جب کہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برس رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست کو دور کرنے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جمادے۔)

نیند نے ان کے خوف کو دور کر دیا اور امن و اطمینان کی کیفیت ان کے اندر لوٹ آئی، انسان کی زندگی میں نیند کی اہمیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

قُلْ اَرَا بَيْتَكُمْ اِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلَى
يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنْ اِلٰهِ غَيْرِ اللهِ يَاتِيكُمْ بِاللَّيْلِ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ
اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ - (قصص - ۷۲)

(ان سے پوچھو، کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک، تم پر
ہمیشہ کے لئے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو
تمہیں رات لاوے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟ کیا تم کو سوجھتا
نہیں؟)

اگر مسلسل دن ہی رہتا اور رات نہ ہوتی جس میں انسان کو سکون، تکان سے
راحت اور نیند حاصل ہوتی تو کیا انسان کے لیے ممکن ہوتا کہ تکان و پریشانی سے خالی
پر سکون زندگی گزار سکے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کی دلیل یہ ہے کہ رات
اور دن کی یکے بعد دیگرے گردش کا نظام بنایا، اور انسان کے اندر تکان کا محرک رکھا جو
نیند و راحت پر انسان کو آمادہ کر کے دوبارہ نشاط و تازگی بخشتا ہے۔

اَلْمُ فطری عضویاتی محرک ہے، جو انسان کو ضرر رساں اور تکلیف دہ چیزوں سے
گریز پر آمادہ کرتا ہے، گذشتہ صفحات میں سورہ نحل کی آیات ۸۰ و ۸۱ کا ذکر ہو چکا ہے، جن
میں محرک اَلْمُ کی جانب اشارہ موجود تھا، اَلْمُ ایسا طاقتور محرک ہے جو ہر اَلْمُ رساں چیز سے
گریز پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ اس کی جانب اشارہ قرآن کی ان متعدد آیات میں ہے
جن میں کفار و منافقین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کریں اور ایمان نہ لائیں تو
ممکن ہے کہ دنیا یا آخرت میں عذاب کے اَلْمُ سے انہیں دو چار ہونا پڑے۔ اگر اَلْمُ تمام
انسانوں کے اندر فطری عمومی اور طاقتور محرک نہ ہوتا تو کفر اور انکار رسالت پر کفار و
منافقین کو المناک عذاب کی دھمکی اور خوف کا اللہ تعالیٰ تذکرہ نہ فرماتا، قرآن کی بے شمار
آیات میں کفار کو عذابِ جہنم سے ڈرایا گیا ہے، ذیل میں چند آیتیں ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا لَوَ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَمِثْلَهُ
مَعَهُ لَیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ، یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ
بِخَارِجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ۔ (مائده - ۳۶، ۳۷)

(خوب جان لو کہ جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے اگر ان

کے قبضہ میں ساری زمین کی دولت ہو اور اتنی ہی اور اس کے ساتھ اور وہ چاہیں کہ اسے فدیہ میں دے کر روز قیامت کے عذاب سے بچ جائیں تب بھی وہ ان سے قبول نہ کی جائے گی اور انہیں دردناک سزا مل کر رہے گی۔ وہ چاہیں گے کہ دوزخ کی آگ سے نکل بھاگیں مگر نہ نکل سکیں گے اور انہیں قائم رہنے والا عذاب دیا جائے گا۔

فَإِنْ يَتُوبُوا بِكُمْ خَيْرٌ أَلَيْسَ إِنَّ يَتُوبُوا يَعَذِّبَهُمُ اللَّهُ
عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ
وَلَا نَصِيرٍ۔ (توبہ- ۷۴)

(اب اگر یہ اپنی اس روش سے باز آئیں تو انہی کے لیے بہتر ہے، اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو نہایت دردناک سزا دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور زمین میں کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔)

يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ
ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ (احقاف- ۳۱)
(اے ہماری قوم کے لوگو! اللہ کی طرف بلائے والی دعوت قبول کر لو اور اس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں سے ڈر گزر فرمائے گا اور تمہیں عذاب الیم سے بچا دے گا۔)

سانس لینے کا محرک زندگی کے لیے لازمی عضویاتی محرکات میں سے ہے۔ انسان اور حیوان دونوں کو زندہ رہنے کے لیے سانس کے ذریعہ آکسیجن لینے کی ضرورت ہوتی ہے، جب آکسیجن کی کمی ہوتی ہے تو ایک طاقتور محرک انسان کو آکسیجن لینے پر آمادہ کرتا ہے، اور جو نہی آکسیجن مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے تو انسان کی موت ہو جاتی ہے، زندگی کے اندر سانس لینے کی اہمیت کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِكِ الْمَشْحُونِ
وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ، وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا
صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقذُونَ۔ (یس- ۳۱، ۳۲)

(ان کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری

ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پھر ان کے لیے ویسی ہی کشتیاں اور پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور کسی طرح یہ نہ بچائے جاسکیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا۔

(عنکبوت - ۴۰)

(اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو غرق کر دیا۔)

ذات کے تحفظ اور بقا کے اندر اہم ذمہ داری انجام دینے والے ایک فطری عضو یا تہ محرک کے طور پر سانس لینے کے محرک کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ جب انسان کو غرقاب ہو کر بلاک ہونے کا خطرہ ہر چہار جانب سے گھیر لیتا ہے تو اسے شدید خوف محسوس ہونے لگتا ہے، انسان کسی کشتی میں سمندر کی درمیانی موجوں میں ہو، تیز آندھی چلنے لگے، موجوں کے تلاطم میں کشتی آگئی ہو، اور موت کا سایہ سر پر منڈلانے لگا ہو تو انسان کے اندر جو سخت گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوتی ہے، قرآن کریم اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

هُوَ الَّذِي يُسَبِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي
الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ
عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَأَظُنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ
بِهِمْ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنِ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ
لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ۔ (یونس - ۲۲)

(وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے، چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحان و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے اس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لئے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ”اگر تو نے ہم کو اس بلا سے نجات دے دی تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔“)

دوم: بقاءِ نوع کے دو محرک:

انسان اور حیوان کی تکوینی ساخت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے فطری عضویاتی محرکات رکھے ہیں، جو تحفظِ ذات کے لیے ضروری عمل پر انہیں آمادہ کرتے رہتے ہیں، ٹھیک اسی طرح حکمتِ خداوندی نے دونوں کے تکوینی مزاج میں دو ایسے عضویاتی محرکات بھی رکھے ہیں جو انہیں دو ایسے اہم کاموں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں جن پر بقاءِ نوع کا انحصار ہے یعنی جنسی محرک اور جذبہٴ مادری۔

جنسی محرک: جنسی محرک بقاءِ نوع کے لیے جنسی ملاپ و تناسل کا اہم کام انجام دیتا ہے، جنسی محرک کے ذریعہ خاندان وجود میں آتا ہے اور خاندانوں سے معاشرہ اور قومیں وجود میں آتی ہیں، اور اس طرح زمین آباد ہوتی ہے، قومیں باہم متعارف ہوتی ہیں، تہذیب عروج پذیر ہوتی ہے، علوم اور صنعتیں ترقی پاتی ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَ
جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
اتَّقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۔ (حجرات- ۱۳)

(لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ
وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ
نِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ
عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ (نساء- ۱)

(لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک

دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَيْنًا وَحَفْءًا۔ (نحل-۷۲)

(اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے پوتے عطا کئے۔)

فَاِطْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذُرُّوْكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ۔ (شوری-۱۱)

(آسمانوں اور زمین کا بنانے والا جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کئے اور اسی طرح جانوروں میں بھی (انہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے اور اس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔)

حکمتِ خداوندی کے مطابق پودوں کے اندر بھی تناسل کا عمل پایا جاتا ہے بلکہ کائنات کی ہر شے میں جوڑے کا وجود ہے:

وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اُنثٰی۔ (رعد-۳)

(اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کئے ہیں۔)

وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ جَعَلْنَا زَوْجَيْنِ لَكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (ذاریات-۳۹) لہ

(اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم اس سے سبق لو۔)

لہ علمِ طبیعیات کی جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ اشیاء کائنات کا ہر ذرہ Electron اور Proton سے مرکب ہوتا ہے۔ سائنسدانوں نے ان دونوں کا تجزیہ کر کے مثبت برقیہ اور منفی برقیہ انہیں بتایا ہے جو ایک دوسرے کو جذب کرتے ہیں۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ
وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ۔ (یس-۳۶) لہ

(پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے، خواہ وہ زمین کی نباتات میں ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسان) میں سے ہوں یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں۔)

جنسی محرک خاندانی تشکیل کی بنیاد ہے، ہر ایک اپنے جوڑے سے مل کر راحت، امن اور اطمینان محسوس کرتا ہے، اور دونوں کے درمیان محبت و مودت اور رحمت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جو عائلی زندگی کو باہمی تعاون کی فضا میں برقرار رکھتے ہیں اور بچوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی بہترین شخصیت سازی کے لیے مناسب اچھا ماحول فراہم کرتے ہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِمْ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ (روم-۲۱)

(اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔)

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا۔ (اعراف-۱۸۹)

(اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل

کرے۔)

جذبہ ماوریت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ماں کی تکوینی ساخت میں ایک ایسا فطری محرک رکھا

لہ اس کے لئے مزید دیکھئے: محمد قطب، 'دارسات فی النفس الانسانیہ'، مطبوعہ دارالشروق،

بیروت ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۹۵-۱۹۶

ہے جو اسے بقائے نوع کے لیے ولادت کی اہم ذمہ داری انجام دینے کے لیے تیار کرتا ہے، ماں حمل اور ولادت کی گراں بار مشقتوں کو بخوشی برداشت کرتی ہے، بچے کی رضاعت، پرورش اور نگہداشت انجام دیتی ہے، تاکہ وہ بڑا ہو کر خود اپنی نگہداشت پر قادر ہو سکے۔ ماں کے حمل و ولادت کی مشقتوں کو برداشت کرنے کا تذکرہ قرآن میں ان الفاظ میں آیا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كَرْهًا
وَوَضَعَتْهُ كَرْهًا وَحَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔

(ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جٹا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں ۳۰ مہینے لگ گئے۔)

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلِيًّا وَهِنَّ
وَ فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ الرَّكِي
الْمَصِيرُ۔ (لقمان - ۱۴)

(اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔)

بچے کے ساتھ ماں کی محبت، تعلق، بچے کے دور ہونے کے اندیشہ و خوف اور نزدیک ہونے پر خوشی و فرحت کے جذبات کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان کرتے ہوئے قرآن کریم نے کیا ہے:

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا إِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا
أَنَّ رَبَّنَا عَلَيَّ قَلْبًا لَتَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (قصص - ۱۰)

(ادھر موسیٰ کی ماں کا دل اڑا جا رہا تھا۔ وہ اس کا راز فاش کر بیٹھتی اگر ہم اس کی ڈھارس نہ بندھا دیتے تاکہ وہ (ہمارے وعدے پر) ایمان

لانے والوں میں سے ہو۔)

یعنی ماں کے دل سے ہر قسم کی فکر نکل کر صرف لختِ جگر کی فکر سما گئی، بچے کے فراق پر فرطِ غم و اندیشہ اس قدر ہوا کہ اگر اللہ نے ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا اور دل میں سکون و طمانیت نہ ڈال دیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ اپنے بچہ کی نشاندہی کر دیں اور جب نونہال واپس آ گیا تو سارا غم جاتا رہا اور خوشی و سکون لوٹ آیا:

فَرَدَّ دُنْهٖ اِلٰی اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ۔

(قصص - ۱۳)

(اس طرح موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پلٹا لائے تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو۔)

نفسیاتی محرکات

نفسیاتی محرکات کو براہ راست جسم کے ان عضویاتی حالات میں شامل نہیں کیا جا سکتا جو کسی نقص اور جسمانی ضروریات کے وجود سے پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ بھوک، پیاس اور تکان جیسے عضویاتی محرکات میں ہوتا ہے، بیشتر جدید ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ نفسیاتی محرکات عام طور سے عضویاتی محرکات کی بنیاد پر اکتسابی ہوتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک عضویاتی محرکات اور فرد کے تجربات نیز اس کے سماجی نشوونما کے عوامل سے تعامل کے نتیجے میں نفسیاتی محرکات وجود پذیر ہوتے ہیں، اس بنیاد پر نفسیاتی محرکات کے اندر فطری عناصر کے وجود کا ماہرین نفسیات انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ بعض ماہرین نفسیات مثلاً Erich Fromm کے نزدیک بعض نفسیاتی محرکات جنہیں وہ نفسیاتی ضروریات کا نام دیتا ہے، جیسے نسبت کی ضرورت، ترقی کی ضرورت، شناخت کی ضرورت اور رہنمائی کے لیے دائرہ کی ضرورت، انسان کی طبیعت کے اندر بنیادی فطری ضروریات ہیں، معاشرہ سے اکتسابی نہیں ہیں۔ لہ

A.Maslow نے محرکات کی نئی تقسیم تجویز کی ہے جو روحانی محرکات کو شامل ہے، چنانچہ اس نے دو قسم کے محرکات بلکہ اس کے الفاظ میں دو قسم کی ضروریات کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ ایک بنیادی ضروریات اور دوسری روحانی ضروریات، بنیادی ضروریات کے ضمن میں وہ ضروریات آتی ہیں جن کا مطالعہ بیشتر ماہرین نفسیات انسان کی بنیادی ضروریات مثلاً بھوک، پیاس، جنس، امن، اقدام اور دیگر محرکات کے طور پر کرتے ہیں اور روحانی ضروریات انسان کے روحانی پہلو سے متعلق ضروریات مثلاً عدل، خیر، جمال، نظام اور اتحاد وغیرہ کو شامل ہیں۔ Maslow کے نزدیک انسان کی روحانی ضروریات وہ فطری ضروریات ہیں جن کی تکمیل پر فرد کی شخصیت کی نمو اور پختگی منحصر ہے۔

Lindzey, C.S. and Thombson, R.F.: Psychology. New York

worth Publish, inc. 1976, p360.

اس کتاب میں ہماری ترجیح یہ ہے کہ نفسیاتی محرکات کے عنوان کے تحت ان تمام نفسیاتی امور اور روحانی محرکات کا ذکر کریں جن کی وجہ سے جانور سے انسان کو امتیاز حاصل ہے، ہمارے نزدیک بھی بیشتر نفسیاتی محرکات معاشرہ سے اکتسابی نہیں ہیں بلکہ ان میں فطری عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جدید ماہرینِ نفسیات نے انسان کی عضویاتی ضروریات کے مطالعہ و تحقیق پر بھرپور توجہ دی ہے، نفسیاتی محرکات کے مطالعہ میں بیشتر اوقات انسان کی ان مختلف ضروریات پر توجہ دی گئی جو اس کے گرد و پیش کی مخصوص ثقافتی اور سماجی ماحولیات کے تقاضوں کے ساتھ اس کی شخصی اور سماجی ہم آہنگی سے متعلق ہیں، لیکن انسان کے روحانی پہلو اور اس سے پیدا ہونے والی بلند و اعلیٰ انسانی ضروریات، جو درحقیقت اعلیٰ و ارفع انسانی ضروریات ہیں، اور دیگر حیوانات سے انسان کو واضح طور پر ممتاز کرتی ہیں، کے مطالعہ پر توجہ نہیں دی گئی۔

طبعیاتی علوم کے اندر اپنائے جانے والے علمی منہاج کو جدید ماہرینِ نفسیات نے انسان کے مطالعہ میں جب اپنایا تو لازمی طور پر انہوں نے اپنے مطالعہ کو انسانی عمل کے صرف انہی پہلوؤں تک محدود رکھا جنہیں تجرباتی اور تحقیقی بحث و عمل کا موضوع بنانا ممکن تھا، اور روحانی پہلو سے تعلق رکھنے والے اہم ترین انسانی عمل کے بیشتر گوشوں کے مطالعہ سے وہ چشم پوشی کر گئے، انسان کے اس روحانی پہلو کے مطالعہ کے مناسب کسی نئے علمی منہاج کے وسائل کی دریافت کرنے کی کوشش کے بجائے وہ اس پہلو کے مطالعہ ہی کو سرے سے نظر انداز کر گئے، البتہ جدید علم النفس میں انسان کے مطالعہ پر چھائے ہوئے موجودہ مادی رجحان اور روحانی پہلو کے مطالعہ سے گریز پر اب کچھ تنقیدیں شروع ہوئی ہیں۔ چنانچہ Erich Fromm نے جدید علم النفس پر تنقید کی ہے کہ عام طور پر اس میں انسانی کردار کے انتہائی معمولی اور سطحی پہلوؤں کا مطالعہ کیا جاتا ہے، انسان کے اہم ترین مسائل، اعلیٰ اقدار اور روحانی پہلو کے مطالعہ سے گریز کیا جاتا ہے، جو انسان کا وصف امتیاز ہے۔ اس قسم کی تنقیدوں نے Maslow کو انسانی ضروریات کی ازسرنو تقسیم کرتے ہوئے بنیادی ضروریات اور روحانی ضروریات بیان کرنے کی جانب رہنمائی کی۔

محرکِ ملکیت

محرکِ ملکیت ان نفسیاتی محرکات میں سے ہے جسے انسان اپنی سماجی نشوونما کے دوران سیکھتا ہے، اپنے ماحول کی ثقافت اور انفرادی تجربات سے وہ مال و جائداد اور اراضی کی ملکیت اور فقر کے خوف سے اطمینان نیز معاشرہ کے اندر قوت و جاہ اور رسوخ عطا کرنے والی مختلف قسم کی جائدادوں کی ملکیت کی محبت سیکھتا ہے، محرکِ ملکیت کی جانب بہت سارے مواقع پر قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے:

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ (آل عمران - ۱۴)

(لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔ مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔)

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ (فجر - ۲۰)

(اور تم مال کی محبت میں بڑی طرح گرفتار ہو۔)

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (کہف - ۳۶)

(یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔)

اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ

بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ۔ (حدید - ۲۰)

(خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک

کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک

دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی

کوشش کرنا ہے۔)

محرکِ ملکیت ان دو اہم محرکات میں سے ایک تھا جنہیں حضرت آدم علیہ السلام

کے اندر ابھار کر ابلیس نے انہیں ممنوع درخت سے رکھلا کر حکم الہی کی خلاف ورزی کرائی۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى
شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ - (طہ-۱۲۰)

(لیکن شیطان نے اس کو پھسلایا، کہنے لگا ”آدم! بتاؤں تمہیں وہ

درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے۔“)

بعض ماہرینِ نفسیات مثلاً ”ماکدو جال“ نے محرکِ ملکیت کو جبلت تصور کیا ہے

لیکن جدید انسانی اور نفسیاتی تحقیقات محرکِ ملکیت کو جبلت تصور کرنے والی رائے کی

تائید نہیں کرتی ہیں بلکہ اسے اکتسابی نفسیاتی محرک قرار دیتی ہیں۔ لہٰذا شیطان کا حضرت

آدم علیہ السلام کو وسوسہ کہ ”وہ انہیں لازوال سلطنت (ملکیت) کی رہنمائی کرے گا“ سے

یہ نتیجہ لازمی طور پر نہیں نکلتا کہ آدم اور اولادِ آدم کے اندر محرکِ ملکیت فطری اور جبلی

ہے، کیونکہ یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے اندر ایک

ایسے جذبہ کو ابھارنے کی کوشش کی جو اس وقت فی الواقع ان کے اندر موجود نہ تھا، اور

اس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے ابلیس کے بتانے سے محرکِ ملکیت کو سیکھا ہو۔

محرکِ سرکشی:

محرکِ سرکشی کا اظہار دوسروں کے تئیں انسان کے ظالمانہ کردار کے اندر

دوسروں کو نقصان پہنچانے کے مقصد سے ہوتا ہے، خواہ وہ جسمانی سرکشی کی صورت میں

ہو یا لفظی سرکشی کی صورت میں، قصہ آدم و حوا اور جنت سے انہیں نکلنے کے لیے

شیطانی وسوسوں کے ضمن میں قرآن نے اس محرک کی جانب اشارہ کیا ہے:

فَاذْلَمْنَاهُمَا الشَّيْطَانَ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ
وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ

مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ - (بقرہ-۳۶)

(آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر

ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ ”اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔“

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔

(طہ-۱۲۳)

(اور فرمایا ”تم دونوں (فریق، یعنی شیطان اور انسان) یہاں سے اتر

جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔)

یہ دونوں آیات بتاتی ہیں کہ باہمی مناقشت، اپنی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کی وجہ سے لوگوں کے اندر ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی ہوتی ہے۔ سورۃ بقرہ کی درج ذیل آیت میں محرک سرکشی کی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً
قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَ
نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا
تَعْلَمُونَ۔ (بقرہ-۳۰)

(اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ ”میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔“ انہوں نے عرض کیا: ”کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا۔ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لئے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں۔“ فرمایا۔ ”میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔“)

اس آیت کی شرح میں امام فخر الدین رازی رقم فرماتے ہیں:

”جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی فرمائی کہ:

”إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ
يُفْسِدُ فِيهَا۔“

(میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا:

”کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا۔“

یعنی جب آپ نے شہوت، غضب اور عقل تینوں چیزیں جمع کر دی ہیں تو اس کی موجودہ حالت اسے تکمیل شہوت اور اظہار غضب پر آمادہ کرے گی، اور شہوت کی وجہ سے بگاڑ پیدا ہو گا، اور غضب کی وجہ سے وہ خون بہائے گا، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ ”إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ (میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے)“ لہٰذا حیاتِ انسانی کے اندر پہلی سرکشی آدم کے بیٹے قابیل کی طرف سے اپنے بھائی ہابیل پر اس وقت کی گئی جب اللہ نے اس کے بھائی کی قربانی قبول فرمائی اور اس کی قربانی قبول نہیں کی، یہ دیکھ کر اسے غیرت آگئی اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا:

وَ اتُّلُّ عَلَيْهِمْ نَبَا ابْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا
فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَكَمْ يَتَّقِبَلُ مِنَ الْآخِرِ قَالَ لَا قُتِلَكَ
قَالَ إِنَّمَا يَتَّقِبَلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ
لَتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِي إِلَيْكَ لَا قُتِلَكَ إِنِّي أَخَافُ
اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ
فَتَكُونَ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ وَ ذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ
فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ
الْخَاسِرِينَ۔ (مائدہ-۲۷، ۳۰)

(اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔ اس نے کہا ”میں تجھے مار ڈالوں گا“ اس نے جواب دیا ”اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا

۱۔ فخرالدین رازی، کتاب النفس والروح، تحقیق محمد صغیر معصومی مطبوعہ معہد الابحاث
الاسلامیہ کراچی صفحہ 4

اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹ لے اور دوزخی بن کر رہے۔ ظالموں کے ظلم کا یہی ٹھیک بدلہ ہے۔ ”آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

قرآن میں ان عملی سرکشیوں کی جانب اشارہ ہے جن کا اظہار غیبت و بہتان، زبان درازی، گالی گلوچ، مذاق و تحقیر جیسے لفظی اسلوبوں سے ہوتا ہے، اس کی چند مثالیں ذیل کی آیات میں دیکھئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةَ مِّنْ دُونِكُمْ لَا
يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَّدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ
أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن
كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ - (آل عمران - ۱۱۸)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہیں چوکتے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے، ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے۔)

إِن يَشْفُقُواكُمْ يُكَفِّرُوا لَكُمْ أَعْدَاءَ وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ
أَيْدِيَهُمْ وَالسُّرُورَ وَالسُّرُورَ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ -
(ممتحنہ - ۲)

(ان کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمہیں آزار دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔)

زَيْنَ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ
الَّذِينَ آمَنُوا - (بقرہ - ۲۱۲)

(جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کے لیے دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند بنا دی گئی ہے۔ ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔)

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي
الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ
مِنْهُمْ - (توبہ-۷۹)

(وہ خوب جانتا ہے کہ ان کنجوس دولت مندوں کو جو برضا و رغبت دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں پر باتیں چھانٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہِ خدا میں دینے کے لیے) اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔)

سُرکشی کے معاملہ میں بھی ماہرینِ نفسیات اور نفسیاتی تجزیہ نگاروں کے اندر اتفاق رائے نہیں ہے کہ آیا وہ فطری محرک ہے یا اکتسابی؟ فرائڈ (Freud) اور Lorenz وغیرہ بعض ماہرینِ نفسیات نے اسے فطری محرک شمار کیا ہے، دوسرے بہت سارے ماہرینِ نفسیات اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے کہ اس طرح طبیعتِ انسانی کے متعلق منفی اور بُرا تصور سامنے آتا ہے، یعنی اس رائے کی رُو سے انسان فطری طور پر شر و سُرکشی اور دوسروں کے لیے ایذا رسانی پسند نظر آتا ہے، اس لیے دیگر ماہرینِ نفسیات مثلاً Fromm اور Maslow وغیرہ نے طبیعتِ انسانی کے نیک و مثبت اور باہمی تعاون پسند پہلوؤں پر زور دیا ہے۔

جدید تجرباتی تحقیقات سے واضح ہوتا ہے کہ سُرکشی کے عمل کا اظہار چھوٹے بچوں کے اندر اس وقت ہوتا ہے جب ان کی جسمانی حرکات پر بندش عائد کرنے کی وجہ سے ان کے اندر ناکامی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نتیجہ سُرکشی کا اظہار ہوتا ہے، پھر بچے کی نشو و نما کے دوران ناکامی کے حالات پیدا کرنے والی متنوع قسم کی پابندیاں پیش آتی ہیں، مثلاً سماجی، قانونی، اقتصادی، سیاسی اور نفسیاتی پابندیاں وغیرہ، بعض دیگر تحقیقات بتاتی ہیں کہ ناکامی کے نتیجہ میں کوئی لازماً سُرکشی پیدا نہیں ہوتی، بلکہ مختلف قسم کے کردار کا ظہور ہوتا ہے، مثلاً دوسروں سے تعاون و مدد کی طلب، گریز، شراب و ممنشیات کا سہارا، اس

موقف میں بہت سے دیگر وہ عوامل بھی داخل ہو جاتے ہیں جو بچوں کی تربیت، ان کے ساتھ والدین کے تعلقات، اور بچوں کے سابقہ انفرادی تجربات سے متعلق ہوتے ہیں، جن کے نتیجے میں بچے ناکامی پر ظالمانہ عمل اختیار کرنا سیکھ جاتے ہیں، اس بناء پر بہت سارے جدید ماہرین نفسیات اس جانب مائل ہیں کہ محرک سرکشی اپنے ایک جزء میں اکتسابی عمل ہے۔

بیشتر جدید ماہرین نفسیات کی اختیار کردہ یہ رائے قرآن کریم کے اس بیان سے ہم آہنگ ہے کہ انسانی طبیعت کے اندر خیر و شر دونوں کی استعداد موجود ہے:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ - (بلد - ۱۰)

(اور دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھادیئے۔)

خیر و احسان اور دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی راہ اپنانا اسی طرح شر و ظلم اور سرکشی پر آمادہ ہونا متعدد عوامل سے تعلق رکھتا ہے، مثلاً فرد کو کس قسم کی تربیت حاصل ہو رہی ہے، رکن سماجی و ثقافتی ماحول میں وہ پرورش پا رہا ہے، اس کو انفرادی تجربات کیا پیش آئے، اسی طرح انسان کبھی ناکامی پر سرکشی و گریز پر آمادہ اور خود سر ہو جاتا ہے، اور کبھی درپیش رکاوٹوں کو دور کرنے کی ترکیب پر غور کر کے ان پر غلبہ پانے کی تدبیر کرتا ہے۔

محرک تنافس

تنافس ان نفسیاتی محرکات سے تعلق رکھتا ہے جسے انسان اپنے ماحول کی ثقافت سے سیکھتا ہے، فرد کو حاصل ہونے والی تربیت ایسے گوشوں کی جانب اس کی رہنمائی کرتی ہے، جہاں اپنے معاشرہ میں رائج اقدار کے مطابق اپنی ترقی و پیش قدمی کے لیے تنافس کو وہ مستحسن خیال کرتا ہے، گرد و پیش کی ثقافت سے انسان اقتصادی تنافس، سیاسی تنافس، علمی تنافس اور اسی طرح مختلف نوع کے ایسے تنافس سیکھتا ہے جو مختلف انسانی ثقافتوں میں رائج ہوتے ہیں، قرآن کریم نے اللہ کے خوف، نیک اعمال، اعلیٰ انسانی اقدار سے آراستگی،

Moriss Charles G.: Psychology An Introduction, 3rd ed.

Englewood Cliffs, New Jersey, 979 PP, 368-370.

زندگی کے اندر ربانی منہاج کی اتباع، خواہ اللہ رب العالمین کے ساتھ تعلقات ہوں،
خاندانی تعلقات ہوں، یا معاشرتی تعلقات کے اندر تانس کی ترغیب دی ہے، تاکہ اللہ کی
مغفرت، خوشنودی اور جنت میں داخلہ کی نعمت حاصل ہو:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ تَعْرِفُ فِي
وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مُمْتَرٍ
خِتَامُهُ مِسْكَ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَافَسُونَ -
(مطفین - ۲۲، ۲۶)

(بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے، اونچی مسندوں پر
بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے، ان کے چہروں پر تم خوشحالی کی رونق
محسوس کرو گے۔ ان کو نفیس ترین سرہند شراب پلائی جائے گی جس پر
مشک کی مہر لگی ہوگی، جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہوں ان
کو چاہیے کہ اسی سے رغبت کریں۔

سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَلِكَ
فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ - (حدید - ۲۱)

(دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے
رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین
جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے
رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا
ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔)

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا
فِي نَبْئِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ - (مائدہ - ۴۸)
(لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش
کرو۔ آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں
اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔)

محرک دینداری:

دینداری کا محرک ایسا نفسیاتی محرک ہے جس کی فطری بنیاد انسان کی تکوینی ساخت کے اندر موجود ہے، انسان اپنے نفس کی گہرائیوں میں ایسا محرک محسوس کرتا ہے جو اسے اپنے خالق اور کائنات کے خالق کی معرفت کے لیے فکر و تلاش پر، اس کی عبادت پر، اس کا وسیلہ اور اس کی پناہ اختیار کر کے ہر مصیبت و پریشانی کے وقت اس کی مدد طلب کرنے پر اسے آمادہ کرتا ہے، اس کی حمایت و نگہبانی میں وہ امن و اطمینان محسوس کرتا ہے، تاریخ کے تمام ادوار اور مختلف انسانی معاشروں کے اندر انسانی کردار میں یہ چیز واضح طور پر نظر آتی ہے، البتہ تاریخ کے مختلف ادوار اور مختلف انسانی معاشروں میں خدا کی نوعیت سے متعلق انسان کا تصور اور طریقہ عبادت، فکری معیار اور ثقافتی ارتقاء کے درجہ میں فرق کے لحاظ سے مختلف رہا ہے، لیکن خدا کی نوعیت سے متعلق انسانی تصور اور طریقہ عبادت کے یہ سارے اختلافات انسانی نفس کے اندر موجود محرک دینداری کے اسی ایک فطری محرک کے اظہار کی مختلف شکلیں ہیں، قرآن کی بعض آیات میں بھی اس جانب اشارہ ہے کہ محرک دینداری ایک فطری محرک ہے، ارشاد ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ
النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَ
لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ - (روم - ۳۰)

(پس) اے نبی اور نبی کے پیروؤ! یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی
سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں
کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی یہی بالکل
راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ انسان کی فطرت یعنی اس کی خلقت اور تکوینی
ساخت کے اندر مخلوقات خداوندی میں اللہ کی کرشمہ سازیوں اور ان کے ذریعہ خدا کے
وجود اور وحدانیت پر استدلال کی فطری صلاحیت موجود ہے۔ لہٰذا ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ۔
(اعراف-۱۷۲)

(اور اے نبی! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا، ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ انہوں نے کہا ”ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں“ یہ ہم نے اس لیے کہا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ”تم اس بات سے بے خبر تھے۔“)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی پشتوں سے نسل در نسل آنے والی نسل انسانی کو دنیاوی تخلیق سے پہلے نکال کر ان سے گواہی لی کہ ”کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟“ انہوں نے جواب دیا۔ ”کیوں نہیں، ہم اس کی گواہی دیتے ہیں“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی ربوبیت پر اللہ نے انہیں اس لیے گواہ بنایا تاکہ روز قیامت وہ یہ نہ کہہ سکیں ہم اس توحید سے غافل یا نا آشنا تھے لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تکوینی ساخت میں اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت کی معرفت کی فطری صلاحیت پائی جاتی ہے، اللہ کی ربوبیت کا اعتراف انسان کی فطرت میں جاگزیں اور اس کی روح کی گہرائیوں میں روز اول سے پیوست ہے، لیکن جسم کے ساتھ روح کے امتزاج نیز دنیاوی زندگی اور تعمیر کائنات سے متعلق مختلف تقاضائے جسم میں انسان کی مشغولیت کی وجہ سے ربوبیت الہی کی یہ معرفت اور توحید کی فطری صلاحیت پر غفلت و نسیان کا پردہ چھا جاتا ہے، اور لاشعور کی گہرائیوں میں وہ پوشیدہ ہو جاتی ہے، پھر ضرورت ہوتی ہے کہ اس فطری صلاحیت کو بیدار کیا جائے، اس کے غبار کو صاف کیا جائے، اور لاشعور کی گہرائیوں سے اسے نکال کر شعور و ادراک کی روشنی میں لایا جائے، راز ہائے کائنات سے واقفیت، انفس و آفاق اور کائنات میں خدا کی کرشمہ سازیوں پر

غور و فکر کی راہ سے اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

انسان کے اندر محرک دینداری کو ابھارنے والے اسباب و عوامل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب خطرات اسے چار جانب سے گھیر لیتے ہیں، امیدِ نجات ختم ہو چکی ہوتی ہے، اور اللہ کی پناہ کے علاوہ کوئی اور پناہ گاہ نہیں رہ جاتی ہے تو اس وقت یہی فطری محرک درپیش خطرات سے گلو خلاصی کے لیے اللہ کی مدد اور نصرت طلب کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ لہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي
الْفُلِكِ وَجَرَّتْ بِكُمْ بَرِّيْحٌ طَيِّبَةٌ وَفَرِحْتُمْ بِهَا جَاءَ تَهَاوِيْحٌ
عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ
بِهِمْ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنِ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ
لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ - (يونس - ۲۲)

(کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحان و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے اس وقت اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ ”اگر تو نے ہم کو اس بلا سے بچا دے دی تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے۔“)

قُلْ مَنْ يُنَجِّبِكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ
تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنِ أَنْجَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ
الشَّاكِرِينَ - (انعام - ۶۳)

(اے نبی! ان سے پوچھو، صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت

رگڑ رگڑا رگڑ گڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے اس نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے۔

لاشعوری محرکات

بسا اوقات انسان کے اندر ایسے جذبات یا محرکات بھی پیدا ہوتے ہیں جو ناپسندیدہ یا پریشان کن ہوتے ہیں، دائرہ احساس و شعور سے انہیں دور کرنے کی وہ کوشش کرتا ہے اور بالآخر انہیں لاشعور میں دبا دیتا ہے، اس قسم کے جذبات یا محرکات کا اظہار اکثر و بیشتر لاشعوری طریقہ پر لغزشِ بیان و زبان کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔

نفس کے اندر موجود ایسے ہی جذبات و محرکات، جنہیں انسان چھپانے کی کوشش کرتا ہے، لغزشِ زبان کی صورت میں ان کے لاشعوری اظہار کی جانب قرآن کریم میں اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ
أَصْغَانَهُمْ وَكُونَِشَاءُ لَا رَيْنَا كَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَ
لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ
(محمد: ۲۹، ۳۰)

(کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے کھوٹ ظاہر نہیں کرے گا؟ ہم چاہیں تو انہیں تم کو آنکھوں سے دکھا دیں اور ان کے چروں سے تم ان کو پہچان لو مگر ان کے اندازِ کلام سے تو تم ان کو جان ہی لو گے۔ اللہ تم سب کے اعمال سے خوب واقف ہے۔)

اس مفہوم کی وضاحت حضرت عثمان بن عفان سے مروی اس روایت میں ہے کہ ”جو بھی راز انسان اپنے اندر چھپاتا ہے، چہرہ کے خدو خال اور زبان کی لغزشوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دیتا ہے“ لہٰذا اور حدیث شریف میں ہے ”جو راز بھی انسان پوشیدہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ایک لبادہ ڈال دیتا ہے، خیر ہو تو خیر کا لبادہ اور شر ہو تو

شرکالبادہ“ لہ

آئندہ نویں فصل میں انسانی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے ہم بتائیں گے کہ بعض لاشعوری عقلی جیلوں مثلاً بدگمانی، اپنی برأت اور برعکس عمل وغیرہ کی جانب قرآن نے اشارے کئے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہیں کہ نظریہ تحلیل نفسی کے بانی فرائڈ کی تحقیق سے چودہ صدی پیشتر ہی انسانی کردار کے لاشعوری پہلو کی جانب قرآن نے اشارے کر دیئے تھے۔

محركات کے درمیان کشمکش

بسا اوقات کئی محركات انسان کے اندر ایک دوسرے سے متعارض ہوتے ہیں، ایک محرک انسان کو کسی ایک مخصوص سمت میں کھینچ رہا ہوتا ہے، اور دوسرا محرک دوسری برعکس سمت میں۔ ایسے موقع پر انسان حیرت و تردد کا شکار ہو کر کسی بھی رخ میں قطعی فیصلہ لینے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔ اس کیفیت کو نفسیاتی کشمکش کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی ایسی نفسیاتی کشمکش کی تصویر کشی کی ہے جس سے ایمان کے معاملہ میں شک آمیز اور غیر یقینی موقف اپنانے والے دوچار ہوتے ہیں، وہ نہ ایمان کی سمت میں مکمل بڑھتے ہیں اور نہ سمت کفر پورا جھکتے ہیں۔ دونوں کے درمیان ڈانوا ڈول کسی قطعی فیصلہ سے بے بس ہوتے ہیں:

قُلْ اِنْدَعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ
عَلٰى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَبٰوَتْهُ
الشَّيْطٰنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرٰنًا لّٰهُ اَصْحَابُ يَدْعُوْنَهُ اِلٰى
الْهُدٰى اِنْتِنَا۔ (العام۔ ۷۱)

(اے نبی! ان سے پوچھو، کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور جب کہ اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا اب ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ کیا ہم اپنا حال اس شخص کا سا کر لیں جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و

لہ حوالہ سابق

سرگرداں پھر رہا ہو در آں حالیکہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ
ادھر آیہ سیدھی راہ موجود ہے۔)

نفسیاتی کشمکش کی کیفیت، اور اس سے دو چار فرد کی تردد و حیرت آمیز حالت کی
نہایت باریک تصویر کشی اس آیت میں کی گئی ہے، ایسے فرد کو شیاطین سبز باغ دکھاتے اور
کفر و ضلال کی جانب کھینچ رہے ہوتے ہیں، دوسری جانب اس کے اہل ایمان اصحاب اسے
ہدایت و ایمان کی جانب بلا رہے ہوتے ہیں۔ ان دونوں پکاروں کے درمیان حیرت و تردد
کے عالم میں وہ کھڑا ہوتا ہے، اس حیرت و تردد اور غیر یقینی کیفیت، جس سے کفر و ایمان
کے درمیان نفسیاتی کشمکش میں مبتلا شخص دو چار ہوتا ہے، کی تصویر قرآن کے الفاظ میں
دیکھئے:

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَأَتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَمُمْ فِي رَبِّهِمْ يَتَرَدَّدُونَ۔ (توبہ-۳۵)

(ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر
پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی
میں متردد ہو رہے ہیں۔)

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا
تَأَمَّرُوا إِلَى الْقَضَاةِ قَامُوا كَسَالَى يُرَاوِنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا
قَلِيلًا مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هُوَ لَا إِلَى هُوَ لَا إِلَى هُوَ
لَا إِلَى هُوَ لَا إِلَى هُوَ لَا إِلَى هُوَ لَا إِلَى هُوَ لَا إِلَى هُوَ لَا إِلَى هُوَ
يُضِلُّ اللَّهُ فَمَنْ تَبِعَهُ سَبِيلًا۔ (نساء-۱۳۲، ۱۳۳)

(یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت
اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، جب یہ نماز کے لیے اٹھتے
ہیں تو کسماتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا
کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ کفر و ایمان کے درمیان ڈانوا ڈول ہیں نہ
پورے اس طرف ہیں نہ پورے اس طرف۔ جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو
اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پاسکتے۔)

اس نفسیاتی کشمکش کی وجہ سے حیرت و تردد میں مبتلا ہو کر جو لوگ فیصلہ نہیں کر
پاتے ہیں کہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں یا اپنی مشترک قوم کا، اور کشمکش کی وجہ سے

سخت تنگی، پریشانی اور حیرت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآن ان کی بھی تصویر کشی کرتا ہے:

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ
جَارٌكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنِ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا
قَوْمَهُمْ۔ (نساء۔ ۹۰)

(البتہ وہ منافق اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا
ملیں جس سے تمہارا معاہدہ ہے۔ اسی طرح وہ منافق بھی مستثنیٰ ہیں جو
تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں نہ تم سے لڑنا
چاہتے ہیں نہ اپنی قوم سے۔)

محركات پر کنٹرول

گذشتہ تفصیلات سے اس قدر واضح ہو جاتا ہے کہ مشیت خداوندی کے مطابق ہر
انسان و حیوان کی فطرت میں عضویاتی محرکات رکھ کر تحفظ ذات اور بقاء نوع کے مقاصد
کی تکمیل کی گئی ہے اور ان محرکات و جذبات کی تکمیل ایک لازمی فطری تقاضہ ہے جو ہر
انسان و حیوان کی تکوینی ساخت کا مقتضی ہے، ان کی تکمیل و آسودگی ہی پر زندگی کا تسلسل
اور نوع کی بقاء منحصر ہے۔ اس لیے ان محرکات سے متعلق قرآنی احکام و تعلیمات انسانی
فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ قرآن ان کا اعتراف کرتا ہے، انہیں تسلیم کرتا ہے
اور مقررہ حدود کے اندر ان کی تکمیل و آسودگی کا حکم دیتا ہے۔ قرآن یا حدیث کے اندر
کہیں بھی ان محرکات کو ناپسندیدہ بتایا گیا ہے نہ ان کا انکار کیا گیا ہے اور نہ ان کے کچلنے کا
حکم دیا گیا ہے۔ اسی قرآن اور حدیث نبوی کے اندر ان محرکات و خواہشات پر کنٹرول، ان
کی نگرانی اور اسراف و تجاوز سے بچتے ہوئے شریعت کی حدود ہی میں ان کی تکمیل کا حکم
دیا گیا ہے تاکہ فرد اور سماج کے مفادات محفوظ رہ سکیں۔

کسی جذبہ پر کنٹرول اور اس جذبہ کو کچلنے میں بہت بڑا فرق ہے جسے واضح رہنا
چاہئے۔ کنٹرول کا مطلب یہ ہے کہ کسی جذبہ، محرک کو بالارادہ روکنا اور ان کی تکمیل و
اظہار سے مخصوص حالات میں گریز کرنا، جس میں سرے سے اس جذبہ کا انکار نہیں ہوتا
ہے۔ بلکہ دوسرے حالات میں جب اجازت ہو، اس جذبہ کی تکمیل کی جاتی ہے اور کچلنے کا
مطلب یہ ہے کہ اس جذبہ کا انکار کیا جائے، اسے ناپسندیدہ تصور کیا جائے اور اس سے

خوف محسوس کیا جائے، اور بالآخر شعور کے دائرہ سے پوری طرح دور کر کے احساس گناہ و قلق سے گلو خلاصی حاصل کی جائے اور اس طرح جذبہ کو لاشعور کے اندر کچل کر رکھ دیا جائے۔ لہذا کچلنے کا مفہوم یہ ہوا کہ جذبہ کو شعور و احساس کے دائرہ سے دور کر کے لاشعور کی گہرائیوں میں بند کر دیا جائے، لاشعور کے اندر جذبہ کی موجودگی کو بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اظہار کے لیے لاشعوری جیلوں اور طریقوں کے ذریعہ کوشاں رہتا ہے، نتیجتاً کردار میں فساد و بگاڑ کے مختلف مظاہر سامنے آتے ہیں۔

قرآن کریم ہمارے فطری محرکات کو سابقہ مفہوم کے مطابق کچلتا نہیں ہے، بلکہ ان کی تکمیل کے عمل کو منظم بناتا ہے، ان پر نگرانی کرتا ہے، اور ان کی اس طرح درست رخ بندی کرتا ہے جس میں فرد اور سماج دونوں کے مفاد کی رعایت ملحوظ ہوتی ہے اور اس طرح فرد خود ان محرکات کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اور ان کی رخ بندی کرتا ہے، نہ کہ خود محرکات و جذبات فرد پر حاوی رہتے ہیں، عضویاتی محرکات کی تکمیل کو قرآن جس طرح تسلیم کرتا ہے اس کی وضاحت درج ذیل آیات سے ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔
(بقرہ-۱۶۸)

(لوگو، زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ
وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِتَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ (بقرہ-۱۶۲)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ، وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ۔ (مائدہ-۸۷، ۸۸)

(اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں، جو کچھ حلال و طیب رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور اس خدا کی نافرمانی سے بچتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔)

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ - (بقرہ-۱۰)

(اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو۔)

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ، قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفِصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ - (اعراف-۳۱، ۳۲)

(اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی، ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے اللہ کی بخشش ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصاً انہی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔)

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ - (نور-۳۲)

(تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہاری لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو۔ اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا۔ اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔)

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا
 طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّا مَضَىٰ وَتِلْكَ رُبَعٌ فِيمَا خِفْتُمْ أَلَّا
 تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَذْنَىٰ أَلَّا
 تَعُولُوا۔ (نساء-۳)

(اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو
 جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے
 نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو
 گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے
 قبضہ میں آئی ہیں، بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب
 ہے۔)

نِسَاؤُكُمْ حَرْثُ لَكُمْ فَأَتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ۔
 (بقرہ-۲۲۳)

(تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تمہیں اختیار ہے جس طرح
 چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ۔)

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے فطری محرکات و جذبات کا قرآن
 کہیں انکار نہیں کرتا ہے، نہ انہیں کچلتا اور دباتا ہے اور اس طرح انسان کو اس نفسیاتی
 کشمکش سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو جنسی جذبہ کے انکار اور اس کو کچلنے کے نتیجہ میں پیدا ہو کر
 کردار میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے لیکن دوسری طرف قرآن انسان کو بے لگام بھی نہیں
 چھوڑتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے بلا قید و حد اپنے جذبات و خواہشات کی تسکین کرتا
 پھرے۔ بلکہ ان کی تکمیل کو ضابطہ کا پابند اور ان پر کنٹرول رکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ لہ
 حلال اور جائز دائرہ میں رہتے ہوئے فطری محرکات کی تکمیل سے لطف اندوزی
 میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن فطری محرکات کی تکمیل کے لیے قرآن کریم دو طرح کی

۱۔ اس سلسلہ میں مزید دیکھئے: محمد قطب، 'الانسان بین المادیتہ و الاسلام' مطبوعہ
 قاہرہ 1960ء صفحہ 84-91 محمد قطب، 'منج التریبۃ الاسلامیہ' مطبوعہ بیروت، 'دارالشرق' 128

پابندی بتاتا ہے۔ اول یہ کہ صرف جائز طریقہ سے ان کی تکمیل کی جائے اور دوم یہ کہ ان کی تکمیل میں اسراف نہ کیا جائے۔

عضویاتی محرکات کی تکمیل کے لیے جائز و حلال راہ اپنانا پہلا ضابطہ ہے، چنانچہ حرام کمائی کے ذریعہ بھوک کی تکمیل سے قرآن کریم روکتا ہے، اسی طرح بعض مخصوص انواع کی چیزیں کھانے سے بھی وہ ہمیں روکتا ہے جن سے صحت انسانی کو ضرر لاحق ہوتا ہے، قرآن ہمیں شراب نوشی سے روکتا ہے کہ وہ انسان کی جسمانی اور عقلی صحت کے لیے ضرر رساں ہے، وہ ہمیں شادی کے علاوہ طریقے سے جنسی جذبہ کی تکمیل سے منع کرتا ہے کیونکہ اس سے صحت اور سماج کے لیے بہت سارے نقصانات وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے جنسی جذبہ کی تسکین کے لیے ایک ضابطہ بنایا ہے، اس نے مرد اور عورت کی تخلیق فرمائی اور ان دونوں سے تشکیل پانے والی خاندانی زندگی کو جنسی جذبہ کی تسکین کا ذریعہ بنایا، اس سے خاندانی زندگی باہمی محبت و مودت اور تعاون و ایثار سے آراستہ ہو کر امن و سکون اور طمانیت کا سبب بنتی ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ (روم-۲۱)

(اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔)

هُنَّ لِبَاسٍ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٍ لِهِنَّ۔ (بقرہ-۱۸۷)

(وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔)

اگر حالات شادی کیلئے سازگار نہ ہوں تو اپنے جنسی جذبہ پر کنٹرول اور پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ حالات شادی کے لیے سازگار ہو جائیں۔ لہ

لہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ فرائڈ کے زیر علاج جو عصبی مریض تھے ان کی پرورش و پرداخت عموماً مسیحی یورپی معاشرہ میں ہوئی تھی۔ جہاں جنسی جذبہ ناپسندیدہ اور لائق نفرت

وَلَيْسَتُمْ مِنَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ - (نور-۳۳)

(اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انہیں چاہئے کہ عفت مآلی اختیار

کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔)

مسلم نوجوانوں کے لیے قرآن کریم ایسا معاشرہ فراہم کرنا چاہتا ہے جو اس کے جنسی جذبہ پر کنٹرول میں معاون ہو، ایسا معاشرہ اسے ناپسند ہے جو نوجوانوں کے جنسی جذبات کو مزید برا نگینتہ کرتا اور ان میں ہیجان پیدا کرتا ہے، اسی لیے قرآن کریم نے نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا اور عورتوں کو اپنی زینت، بال، گردن اور سینہ کے ان جسمانی محاسن کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا جو مردوں کے لیے فتنہ خیز بنتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ: تھا۔ اسی لئے فرائڈ کے یہاں جنسی جذبہ کو کچلنے اور عصبی مریضوں کے مابین تعلق کا وجود کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے۔ حالانکہ فرائڈ ہی کے بعض شاگرد جیسے اڈلر اور یونج اور ان کے علاوہ دیگر نفسیاتی محللین مثلاً کارن ہونی اور اریک فروم نے فرائڈ کے اس نظریہ سے اتفاق نہیں کیا ہے کہ جنسی جذبات پر زائد توجہ دی جائے اور عصبی امراض کی بنیاد جس کے دباؤ کو مانا جائے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فرائڈ کے دریافت کردہ نتائج ممکن ہے کہ بعض حالات میں اس معاشرہ کے اندر درست ہوں جہاں خود فرائڈ نے زندگی گزاری تھی، لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہی نتائج دوسرے ان معاشروں کے لئے بھی لازمی طور پر درست ہوں جہاں کی ثقافت فرائڈ کے معاشرہ سے مختلف ہے، جذبہ جنس کے تئیں اسلام کا جو موقف اوپر بیان ہوا ہے جو نہ اس کا انکار کرتا ہے، نہ اسے گندی و قابل نفرت چیز سمجھتا ہے۔ اس کے پیش نظر اسلامی معاشرہ، جہاں بچوں کی پاکیزہ اسلامی تربیت ہوتی ہے، نوجوانوں کی جلد شادی کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور اس راہ میں رکاوٹ بننے والی عادت و رواج سے جو محفوظ ہوتا ہے، ایسے معاشرہ میں ہم یہ توقع ہی نہیں کرتے کہ جنسی جذبہ کو کچلنے کی ضرورت پیش آئے، جنسی جذبہ پر ضبط و کنٹرول اور شادی کے لئے مناسب وقت تک اس جذبہ کی تکمیل سے گریز کی نوجوانوں کی تربیت کو ہم ان نفسیاتی صحت کے لئے ضرر رساں ہی نہیں سمجھتے۔ خصوصاً جب کہ نوجوان عبادات اور بالخصوص روزہ کو جنسی خواہش پر کنٹرول کے ایک وسیلہ کے طور پر انجام دیتے ہوں اور دیگر ذرائع بلندی جیسے ورزش، مختلف سماجی سرگرمیوں میں شرکت اور علوم، آداب و فنون کے حصول میں وہ دلچسپی لیتے ہوں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا
 فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَقُلْ
 لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَ
 لَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ
 عَلَى جُجُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ
 أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ
 أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْأَرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ
 الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْ
 جُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ
 جَمِيعًا إِنَّهُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (نور۔ ۳۱-۳۰)

(اے نبی، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور
 اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے،
 جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ ان سے باخبر رہتا ہے۔ اور اے نبی، مومن
 عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی
 حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگار نہ دکھائیں، بجز اس کے جو خود ظاہر ہو
 جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آچھل ڈالے رہیں، وہ اپنا
 بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر، باپ، شوہر کے
 باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے
 بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے لونڈی، غلام، وہ زبردست مرد جو
 کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ
 باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں، وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ
 چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو
 جائے۔ اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو تو قہر ہے کہ فلاح پاؤ
 گے۔)

رسول کریم ﷺ نے اجنبی مرد و عورت کو تنہائی میں اکٹھا ہونے سے منع فرمایا کہ

یہ جنسی جذبہ کو برا نگینہ کر سکتا ہے، سن بلوغ کو نہ پہنچنے والے بچوں اور خادموں کے لیے تعلیم دی گئی ہے کہ مندرجہ ذیل تین اوقات میں بغیر اجازت ان جگہوں میں داخل نہ ہوں جہاں مرد و عورت اکٹھے ہوتے ہیں، فجر سے پہلے، دوپہر میں قیلولہ کے وقت اور بعد نماز عشاء سونے کی تیاری کے وقت۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ
 أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ
 قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَ
 مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا
 عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوْفُ فُؤُونٍ عَلَيْكُمْ بِبَعْضِكُمْ عَلَى
 بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
 حَكِيمٌ (نور-۵۸)

(اے ایمان والو! اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہوں اپنے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں ان کے بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر، تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے ارشادات کی توضیح کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔)

ان تین اوقات میں عام طور پر لوگ اپنے معمول کے کپڑے اتار کر آرام و خواب کے لباس پہن لیتے ہیں۔ ایسا ممکن ہوتا ہے کہ ان اوقات میں شرمگاہ کے کچھ حصے کھلے ہوں جن پر دوسروں کی نگاہ نہیں پڑنی چاہئے۔ ان اوقات میں مردوں اور عورتوں کے پاس بغیر اجازت لئے بچوں اور خادموں کو جانے سے قرآن نے اس لیے روکا ہے کہ ان کی نگاہ شرمگاہ وغیرہ پر نہ پڑ سکے تاکہ ایک طرف شرم و حیا کو آنچ نہ آئے اور دوسری جانب خادموں کے اندر جنسی خواہش کے بھڑکنے یا بچوں کے اپنے والدین کی شرمگاہوں اور ان کے باہمی جنسی تعلق کے گوشوں سے آشنا ہونے کا احتمال نہ رہے، تحلیل نفسی کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ ان امور سے بچوں کی واقفیت ان کے اندر برے نتائج پیدا کرتی

ہے۔ لہ اخبارات کا مطالعہ بھی بتاتا ہے کہ قیود و ضوابط نیز بامقصد نگرانی کے بغیر نوجوان بچیوں اور خادموں کا میل جول بعض خاندانوں میں کیسے غلط واقعات پیدا کر رہے ہیں۔

عضویاتی محرکات سے متعلق دوسرا ضابطہ محرکات کی تکمیل میں اسراف سے گریز ہے، ہمارے شخصی تجربات اور طبی تحقیقات دونوں بتاتی ہیں کہ کھانے میں زیادتی انسانی صحت کے لیے ضرر رساں ہے۔ تخمہ، نظام ہضم میں بگاڑ اور صحت کو نقصان پہنچانے والے موٹاپے وغیرہ کی شکایات زیادہ کھانے سے پیدا ہوتی ہیں، پینے میں زیادتی بھی اور راحت و آرام، کاہلی اور سونے میں اسراف بھی صحت کے لیے مضر بنتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں اسراف سے منع فرمایا ہے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا
 وَشَرِبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ (اعراف-۳۱)

(اے بنی آدم، ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پو اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

اس آیت سے فطری طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ اسراف کی ممانعت محض بھوک اور پیاس کے محرکات کی تکمیل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ دیگر عضویاتی محرکات کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ بھوک اور پیاس کے محرکات کا ذکر قرآن کریم نے بطور مثال کر کے اس نقصان کی طرف اشارہ کیا ہے جو فطری محرکات کی تکمیل میں اسراف و زیادتی کرنے سے عام طور پر پیدا ہوتا ہے۔ بیشتر آیات میں اختصار و تلمیح اور اشارہ کا اسلوب قرآن کریم کی خصوصیت ہے۔ البتہ صرف بھوک اور پیاس کے محرکات کا تذکرہ کرنے سے غالباً تحفظ ذات کے اندر ان دونوں محرکات کی اہمیت اور خصوصاً ان دونوں کی تکمیل میں اسراف و زیادتی کرنے کی انسانی عادت کی جانب اشارہ مقصود ہے۔

عضویاتی محرکات پر کنٹرول کی طرح نفسیاتی محرکات پر کنٹرول کی بھی قرآن کریم نے انسان کو ہدایت دی ہے، چنانچہ متعدد مقامات پر جذبہ سرکشی و جذبہ ملکیت پر کنٹرول کا

قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ ضبط نفس اور خواہشات و شہوات نفسانی، خواہ وہ جسمانی ہوں یا نفسیاتی، پر کنٹرول کی صفات سے ہر متوازن شخصیت کو آراستہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ جذبہ سرکشی کے سلسلہ میں قرآن کریم نے جسمانی یا زبانی کسی بھی طور پر دوسروں پر ظلم اور زیادتی کرنے سے منع کیا ہے اور دوسروں کے ساتھ نرم خوئی اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا
اُكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا۔
(احزاب-۵۸)

(اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْ
عُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا
اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔ (مجادلة-۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو اور اس خدا سے ڈرتے رہو جس کے حضور تمہیں حشر میں پیش ہونا ہے۔)

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا
عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (مائدة-۲)

(اور دیکھو، ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلے میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔)

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ - (مائدہ-۸۷)
 (اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند
 ہیں۔)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ -
 (انعام-۱۵۱)
 (اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق
 کے ساتھ۔)

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا
 بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي
 تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاتَتْ فَأَصْلِحُوا
 بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ
 إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
 لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ
 عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ
 يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا
 بِاللُّقَابِ بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان ومن لکم یتب
 فأولیک هم الظالمون - (حجرات-۱۱۹)

(اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے
 درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر
 زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے
 حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل
 کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو
 پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہذا اپنے بھائیوں
 کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ تم پر
 رحم کیا جائے گا۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا
 مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں

دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔
 آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے
 القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری
 بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔

محرم ملکیت پر کنٹرول کا حکم دیتے ہوئے قرآن کریم نے حرص و آز، دولت کی
 بیزہ اندوزی، سود اور دوسروں کا مال حرام طریقہ سے کھانے اور چوری سے منع کیا اور
 راہ خدا میں خرچ، فقراء و مساکین پر صدقہ اور زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي
 نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْرَىٰ بِهَا جَبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ
 هَذَا مَا كَنْزْتُمْ لَا نَفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ۔
 (توبہ-۳۴، ۳۵)

(در دناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے
 رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا
 کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکادی جائے گی اور پھر اسی سے
 ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ
 خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزا
 دیکھو۔)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ
 فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرًّا لَّهُمْ سَيَطُوقُونَ مَا بَخَلُوا
 بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ مِيرَاتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا
 تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ (آل عمران-۱۸۰)

(جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے
 کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی
 ہے، نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی
 سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے

گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔)

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (تغابن-۱۶)

(لہذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور سُنو اور اطاعت کرو اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے والے ہیں۔)

وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقْتُ وَأَكُنُّ مِنَ الصَّالِحِينَ۔ (منافقون-۱۰)

(جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اس وقت وہ کہے کہ ”اے میرے رب، کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا۔“)

أَمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُتَخَلِّفِينَ فِيهِ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ۔ (حدید-۷)

(ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور خرچ کرو ان چیزوں سے جن پر اس نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے۔ جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں گے اور مال خرچ کریں گے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔)

إِنَّ الْمُصَدِّقِينَ وَالْمُصَدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ۔ (حدید-۱۸)

(مردوں اور عورتوں میں سے جو لوگ صدقات دینے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسن دیا ہے، ان کو یقیناً کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے بہترین اجر ہے۔)

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا قِيمُوا الصَّلَاةَ وَانْفِقُوا مِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا
خِطْلًا. (ابراہیم-۳۱)

(اے نبی، میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو کہ نماز
قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے
(راہ خیر میں) خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و
فروخت ہوگی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی۔)

عام طور پر قرآن کریم نے انسان کو اپنے جذبات و محرکات پر کنٹرول اور اسراف
سے بچتے ہوئے شرعی حدود کے اندر ان کی تکمیل کا حکم دیا ہے، تاکہ انسان اسیر ہوس اور
بندہ شہوت نہ بن جائے بلکہ ان کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھ کر ان کی صحیح رخ بندی کرتا
رہے:

فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ
الْمَأْوَىٰ وَآمَأْتٌ مِّنْ خَافٍ مَّقَامَ رَبِّهِ وَنَهَىٰ النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ
فِيَنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ. (نازعات-۳۷)

(تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی دوزخ
ہی اس کا ٹھکانہ ہوگی، اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے
کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت اس کا
ٹھکانہ ہوگی۔)

نفس کو خواہشات سے روکنادراصل جذبات پر ضبط، شہوات پر لگام اور کنٹرول ہی
ہے۔

جنس کے روزمرہ تقاضے جو اپنی تکمیل پر انسان کو مجبور کرتے رہتے ہیں اور اپنی
روح کے تقاضے، جو اللہ کے شوق اور آخرت کی نعمتوں کے جوہا ہوتے ہیں، ان دونوں
میں توازن قائم رکھنے کا قرآن حکم دیتا ہے، جسمانی ضروریات اور فطری محرکات کی تکمیل
جہاں زندگی کی بقاء، تعمیر کائنات اور حیات دنیاوی میں پیغام ربانی کی تبلیغ کے لیے ضروری
ہے، اسی طرح ربوبیت خداوندی کا اعتراف، اس کی عبادت و پرستش اور اس کے بتائے
دئے نظام کی پیروی کر کے تقاضائے روح کی بجا آوری بھی انسان کی ذمہ داری ہے تاکہ

اخروی زندگی میں اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل ہو، جسم اور روح دونوں کے تقاضوں کی تکمیل میں توازن اور اعتدال قائم رکھنے کی کوشش ہوتی رہنی چاہئے۔ یہی توازن نفسیاتی کشمکش سے گلو خلاصی عطا کر کے بے چینی و اضطراب سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے، اور امن و طمانیت اور سعادت کی نعمت سے نوازتا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ (قصص - ۷۷)

(جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ۔ (منافقون - ۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں، جو لوگ ایسا ہی کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔)

جذبات پر کنٹرول، اس کی بلندی، اللہ کی رضائیز فرد، معاشرہ اور ساری انسانیت کی نفع سازی کرنے والوں کی جانب ان کی رہنمائی کی دعوت قرآن کریم نے بڑی، نجات کے ساتھ انسان کو دی ہے، چنانچہ سورہ آل عمران میں بعض ان محرکات، دنیاوی زندگی میں جن کی تکمیل میں عام طور پر انسان منہمک رہتا ہے، کا تذکرہ قرآن کرتا ہے تو فوراً ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ انسان کے لیے اللہ کا خوف، دنیاوی زندگی کے اندر ان محرکات کی تکمیل میں مکمل انہماک سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ تقویٰ اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی نعمت سے سرفرازی عطا کرتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاِبِ، قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكَمُ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ
بِالْعِبَادِ۔ (آل عمران - ۱۵)

(لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں، حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ کہو: میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی، اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے، اللہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔)

ان دونوں آیات کے اندر واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ جذبات پر کنٹرول، ان کی بلندی اور بالاتری کے لیے اللہ کا خوف اور اس کی خوشنودی کی تلاش کرنی چاہئے۔ مزید ارشاد ہے:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ
الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرًا مَّالًا۔ (کہف - ۴۶)
(یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔
اصل میں تو باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے رب کے نزدیک نتیجے کے
لحاظ سے بہتر ہیں اور انہی سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔)
اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ زِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ
بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ
الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مَصْفُورًا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَ
فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ۔ (حدید - ۲۰)

(خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ
ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک

دوسرے پر فخر جتنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوششیں کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارتس ہو گئی تو اسے سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشت کار خوش ہو گئے پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے، اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کی زندگی ایک دھوکہ کی ٹٹی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ دنیاوی زندگی کی زیبائش و آرائش، سامان کھیل و تفریح اور اولاد و دولت کی نمائش ایک دن ناپید ہو جانے والی ہے، جس طرح شاداب لہماتے پودے مرجھا کر زمین بوس ہو جاتے ہیں اور تیز ہوائیں انہیں بکھیر کر نابود کر دیتی ہیں، بقاء اور دوام انسان کے اعمال کو حاصل ہے، جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے، دنیا میں انہماک اور لذات و خواہشات کی تکمیل ہی جس کی فکر و نظر کا محور بنی رہتی ہے، اللہ کی اطاعت و عبادت سے دل نا آشنا رہتا ہے۔ آخرت میں دردناک عذاب اس کا انجام ہے۔ اس کے برعکس دنیاوی زندگی کی ہماہمی میں بھی جو اپنے رب کے سامنے سرا گندگی اور عبادت سے غافل نہیں رہتا ہے، نیک اعمال کی پابندی رکھتا ہے اور اپنی خواہشات و جذبات پر کنٹرول رکھتا ہے۔ اللہ کی مغفرت اور خوشنودی اس کی جزاء ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ
لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ - (العام - ۳۲)

(دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک تماشہ ہے۔ حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں۔ پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لو گے۔)

محرکات کی بے راہ روی

محرکات اور جذبات پر کنٹرول میں جو انسان ناکام رہتا ہے، ان کی آسودگی میں منہمک اور لذاتِ نفس میں ڈوبا رہتا ہے، اور لذتِ آشنائی وہ اپنا مقصد بنا لیتا ہے، اس کے

محركات اپنے حقیقی مقاصد کی ڈگر سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ فرد کی زندگی اور نوع انسان کی بقاء کے تسلسل کا ذریعہ رہنے کے بجائے خود مقصود بن جاتے ہیں۔ ان پر انسان کا کنٹرول نہیں رہتا ہے، بلکہ وہی انسان پر غالب اور اس کی عنان گیر بن جاتے ہیں، محركات کی یہ غلط روی اور انسان پر ان کا تسلط عضویاتی اور نفسیاتی دونوں قسم کے محركات کے ساتھ یکساں پیش آتے ہیں۔ عضویاتی محركات میں بے راہ روی کا شکار سب سے زیادہ جنسی محرک ہوتا ہے۔ جنسی بے راہ روی کی ایک عام قسم، جس میں قوم لوط بتلا تھی، کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے، قرآن کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بے راہ روی تاریخ میں پہلی مرتبہ قوم لوط کے اندر پائی گئی:

وَلَوْ طَارَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ، إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ، بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ۔ (اعراف - ۸۰، ۸۱)

(اور لوط کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا، پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا ”کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔“)

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ۔ (شعراء - ۱۶۵)

(کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہاری بیویوں میں تمہارے رب نے تمہارے لیے جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں بلکہ تم لوگ تو حد سے ہی گزر گئے ہو۔)

نفسیاتی محركات کے اندر پھیلی بے راہ روی کی مثال یہ ہے کہ بعض لوگوں کے اندر مال کی شدید محبت اور دولت جمع رکھنے کی حرص ہوتی ہے، جبکہ مال دراصل اللہ نے ہمیں عطا کر کے اپنی رضا اور خوشنودی نیز کائنات کی تعمیر اور انسانیت کی پیش رفت کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے اپنا نائب بنایا ہے لیکن کچھ لوگ دولت ہی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں، دولت جمع کرتے جاتے ہیں، اللہ کی راہ اور ان چیزوں میں خرچ نہیں کرتے جو

انسانیت کے لئے نفع بخش اور اس کی ترقی میں معاون بنتی ہیں۔

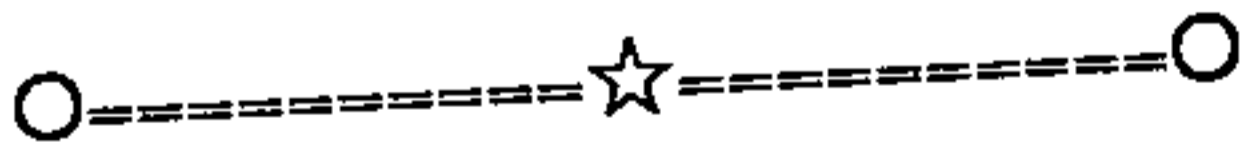
جذبات کی آسودگی اور محرکات کی تکمیل میں اسراف اور ان پر ضبط و کنٹرول سے عاجزی عمومی طور سے ان جذبات و محرکات کو ان کے حقیقی مقاصد یعنی فرد کی زندگی کی بقاء و تسلسل، اس کی بھلائی اور معاشرہ کی بھلائی سے برگشتہ کر دیتے ہیں، جذبہ سرکشی میں زیادتی مثلاً لوگوں کے ساتھ تعلقات میں ظلم و عدوان کا رجحان انحراف ہے، تنافس میں اسراف مثلاً جسمانی، اقتصادی، سیاسی یا عسکری طور پر دوسروں پر سبقت و تفوق ہی زندگی کا بنیادی مقصد بنا لینا انحراف ہے، راحت پسندی، گمنامی، کاہلی اور دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوزی میں اسراف مثلاً آرام و راحت اور لطف و لذت کی زندگی ہی کو بنیادی مقصد بنا لیا جائے، معاشرہ کے اتنی کسی ذمہ داری، دوسروں کے ساتھ تعاون اور غیروں کی مدد کا کوئی احساس باقی نہ رہے، انحراف ہے۔ ان محرکات کی تکمیل میں اسراف سے گریز اور اعتدال ہی انسان کو انحراف سے بچاتا ہے، اعتدال و توازن کسی بھی کام کی زینت ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ
ذَلِكَ قَوَامًا۔ (فرقان - ۶۷)

(جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ
الْبَسِطِ فَتَقْبُعَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (بنی اسرائیل ۲۹)

(نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔)



قرآن کریم میں تاثرات

حکمت خداوندی نے انسان اور حیوان دونوں کو ایسے تاثرات سے نوازا ہے جو زندگی اور اس کی بقاء میں ان کے معاون بنتے ہیں، خوف کا تاثر زندگی کو درپیش خطرات سے تحفظ پر ہمیں آمادہ کرتا ہے، غصہ کا تاثر جان کی حفاظت اور اپنی بقاء کے لیے جدوجہد پر ہمیں آمادہ کرتا ہے، محبت کا تاثر دونوں صنفوں کی باہمی الفت اور نوع انسانی کی بقاء کے لیے ایک دوسرے کی جانب کشش کی بنیاد ہے۔

محركات اور تاثرات کے درمیان گہرا تعلق ہے، محركات عام طور پر وجدانی تاثراتی کیفیت لئے ہوتے ہیں، چنانچہ جب کسی محرک کا تقاضا شدید ہو جائے اور کچھ وقفہ تک اس کی تکمیل نہ کی جائے تو جسم کے اندر تناؤ کی حالت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ ہی عام طور پر وجدان کے اندر انتباہی کیفیت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور محركات کی تکمیل مسرت آمیز حالت لئے ہوتی ہے، پھر محرک کی طرح تاثر بھی عمل کی رخ بندی کرتا ہے، تاثر خوف انسان کو خطرہ سے بچاؤ پر آمادہ کرتا ہے، غصہ کا تاثر جان کی حفاظت پر آمادہ کرتا ہے اور بسا اوقات سرکشی پر بھی آمادہ کر دیتا ہے، محبت کا تاثر اپنے محبوب کے تقرب پر آمادہ کرتا ہے۔

خوف، غصہ، محبت، خوشی، ناپسندیدگی، غیرت، حسد، شرم، حیا اور رسوائی جیسے متعدد تاثرات کی باریک تصویر کشی قرآن میں موجود ہے، ذیل کے صفحات میں قرآن میں مذکور ان تاثرات پر گفتگو کی جا رہی ہے۔

خوف

خوف انسانی زندگی کا ایک اہم تاثر ہے، جیسا کہ پیچھے اشارہ کیا گیا کہ یہ زندگی کو درپیش خطرات سے بچاؤ میں انسان کے لیے معاون بنتا ہے، اور اس طرح زندگی اور اس

کی بقاء میں مددگار بنتا ہے، گذشتہ فصل میں بھوک کے محرک پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے اشارہ کیا تھا کہ قرآن کریم کی بعض آیات میں خوف سے امن کو محرک بھوک کی تکمیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جو انسانی زندگی کے اندر بھوک کے محرک اور خوف کے تاثر دونوں کی اہمیت کی جانب اشارہ ہے، محرک سے متعلق گفتگو کے ضمن میں ہم نے یہ آیات بھی ذکر کی ہیں۔

خوف کا فائدہ صرف اس قدر نہیں ہے کہ دنیاوی زندگی کے اندر انسان کو درپیش خطرات سے بچاؤ پر وہ آمادہ کرتا ہے، بلکہ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ بندہ مومن کو آخرت میں اللہ کے عذاب سے محفوظ رہنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اللہ کے عذاب کا خوف، معاصی سے گریز، تقویٰ شعاری، عبادت اور مرضیات الہی کی پابندی پر بندہ مومن کو آمادہ کرتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔ (انفال-۲)

(سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔)

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ۔ (سجدہ-۲۱)

(ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ، يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُدْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَهُمُ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ۔ (حج-۲۱)

(لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا

زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے، جس روز تم اسے دیکھو گے، حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچوں سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔

خوف تیز اضطرابی کیفیت ہوتی ہے جو انسان کے اوپر چھا جاتی ہے۔ قرآن نے اس اضطرابی کیفیت کو ”زلزال شدید“ کا نام دیا ہے، جو انسان کو پوری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور سوچ و فکر اور ضبط نفس کی قوت انسان کھو دیتا ہے:

إِذْ جَاؤُكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ
الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَكُتِبُونا بِاللَّهِ
الظُّنُونَا، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زَلْزَالًا شَدِيدًا۔

(احزاب - ۱۰)

(جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آگئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔)

جب خوف سخت اور اچانک ہوتا ہے تو تھوڑی دیر تک انسان پر ذہول کی حالت طاری رہتی ہے، وہ حرکت کر سکتا ہے نہ کچھ سوچ سکتا ہے، قیامت کا وصف بیان کرتے ہوئے قرآن نے سخت اور اچانک خوف سے پیدا ہونے والی ذہولی حالت کی جانب اشارہ کیا ہے:

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا
هُمْ يُنظَرُونَ۔ (انبیاء - ۴۰)

(وہ بلا اچانک آئے گی اور انہیں اس طرح یک لخت دیوچ لے گی کہ یہ نہ اس کو دفع کر سکیں گے اور نہ ان کو لمحہ بھر مہلت ہی مل سکے گی۔)

کوئی انسان جب کسی سخت خطرہ میں گھر جاتا ہے اور خوف پوری طرح چھا جاتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ دوسری تمام چیزوں سے کٹ کر صرف اس خطرہ اور اس سے گلو

خلاصی حاصل کرنے کی کوشش پر مرکوز ہو جاتی ہے:

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاحَةُ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَ
آبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ
يُغْنِيهِ - (عبس - ۳۳، ۳۷)

((آخر کار جب وہ کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہوگی) اس روز
آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد
سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آ پڑے گا کہ
اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔)

خوف کے ساتھ متعدد تغیرات بھی عضویاتی و طائف، چہرہ کے خدو خال، آواز کے
زیروم اور بدن کی ہیئت میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان عضویاتی اور جسمانی تغیرات پر آئندہ
ہم گفتگو کریں گے۔

خطرات اور ان سے پیدا ہونے والے خوف کے مواقع پر انسان عموماً ان سے گریز
اور راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے، انبیاء کی تکذیب اور کفر پر اصرار کے نتیجہ
میں عذاب خداوند کا شکار ہونے والی گذشتہ کافراقوام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم نے
خوف اور خطرات سے فرار اختیار کرنے کی انسانی کیفیت کی تصویر کشی کی ہے:

وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا
قَوْمًا آخَرِينَ، فَلَمَّا أَحْسَبُوا أَنَّ بَأْسَنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ -

(انبیاء - ۱۱، ۱۲)

(کتنی ہی ظالم بستیاں ہیں جن کو ہم نے پس کر رکھ دیا، اور ان کے
بعد دوسری کسی قوم کو اٹھایا، جب ان کو ہمارا عذاب محسوس ہوا تو لگے
وہاں سے بھاگنے۔)

منافقین کے خوف اور مومنین سے گریز اختیار کرنے کی ان کی خواہشات کا ذکر
کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَ
لَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ، لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ
مُدْخَلًا لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ - (توبہ - ۵۶، ۵۷)

(وہ خدا کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہیں میں سے ہیں حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں۔ اصل میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوفزدہ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں یا کوئی کھوہ یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو بھاگ کر اس میں جا چھپیں۔)

فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف کھانے اور بھاگ کر پیچھے ہٹنے کا تذکرہ قرآن میں یوں ہے:

فَقَرَدْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْ - (شعراء-۲۱)

(پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا۔)

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ - (قصص-۲۱)

(یہ خبر سنتے ہی موسیٰ ڈرتا اور سمٹا نکل کھڑا ہوا اور اس نے دعا کی

کہ ”اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا۔“)

عصا کو سانپ میں تبدیل ہوتے دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف کھانے اور بھاگ کر پیچھے ہٹنے کا تذکرہ قرآن میں یوں ہے:

وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا
لَمْ يُعِقِبْ يَا مُوسَىٰ لَأَخِيفَنَّيَ إِيَّيَ لَا يَخَافُ لَدَيْ الْمُرْسَلِينَ - (نمل-۱۰)

(اور پھینک تو ذرا اپنی لاٹھی، جو نہی کہ موسیٰ نے دیکھا لاٹھی سانپ

کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

”اے موسیٰ ڈرو نہیں، میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے۔“)

خوف کی قسمیں

انسان جن چیزوں سے خوف کھاتا ہے وہ متعدد ہیں، خوف کی چند اہم قسموں کا قرآن نے ذکر کیا ہے، مثلاً اللہ کا خوف، موت کا خوف، فقر کا خوف وغیرہ۔ اللہ کا خوف مومن کی زندگی کا اہم خوف ہوتا ہے۔ اللہ کا تقویٰ، اس کی رضا جوئی، اس کے منہج کی اتباع، منہیات سے گریز اور احکام کی تعمیل پر وہ انسان کو آمادہ کرتا ہے اللہ کا خوف ایمان

کا ایک رکن اور شخصیت مومن کی تعمیر میں اہم بنیاد ہوتا ہے لہ:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ
الْبَرِيَّةِ، جَزَاءُؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا
عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ. (بینہ-۷، ۸)

(جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کئے وہ یقیناً

بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزاء ان کے رب کے یہاں دائمی قیام کی

جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ

رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہ کچھ

ہے اس شخص کے لیے جس نے اپنے رب کا خوف کیا ہو۔)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَ

إِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا. (انفال-۲)

(سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سن کر لرز

جاتے ہیں، اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا

ایمان بڑھ جاتا ہے۔)

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ.

(زمر-۱۳)

(کہو، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے

عذاب کا خوف ہے۔)

يُخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ.

(نور-۳۷)

(وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے

پتھرا جانے کی نوبت آجائے گی۔)

۱۔ محمد الغزالی: الجانب العاطفی من الاسلام، بحث فی الخلق والسلوک والتصوف، مطبوعہ

دارالکتب الحدیث قاہرہ، صفحہ 252-259

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا۔
(الدھر-۱۰)

(ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا خوف لاحق ہے جو سخت مصیبت کا انتہائی طویل دن ہوگا۔)

لوگوں میں زیادہ عام خوف موت کا ہوتا ہے، موت سے لوگوں کے خوف کا بھی قرآن کریم نے تذکرہ کیا ہے:

قُلْ إِنْ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ۔
(جمعہ-۸)

(ان سے کہو جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو تمہیں آکر رہے گی۔)

جنگ کے حالات، خصوصاً میدان جنگ میں بھیجی جانے والی فوج کے درمیان موت کا خوف زیادہ واضح نظر آتا ہے، جنگ و قتال سے منافقین کے خوف کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ
النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ
عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا
قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا۔
(نساء-۷۷)

(اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا، یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟ ان سے کہو، دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اور تم پر ظلم ایک شتمہ برابر بھی نہ کیا جائے گا۔)

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نَزَلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا نَزَلَتْ سُورَةٌ
مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَئِكَ لَهُمْ
(محمد-۲۰)

(جو لوگ ایمان لائے وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی سورت کیوں نہیں نازل کی جاتی (جس میں جنگ کا حکم دیا جائے) مگر جب ایک پختہ سورت نازل کر دی گئی جس میں جنگ کا ذکر تھا تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔ افسوس ان کے حال پر (ان کے زبان پر ہے)۔)

لوگوں کے اندر عام طور پر موت کا خوف ہوتا ہے، حتیٰ کہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس خوف سے خالی نہیں تھے، فرعون کی جانب سے انہیں قتل کا خوف تھا، ان کی زبان سے قرآن کہتا ہے:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ - (شعراء-۱۳)

(اور مجھ پر ان کے ہاں ایک جرم کا الزام بھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔)

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ -

(قصص-۳۳)

(موسیٰ نے عرض کیا ”میرے آقا“ میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا

ہوں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔)

اللہ پر سچا ایمان موت کے خوف سے نجات دلا دیتا ہے کیونکہ مومن کو یقین ہوتا ہے کہ موت اسے آخرت کی اس زندگی تک پہنچاتی ہے جہاں اللہ کی رحمت اور خوشنودی سے وہ سرفراز ہوگا، مومن کو اگر موت کا کچھ خوف بھی ہوتا ہے تو یہ درحقیقت اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اللہ کی مغفرت سے محروم نہ رہ جائے، رحمت و رضائے خداوندی سے وہ دور نہ رہ جائے، موت کا خوف عاصی و نافرمان بندوں کو زیادہ ہوتا ہے کہ مبادا توبہ و انابت سے قبل وہ موت کا شکار نہ ہو جائیں، گویا موت کا خوف دراصل اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ توبہ سے مانع نہ بن جائے لہٰذا پس موت کے خوف کا

گہرا تعلق خوف خداوندی سے ہوتا ہے جس پر پیچھے ہم گفتگو کر چکے ہیں:

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَّ أَحَدَكُمْ
الْمَوْتَ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ
وَ أَكُنُّ مِنَ الصَّالِحِينَ - (منافقون - ۱۰)

(جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس
کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت ہو جائے اور اس وقت وہ کہے
کہ ”اے میرے رب کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت دے دی
کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا“)

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِنْ
دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ
أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ رِيبِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ -
(جمعه - ۷۶)

(ان سے کہو، اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو، اگر تمہیں یہ گھمنڈ
ہے کہ باقی سب لوگوں کو چھوڑ کر بس تم ہی اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی
تمنا کرو اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو۔ لیکن یہ ہرگز اس کی تمنا نہ
کریں گے اپنے ان کرتوتوں کی وجہ سے جو یہ کر چکے ہیں، اور اللہ ان
ظالموں کو خوب جانتا ہے۔)

مُحَدِّثِينَ جو دوبارہ اٹھائے جانے اور آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، انہیں
موت کا خوف اپنے اس تصور کی وجہ سے ہوتا ہے کہ موت ان کی ذات کے لیے پیغام فنا
و زوال ہے، اس لیے اس انجام سے وہ ڈرتے ہیں جہاں موت انہیں پہنچا دیتی ہے۔ لہ
کچھ لوگوں کو موت کا خوف اس ناواقفیت کی وجہ سے ہوتا ہے کہ کس نامعلوم انجام تک
موت انہیں پہنچا دے گی۔ یہ نامعلوم انجام ہی دراصل ان کے لیے باعث خوف و
گھبراہٹ ہوتا ہے۔

فقر کا خوف بھی لوگوں میں عموماً ہوتا ہے، اپنی اور اپنے بال بچوں کی غذائی

ضروریات نیز اپنے اور اہل خاندان کے لیے پرسکون و اطمینان بخش زندگی کے لیے اسباب فراہم کرنے کے لیے انسان ہمیشہ جدوجہد میں مصروف رہتا ہے، کسب معاش کی راہ میں بے شمار مشقت و تکان اور محنت سے اسے دو چار ہونا پڑتا ہے، معاش کو درپیش کوئی بھی امکانی خطرہ اس کے اندر خوف و گھبراہٹ پیدا کر دیتا ہے، قبل از اسلام لوگ فقر کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔ قرآن نے انہیں اس بات سے منع کیا اور بتایا کہ ان کا اور ان کی اولاد کا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً (اسراہیل ۳۱)

(اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔)

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ۔ (انعام-۱۵۲)

(اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔)

اللہ پر ایمان فقر کا خوف ختم کر دیتا ہے، سچے مومن کو پورا یقین ہوتا ہے کہ اس کا رزق دست خداوندی میں ہے، پھر اسے فقر کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ۔ (ذاریات-۵۸)

(اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔)

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (ذاریات-۲۲)

(آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے

وعدہ کیا جا رہا ہے۔)

بندہ مومن کو جس حقیقی خوف کا احساس ہوتا ہے وہ صرف خوف خداوندی ہے، لہذا اللہ پر ایمان کے بعد اسے موت، فقر، لوگوں بلکہ دنیا کی کسی شے کا خوف نہیں ہوتا

ہے، صرف اللہ کا غضب اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب کا خوف اسے ہوتا ہے۔
 اللہ کا خوف مومن کی زندگی میں انتہائی اہم رول ادا کرتا ہے، یہی خوف اسے
 ارتکاب معاصی سے محفوظ رکھتا ہے، اور اس طرح اللہ کا غضب اور اس کے عذاب سے
 وہ محفوظ رہتا ہے، رضائے الہی کے حصول کے لیے یہی خوف اسے عبادات و اعمال صالحہ
 پر آمادہ کرتا رہتا ہے، اللہ کا خوف آخر کار بندہ مومن کو نفسیاتی امن بخشتا ہے، کیونکہ اللہ
 کی مغفرت اور خوشنودی کی امید کا احساس اس پر چھایا رہتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
 الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي
 كُنْتُمْ تُوعَدُونَ - (تم السجدة - ۳۰)

(جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت
 قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ
 ”نہ ڈرو نہ غم کرو“ اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم
 سے وعدہ کیا گیا ہے۔)

غصہ، اہم و طیفہ انجام دینے والا انسان کا اہم تاثر ہے، جو تحفظ ذات میں انسان کو
 تعاون فراہم کرتا ہے، جب انسان غصہ ہوتا ہے تو شدید اعصابی جدوجہد کی قوت بڑھ جاتی
 ہے لہ جس کی وجہ سے اپنی ذات کا دفاع اور اپنے اہم مقاصد کی راہ میں حائل
 دشواریوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، اشاعت اسلام کی مخالفت
 کرنے والے کافروں کے ساتھ سخت روی اپنانے کو قرآن کریم نے بنظر استحسان دیکھا ہے،
 اللہ کی راہ اور دعوت اسلامی کی اشاعت کی راہ میں پیدا ہونے والے غصہ سے وہ سخت
 روی پیدا ہوتی ہے۔ رسول اکرم علیہ السلام اور صحابہ کرام کی شان میں قرآن کہتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ

لہ غصہ اور دیگر تاثرات کے دوران متعدد عضویاتی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ مثلاً
 اڈرنالین ہامون نکل کر جگر پر اثر انداز ہوتا ہے، جس سے شوگر کی زائد مقدار کا اخراج جگر
 سے ہونے لگتا ہے اور نتیجتاً جسم کی طاقت بڑھ جاتی ہے، غصہ کے دوران یا خوف کے وقت
 دوڑنے کے دوران سخت دفاعی جدوجہد کی صلاحیت جسم میں پیدا ہو جاتی ہے۔

رَحْمَاءَ بَيْنَهُمْ - (فتح-۲۹)

(محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر

نخت اور آپس میں رحیم ہیں۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ
لِيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ -

(توبہ-۱۲۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جنگ کرو ان منکرین حق سے جو

تمہارے پاس ہیں اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو

کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ
عَلَيْهِمْ وَمَا وَاهُمُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ - (تحریم-۹)

(اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے

پیش آؤ۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔)

انسانی کردار پر غصہ کے اثرات کا بیان قرآن میں آیا ہے، قرآن بتاتا ہے کہ جب

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس واپس آئے اور دیکھا کہ سامری کے بنائے

ہوئے سونے کے بچھڑے کی وہ پرستش کر رہے ہیں، تو غصہ میں آکر الواح رکھ دیئے اور

اپنے بھائی کا سر پکڑ کر کھینچتے ہوئے ان کی سرزنش کی:

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا
خَلَقْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ
وَ أَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضَعُّونَنِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تَشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَ
لَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ - (اعراف-۱۵۰)

(ادھر سے موسیٰ غصے اور رنج میں بھرا ہوا اپنی قوم کی طرف پلٹا۔

آتے ہی اس نے کہا بہت بری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم

سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے اور تختیاں

پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارون) کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا،

ہارون نے کہا کہ ”اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے، پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر۔“

قَالَ يَا هَارُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا إِلَّا تَتَّبِعَنِ
أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي قَالَ يَبْنَؤُمْ لَا تَأْخُذْ بِلِحَبْنِي وَلَا يَرَأِيَنِي
إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَمْ تَرَاقِبُ
قَوْلِي - (طہ - ۹۲، ۹۳)

(موسیٰ) قوم کو ڈانٹنے کے بعد ہارون کی طرف پلٹا بولا ”ہارون تم نے جب دیکھا تھا کہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو؟ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟“ ہارون نے جواب دیا ”اے میری ماں کے بیٹے، میرے داڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ، مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔“

غصہ کے وقت انسان اپنے محرکات اور مقاصد کی تکمیل میں حائل رکاوٹوں کی طرف اپنی شدت کا رخ پھیر دیتا ہے، خواہ یہ رکاوٹیں اشخاص کی شکل میں ہوں، یا مادی رکاوٹیں ہوں یا سماجی پابندیاں، اکثر و بیشتر یہ غصہ دوسرے ان اشخاص کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو فی الواقع اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہوتے ہیں، یا اس کے غصہ کو برا نگینہ کرنے کا حقیقی سبب نہیں ہوتے ہیں، مثال کے طور پر بچہ اپنے والد پر غصہ ہوتا ہے تو اس کا یہ غصہ اپنے چھوٹے بھائی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور معمولی بات پر چھوٹے بھائی کو وہ مار بیٹھتا ہے، یہ عمل منتقلی (Displacement) کہلاتا ہے، منتقلی غصہ کی مثال قرآن کریم کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ملتی ہے کہ جب وہ گوہر پستی کی وجہ سے اپنی قوم پر غصہ ہوئے تو ابتداءً ان کا غصہ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی جانب منتقل ہوا اور ان کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی انسان کسی شخص پر غصہ ہوتا ہے، لیکن اس کی جانب سے کسی نقصان کے امکان کی وجہ سے وہ یہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کے تئیں اپنے غصہ کا

اظہار ہو، ان حالات میں بھی غصہ کی منتقلی ہو جاتی ہے، اور وہ دوسرے اشخاص کو نشانہ بنا لیتا ہے، یا دیگر مادی اشیاء کی جانب منتقل ہو کر انہیں تباہ کر دیتا ہے، کبھی خود اپنی ذات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور اپنی ذات پر کچھ ظلم و زیادتی کر بیٹھتا ہے، قرآن نے ایسی ایک عملی مثال بیان کی ہے جس میں فی الواقع غصہ برا نگینتہ کرنے والے شخص کے بجائے خود اپنی ذات کی جانب غصہ منتقل ہو گیا ہے، منافقین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن بتاتا ہے کہ مومنوں پر غضب و غصہ کے عالم میں وہ اپنی انگلیاں دانتوں سے کاٹنے لگتے ہیں، اور جب انسان غصہ میں اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہوتا ہے تو وہ دوسروں پر غصہ اتارنے اور انہیں نقصان پہنچانے کے بجائے علامتی طور پر ہی سہی خود اپنے آپ پر غصہ اتارنے اور اپنی ذات کو نقصان پہنچانے لگتا ہے:

هَآئِنَّمْ اَوْلَآءِ تُحِبُّوْنَہُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَکُمْ وَ تُوْمِنُوْنَ
بِالْکِتَابِ کُلِّہِ وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَصَوْا
عَلٰیکُمْ الْاِنۡمِیۡلَ مِنَ الْغِیْظِ قُلۡ مُّوتُوْا بِغِیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ
عَلِیْمٌۢ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ۔ (آل عمران - ۱۱۹)

(تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو، جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کو) مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصہ میں آپ جل مرو۔ اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔)

غصہ جب انسان کے اوپر چھا جاتا ہے تو صحیح سوچ و فکر کی قوت وہ کھو بیٹھتا ہے، اور بعض ایسے نازیبا کلمات اس کی زبان سے نکل جاتے یا ایسے افعال صادر ہو جاتے ہیں جن پر غصہ اترنے کے بعد اسے ندامت ہونے لگتی ہے، گذشتہ آیات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ کے عالم میں الواح رکھ دیئے اور اس خیال میں اپنے بھائی کے سر اور داڑھی پکڑ کر سرزنش کرتے ہوئے کھینچنے لگے کہ گو پرستی سے قوم کو روکنے میں انہوں نے کوتاہی سے کام لیا، جب غصہ کم ہوا اور پرسکون ہونے کے بعد آگاہ ہوئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں روکا تھا، لیکن قوم کے سامنے وہ کمزور

پڑ گئے، اور قوم ان کے قتل کے درپے آگئی تو اپنے بھائی کے ساتھ اس سلوک پر وہ اللہ سے مغفرت طلب کرنے لگے:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلَاخِيْ وَادْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ وَانْتَ
اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ - (اعراف- ۱۵۱)

(موسیٰ نے کہا ”اے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر اور

ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے بڑھ کر رحیم ہے۔“)

چونکہ غصہ کے عالم میں صحیح سوچ و سمجھ کی قوت انسان کھو بیٹھتا ہے، بلکہ عام طور پر شدید انفعالی کیفیات کے دوران ایسا ہی ہوتا ہے، اس لیے غصہ کے دوران ایسا ہی ہوتا ہے، اس لیے غصہ کے دوران ایسے افعال سے گریز ہی انسان کے لیے مناسب ہے جن پر آئندہ ندامت ہو، اسی طرح غصہ پر کنٹرول کا طریقہ سیکھنا بھی ضروری ہے۔ غصہ دبانے اور غضب پر کنٹرول کرنے کے حکم الہی کی حکمت بھی اس طرح سمجھ میں آجاتی ہے، تاثرات پر کنٹرول کے موضوع پر گفتگو کے ضمن میں ہم اس کا تفصیلی ذکر کریں گے۔

محبت

انسانی زندگی میں محبت کا رول بڑا اہم ہے۔ وہ عائلی زندگی کی بنیاد ہے۔ خاندان کی تشکیل اور بچوں کی پرورش کی اساس ہے، لوگوں کی باہمی الفت اور پر خلوص انسانی تعلقات کی وہ بنیاد ہے۔ یہی وہ مضبوط رابطہ ہے جو انسان کو اپنے رب سے جوڑتا ہے، اللہ کی عبادت، اس کے نظام کی پیروی اور شریعت پر عمل آوری میں اسے مخلص بناتا ہے۔ انسان کی زندگی میں محبت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے، انسان اپنی ذات سے محبت کرتا ہے۔ لوگوں سے محبت کرتا ہے، اپنی بیوی اور بچوں سے محبت کرتا ہے، دولت سے محبت کرتا ہے، اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے، محبت کی ان مختلف قسموں کا ذکر قرآن کریم کے اندر ہمیں ملتا ہے۔

اپنی ذات سے محبت

اپنی ذات سے محبت کا گہرا تعلق تحفظ ذات کے محرکات سے ہوتا ہے، انسان پسند کرتا ہے کہ وہ زندہ رہے، اپنے امکانات کو فروغ بخشنے، اپنی ذات کا اثبات کرے، انسان ہر اس چیز سے محبت کرتا ہے جو اس کے لیے خیر، امن اور سعادت فراہم کرتی ہے۔ ہر اس

چیز کو ناپسند کرتا ہے جو اس کی زندگی افزائش اور اثبات ذات کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے، اور الم و تکلیف اور نقصان کا سبب بنتی ہے، انسان کے اندر اپنی ذات سے فطری محبت، ہر مفید و نفع بخش چیز کے حصول اور ہر تکلیف و ضرر رساں چیز سے گریز کے میلان کا ذکر قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی زبان سے اس طرح کرتا ہے کہ اگر انہیں غیب کی خبر ہوتی تو وہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ خیر جمع کر لیتے، اور تکلیف و ضرر کو اپنی ذات سے دور کر لیتے:

وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا مَسْكَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا

مَسَّنِي السُّوْءُ۔ (اعراف-۱۸۸)

(اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے

حاصل کر لیتا، اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔)

اپنی ذات کے ساتھ انسان کی محبت کا ایک مظہر دولت کی شدید محبت ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنی تمام خواہشات کی تکمیل کرتا ہے، اور زندگی کے اندر راحت و آرام کے تمام اسباب مہیا کرتا ہے، مال کی شدید محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

وَأِنَّهُ لَحُبُّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ۔ (عادیات-۸)

(اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔)

اپنی ذات سے محبت ہی کا مظہر یہ بھی ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے مال و صحت وغیرہ دنیاوی خوبیوں اور نعمتوں کے لیے ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہے، اور جب کسی تکلیف، مصیبت اور فقر سے دوچار ہوتا ہے تو سخت مایوسی اس پر چھا جاتی ہے اور گمان کرتا ہے کہ اسے خیر ملا ہی نہیں ہے۔

لَا يَسْتَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ

فَيُؤَسِّ قَنُوطٌ۔ (تم السجدة-۴۹)

(انسان کبھی بھلائی کی دعائیں نہیں تھکتا اور جب کوئی آفت اس

پر آ جاتی ہے تو مایوس اور دل شکستہ ہو جاتا ہے۔)

اسی محبت ذات کا مظہر یہ بھی ہے کہ کسی مصیبت و نقصان کے وقت وہ گھبرا اٹھتا ہے، خیر سے مایوس ہو کر اللہ کی سابقہ نعمتوں کی ناشکری اور انکار پر اتر آتا ہے، اور جب مالی وسعت و فراخی حاصل ہوتی ہے تو خوش ہو کر اترانے لگتا ہے، مال کی شدید حرص پیدا ہو جاتی ہے، اور معمولی حصہ بھی فقراء و حاجت مندوں پر خرچ کرنے سے گریز کرنے لگتا

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا
مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا - (معارج - ۲۱/۱۹)

(انسان تھڑولا پیدا کیا گیا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا
اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔)
إِذَا أَدْقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا وَإِنْ تُصِيبُهُمْ
سَبِيئَةٌ أَوْ كَرِهَتِ قَدَمَتِ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ -
(شوری - ۲۸)

(انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے
ہیں تو اس پر پھول جاتا ہے، اور اگر اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا کسی
مصیبت کی شکل میں اس پر الٹ پڑتا ہے تو سخت ناشکرا بن جاتا ہے۔)
اپنی ذات سے محبت مقررہ حدود سے تجاوز نہیں کرنی چاہئے، اور دوسروں سے
محبت اور ان کے لیے خیر کی چاہت، اپنی ذات سے محبت کے برابر رہنی چاہئے۔
لوگوں سے محبت

دوسروں کے ساتھ الفت اور ہم آہنگی کی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ
اپنی ذات سے محبت اور اپنی انانیت حد کے اندر ہو، اور اپنی ذات سے محبت کا موازنہ
دوسروں کے ساتھ محبت و مودت اور ان کے ساتھ تعاون و مدد سے کرتے رہنا چاہئے۔
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کسی مصیبت کے وقت گھبراہٹ و بے چینی، دولت کی حرص اور
خرچ کرنے میں بخل کی صورت میں ظاہر ہونے والی اپنی ذات سے انسان کی محبت کی
جانب اشارہ فرمایا تو متصلا ہی ان لوگوں کی تعریف و مدح بھی کی جو اپنی ذات سے محبت میں
غلو نہیں کرتے۔ مصیبت کے وقت جزع و فزع اور دولت حاصل ہونے پر بخل نہیں
کرتے اور ان خوبیوں سے آراستگی کے لیے ایمان پر قائم رہ کر نماز اور زکوٰۃ ادا کرتے
ہیں۔ فقراء و مساکین اور ضرورت مندوں پر خرچ کرتے ہیں اور اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں
سے گریز کرتے ہیں، اس ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ محبت اور دوسروں
کے ساتھ محبت میں اس طرح وہ توازن قائم رکھتا ہے کہ فرد اور جماعت دونوں کے مفاد

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا
 مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ
 دَائِمُونَ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ
 وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ وَالَّذِي هُمْ مِّنْ
 عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ - (معارج - ۱۹، ۲۷)

(انسان تھڑولا پیدا کیا گیا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا
 اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔
 مگر وہ لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں جو نماز پڑھنے والے ہیں، جو
 اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں، جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا
 ایک مقرر حق ہے، جو روز جزا کو برحق مانتے ہیں، جو اپنے رب کے
 عذاب سے ڈرتے ہیں۔)

لوگوں کی باہمی الفت و محبت، تعاون و ہمدردی اور بھائی چارگی کو قرآن ان الفاظ
 میں سراہتا ہے:

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا
 نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً قَالَفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
 فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا - (آل عمران - ۱۰۳)

(سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ
 کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے
 دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم
 سے تم بھائی بھائی بن گئے۔)

هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَاللَّهُ بَيْنَ
 قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتَ بَيْنَ
 قُلُوبِهِمْ وَ لَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ -
 (انفال - ۶۲، ۶۳)

(وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے

تمہاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے،
تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل
نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔ یقیناً

وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔)

قرآن کریم انصار کی مدح سرائی کرتا ہے کہ انہوں نے مہاجرین کے ساتھ کیسی سچی
محبت کا برتاؤ کیا، انہیں اپنے گھروں میں پناہ دی۔ اپنی دولت اور جائداد میں انہیں شریک
کیا اور اپنے آپ پر ان کو ترجیح دی:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَ
يُوْتِرُونَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَكُوْنًا بِهٖمْ خِصَاصَةً وَّمَنْ يُدْرِكْ
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (حشر-۹)

(اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے
پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت
کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو
دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں
کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود
محتاج ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچائے گئے
وہی فلاح پانے والے ہیں۔)

مومنوں کو قرآن حکم دیتا ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان سے اسی طرح محبت
کرے جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی سے محبت کرتا ہے، یہ اس بات کی ہدایت ہے
کہ اپنی ذات کے ساتھ محبت میں اسراف نہ کیا جائے، اور اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ
محبت کی جائے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ محبت میں اعتدال سے کام لیا
جائے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاصْلِحُوْا بَيْنَ اٰخْوِيْكُمْ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (حجرات-۱۰)

(مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے

درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم
کیا جائے گا۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔

(توبہ-۷۰)

(مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق

ہیں۔)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے ہو جب تک ایمان نہ لے آؤ“ اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو، کیا تمہیں ایسی چیز بتاؤں جسے اگر تم اپنا لو تو آپس میں محبت کرنے لگو؟ اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔“ لے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے پڑوسی کے لیے، یا آپ نے یوں فرمایا: اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“ لے

جنسی محبت

محبت کا جنسی محرک کے ساتھ گہرا تعلق ہے، زن و شوہر کے درمیان الفت و ہم آہنگی اور باہمی تعاون کے تسلسل کی یہی بنیاد ہے، خاندانی زندگی کے تسلسل کے لیے محبت ایک ضروری عنصر ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا
لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔ (روم-۲۱)

(اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے
تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو

لے مختصر صحیح مسلم لحافظ منذری، تحقیق، ناصر الدین البانی، حدیث نمبر 42، مطبوعہ المکتب

الاسلامی بیروت 1977ء

لے حدیث نمبر 24، حوالہ سابق

اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ - (آل

عمران - ۱۴)

(لوگوں کے لیے مرغوبات نفس بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں۔)

حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کا قصہ بیان کرتے ہوئے اسی جنسی محبت کی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے:

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَوِّدُ فَتَاهَا
عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ -

(یوسف - ۳۰)

(شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ ”عزیز کی بیوی اپنے

نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے، محبت نے اس کو بے قابو کر رکھا ہے، ہمارے نزدیک تو وہ صریح غلطی کر رہی ہے۔)

قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنِنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَاودتُهُ عَنْ
نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا امْرَأَةٌ يُسَبِّحُنَّ وَ
لَيَكُونَنَّ مِنَ الْبَاطِلِينَ قَالَ رَبِّ السِّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا
يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْحَابُ الْيَهَنِّ وَ
أَكْثَرُ مِنَ الْجَاهِلِينَ - (یوسف - ۲۲، ۲۳)

(عزیز کی بیوی نے کہا ”دیکھ لیا! یہ ہے وہ شخص جس کے معاملہ میں

تم مجھ پر باتیں بناتی تھیں۔ بے شک میں نے اسے رجھانے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا، اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہو گا۔“ یوسف نے کہا ”اے میرے رب قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں، اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں گا۔)

قرآن میں محرکات عمل سے متعلق گذشتہ فصل میں جنسی محرک پر گفتگو کرتے

ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ اسلام جنسی محرک کو تسلیم کرتا ہے، اس کا انکار نہیں کرتا۔ اور اس طرح وہ فطری طور پر جنسی محبت کو تسلیم کرتا ہے جو جنسی محرک کے ساتھ پایا جانے والا انسانی طبیعت کا ایک فطری تاثر ہے، اسلام نہ اسے ٹھکراتا ہے، نہ کچلتا اور دباتا ہے، بلکہ اسے تسلیم کرتے ہوئے محبت پر کنٹرول رکھنے اور صرف جائز طریقہ یعنی شادی کے ذریعہ اس کی تکمیل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

والدین سے محبت

پہلی فصل میں عضویاتی محرک کے طور پر محرک مادریت کا ہم نے ذکر کیا تھا، کیونکہ ماں کے اندر حمل، ولادت اور رضاعت کے دوران پیدا ہونے والی جسمانی اور عضویاتی تبدیلیاں محرک مادریت کی عضویاتی بنیاد پر بنتی ہیں، یہ عضویاتی اور جسمانی تبدیلیاں ماں کا رشتہ اپنے بچوں کے ساتھ بڑا گہرا اور طاقتور بنا دیتی ہیں، جو بچوں کے ساتھ ماں کی بے پناہ محبت، شفقت اور جذبہ عنایت و پرورش کی شکلوں میں محرک امومت کے اندر ظاہر ہوتی ہیں۔

چونکہ والد کا رشتہ اپنے بچوں کے ساتھ ان عضویاتی روابط سے وابستہ نہیں ہوتا ہے، جن سے ماں کا اپنے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے، اسی لیے جدید ماہرین نفسیات محرک پدریت کو محرک مادریت کی طرح عضویاتی محرک نہیں قرار دیتے۔ بلکہ اسے نفسیاتی محرک تسلیم کرتے ہیں، محرک پدری کا ظہور بچوں کے ساتھ باپ کی محبت کی شکل میں ہوتا ہے، بچے باپ کے لیے سرمایہ سرور و راحت، سرچشمہ قوت و جاہ، اور جدوجہد زندگی کے تسلسل میں ایک اہم عامل ہوتے ہیں، موت کے بعد اس کی یادگار ہوتے ہیں، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے ایک لڑکا عطا کرنے کی دعا مانگی تھی جو ان کا اور آل یعقوب کا وارث بن سکے:

قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَأَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ
 أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَ
 كَانَتْ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْثُنِي وَ
 يَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّي رَضِيًّا۔ (مریم- ۶۴)

(اس نے عرض کیا "اے پروردگار، میری ہڈیاں تک کھل گئی ہیں

اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے۔ اے پروردگار، میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا، مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے پروردگار اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

قرآن میں بیشتر آیات کے اندر بچوں کی محبت کا تذکرہ مال کی محبت کے ساتھ کیا گیا ہے کیونکہ اولاد اور دولت دونوں انسان کے لیے اسباب قوت و راحت ہیں:

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ (کہف-۳۳)

(یہ مال اور یہ اولاد محض دنیوی زندگی کی ایک ہنگامی آرائش ہے۔)

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَ

بَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا (بنی اسرائیل-۶)

(اس کے بعد ہم نے تمہیں ان پر غلبے کا موقع دے دیا اور تمہیں

مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی۔)

وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَ

يَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا۔ (نوح-۱۲)

(تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے

گا اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔)

ذُرِّيٍّ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا، وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا،

وَبَنِينَ شُهُودًا۔ (مدثر-۱۱، ۱۲)

(چھوڑ دو مجھے اور اس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا، بہت سا

مال اس کو دیا، اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیئے۔)

قرآن کے اندر محبت پدری کی جانب اشارہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں

ملتا ہے، جن کے دل میں بیٹے کی محبت تھی اور شفقت و عنایت اور ہمدردی کی بناء پر کشتی

میں سوار ہو کر غرقابی سے بچنے کے لیے بیٹے کو آواز دی:

وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا

تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ۔ (ہود-۲۲)

(نوح کا بیٹا دورِ فاصلے پر تھا، نوح نے پکار کر کہا ”بیٹا ہمارے ساتھ

سوار ہو جا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہ۔)

اسی محبت کا ظہور بیٹے کی نجات کے لیے اپنے رب سے حضرت نوح علیہ السلام کی

دعا میں بھی ملتا ہے:

وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ
الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ۔ (ہود-۴۵)

(نوح نے اپنے رب کو پکارا۔ کہا ”اے رب، میرا بیٹا میرے گھر

والوں میں سے ہے، اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور

بہتر حاکم ہے۔)

حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے چھوٹے بھائی کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ

السلام کی محبت کے اندر بھی یہی محبت پدری واضح شکل میں نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے

دوسرے بھائی ان دونوں سے کینہ و حسد رکھنے لگے:

إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ
عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (یوسف-۸)

(یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے آپس میں کہا

”یہ یوسف اور اس کا بھائی دونوں ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب

ہیں حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں، سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ابا جان

بالکل ہی بہک گئے ہیں۔)

محبت پدری ہی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ

بھیجنے پر اندیشہ محسوس کرتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام ابتداً تیار نہیں ہوئے:

قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ
الذَّيْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ۔ (یوسف-۱۳)

(باپ نے کہا ”تمہارا اسے لے جانا مجھے شاق گزرتا ہے اور مجھے

اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے جبکہ تم اس سے غافل

ہو۔)

اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام پر غم و افسوس کرتے ہوئے روتے روتے

بینائی کھو رہا بھی اس محبت پدری کا نمونہ تھا:

وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسْفَىٰ عَلَىٰ يَوْسُفَ وَابَيْضَتِ
عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ۔ (یوسف - ۸۴)

(پھر وہ ان کی طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ ”ہائے
یوسف“ وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید
پڑ گئی تھیں۔)

بچوں کی دیکھ رکھی، پرورش و نگہداشت اور اچھے کاموں کے لیے نصیحت و
خیر خواہی میں عام طور پر محبت پدری کا ظہور ہوتا ہے، حکیم باپ کی اپنے بیٹے کو نصیحت اور
خیر خواہی کی مثال قرآن کریم نے حضرت لقمان علیہ السلام کی زبان سے بیان کی ہے،
جنہوں نے اپنے بیٹے کو عمدہ عمدہ نصیحتیں کیں۔ لہ

اللہ کی محبت

انسان کے اندر محبت کی اعلیٰ ترین شکل، سب سے زیادہ پاکیزہ، بلند ترین اور
روحانی محبت، اللہ رب العزت کے ساتھ محبت اور تقرب الہی کے امنڈتے ہوئے شوق کی
ہوتی ہے، جو صرف سجدہ صبح و شام اور مناجاتوں کے اندر ہی نہیں بلکہ انسان کے ایک
ایک عمل اور اس کی ہر حرکت و سکون کے اندر ظاہر ہوتی ہے، تمام اعمال اور حرکات و
سکنت میں قبولیت اور خوشنودی کی امید لیے اللہ رب العزت کی جانب اس کا رخ ہوتا
ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (آل عمران - ۳۱)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ
يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
أَعَزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ
لَوْمَةً لَآئِمَةً ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ

لہ دیکھئے سورۃ لقمان، آیات ۱۳-۱۹

عَلَيْكُمْ - (مائدہ-۳۵)

(اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ ”اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا“ اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا“ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھرجائے) اللہ اور بہت لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا۔ جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔)

اللہ کی محبت دنیا کی ہر دوسری چیز کی محبت پر فائق ہوتی ہے۔ اپنی ذات، اپنے بچوں، بیوی، والدین، آل اولاد اور اپنی دولت کی محبت سے بھی زیادہ ہوتی ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ دَافَقَتْ رُفُوعَهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُرَضُّونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ - (توبہ-۲۴)

(اے نبی! کہہ دو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا ہے۔)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ - (بقرہ-۱۶۵)

(مگر وحدت خداوندی پر دلالت کرنے والے ان کھلے کھلے آثار کے ہوتے ہوئے بھی) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسرا اور مد مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔)

جب انسان اللہ کی محبت میں مخلص ہوتا ہے تو یہی محبت اس کی زندگی میں رہنما و محرک قوت بن جاتی ہے اور محبت کی دوسری تمام اقسام محبت الہی کے سامنے خم ہوتی ہیں، اور اس کے دل میں لوگوں، جانوروں اور کائنات کی تمام مخلوقات اور پوری کائنات کی محبت موجزن ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے گرد و پیش کی تمام چیزوں کے اندر اپنے رب کا پر تو دیکھتا ہے جس کا روحانی شوق اور قلبی اشتیاق اسے اپنی جانب کھینچ رہا ہوتا ہے۔

رسول کی محبت

محبت الہی کے بعد بلندی و پاکیزگی اور روحانیت کے اندر دوسرا درجہ محبت رسول ﷺ کا ہوتا ہے، جسے اللہ نے ساری کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا، جو لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے، ان کا تزکیہ کرتے اور کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دیتے تھے، جسے اللہ نے خاتم النبیین اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کی حیثیت سے منتخب فرمایا تھا، جس پر اللہ نے اپنی سچ اور ہمیشہ رہنے والی وہ کتاب نازل کی جو گذشتہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق اور نگرانی کرنے والی ہے، رسول اکرم علیہ السلام کی ذات قدسی صفات اپنے اخلاق، کردار اور تمام صفات چیدہ کے اندر انسان کا کامل ترین نمونہ تھی، اس سے بڑھ کر اور کیا وصف بیانی ہو سکتی ہے کہ خود قرآن انہیں اخلاق عظیم کے مرتبہ پر فائز بتاتا ہے:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ - (قلم - ۴)

(اور بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔)

۱۔ ماہرین نفسیات محبت کا مطالعہ کرتے ہوئے جب ذات جنسی محبت اور خاندانی محبت ہی تک خود کو محدود رکھتے ہیں، اللہ کی محبت، رسول کی محبت اور عالی انسانی اقدار جیسے صداقت و عدل وغیرہ کی محبت پر گفتگو نہیں کرتے، حالانکہ یہ انسانی محبت کی اعلیٰ ترین اقسام ہیں اور انہی کے ذریعہ انسان کو حیوان سے امتیاز حاصل ہے۔

ایک سچا مومن اپنے دل میں رسول اقدس ﷺ کی محبت رکھتا ہے جس نے دعوت کی راہ میں مصائب جھیلے اور سخت معرکوں سے گزرتے ہوئے ربیع مسکون میں اسلام کو پھیلا دیا، گمراہی کی تیرگیوں سے نکال کر انسانیت کو نور ہدایت دکھایا، قرآن کریم نے ہم کو رسول کریم ﷺ سے محبت کا حکم دیا ہے، اور پیچھے ذکر کردہ سورہ توبہ کی چوبیسویں آیت میں رسول سے محبت کو محبت الہی کے ہم رتبہ بتایا ہے۔

سچے مومن کے سامنے رسول کریم علیہ السلام کی ذات اعلیٰ ترین نمونہ ہے، جس کے اخلاق سے آراستگی، جس کے کردار و عمل کی پیروی اور جس کی مشک زار سیرت کی اتباع مومن کا فریضہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا - (احزاب - ۲۱)
(در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ
تھا ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت
سے اللہ کو یاد کرے۔)

خوشی

انسان کی اپنی تمنا جب پوری ہو جاتی ہے اور اپنی مطبوعہ چیز دولت، نفوذ و رسائی، کامیابی علم یا ایمان و تقویٰ حاصل ہو جاتا ہے تو اسے خوشی و مسرت کا احساس ہوتا ہے، جس کی زندگی کا مقصد دولت کا حصول، قوت و سطوت اور نفوذ و رسائی وغیرہ حیات دنیوی کی کوئی متاع ہوتی ہے، ان مقاصد کی تکمیل اس کے لیے باعث مسرت و خوشی بنتی ہے اور ایمان و تقویٰ اور عمل صالح سے آراستگی کے ذریعے حیات اخروی کی سعادت کا حصول جس کا مقصد زندگی ہوتا ہے۔ یہی امور اس کے لیے امن و سکون، طمانیت اور خوشی کا باعث ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے خوشی کی ان دونوں قسموں کو بیان کیا ہے، متاع دنیا پر کفار کی خوشی کا یوں ذکر کرتا ہے:

وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ
إِلَّا مَتَاعٌ - (رعد - ۲۶)

(یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت

کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔)

اور آیات قرآنی کے نزول، جو حق کے لیے رہنما، ذریعہ شفاء اور سرچشمہ ہدایت و رحمت ہے، پر مومنین کی خوشی اس طرح بیان کرتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْمٌ مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔

(یونس - ۵۷، ۵۸)

(لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے،

یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان

کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ اے نبی، کہو کہ ”یہ اللہ کا فضل اور

اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی، اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی

چاہئے، یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔)

سامان دنیا جس کا سرچشمہ خوشی و مسرت ہو، جو بیشتر لوگوں کے یہاں دیکھا جاتا ہے،

سچ یہ ہے کہ سعادت آفریں، اطمینان بخش اور پرسکون زندگی کی لذت سے وہ محروم رہتا

ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ صحت کی نعمت، رزق کی وسعت اور دولت کی فراوانی عطا کرتا

ہے تو وہ خوشی و سعادت محسوس کرتا ہے، متاع و آسائش دنیا اللہ کی یاد اور شکر سے اسے

غافل کر دیتی ہے اور جب کسی مصیبت و پریشانی سے دوچار ہوتا ہے، یا کسی نعمت سے

محروم ہو جاتا ہے تو اس پر مایوسی چھا جاتی ہے۔ دوسری موجودہ نعمتوں کا بھی وہ انکار کر

بیٹھتا ہے، اس طرح ہمیشہ وہ ایک اضطراب مسلسل کا شکار رہتا ہے اور خوشی و مایوسی

دونوں کے احساسات میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے:

وَلَئِن أَدَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَكَفُورٌ كَفُورٌ، وَلَئِن أَدَقْنَاهُ نِعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ مَّسَّتْهُ لَيَكْفُرَنَّ
ذَهَبَ السَّيِّئَاتِ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ۔ (ہود - ۹، ۱۰)

(اگر کبھی ہم انسانی کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد پھر اس سے

محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہوتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے اور

اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آئی تھی، ہم اسے نعمت کا مزہ چکھاتے

ہیں تو کہتا ہے کہ میرے تو سارے دکھ دور ہو گئے، پھر وہ پھولا نہیں ساتا اور اڑنے لگتا ہے۔)

ایمان و تقویٰ، عمل صالح اور منہج خداوندی کی اتباع جس کے لیے سامان خوشی و سعادت ہوتی ہیں اسے ہمیشہ سچی اور دائمی و مکمل سعادت حاصل رہتی ہے۔ ارشاد خداوندی اس کی ذات پر راست آتا ہے:

مَنْ عَمَلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (نحل۔ ۹۷)

(جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔) قرآن کریم اس مسرت و سرور کا ذکر کرتا ہے جو آخرت میں حساب و کتاب کے دن کی قیامت خیزیوں سے نجات اور رحمت خداوندی کے زیر سایہ جنت مکانی پر بندہ مومن کو حاصل ہوگا:

فَوْقَاهُمْ اللَّهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا۔
(الدھر۔ ۱۱)

(پس اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے شر سے بچالے گا اور انہیں تازگی اور سرور بخشے گا۔)

نفرت

نفرت، محبت کے برعکس ایک تاثر ہے۔ جو ناپسندیدگی اور نامقبولی کے احساس یا احساس گریز و انقباض اور اس کا سبب بننے والے امور، خواہ اشخاص ہوں، چیزیں ہوں، یا افعال سے پہلو تھی کا نام ہے۔

محبت باوجودیکہ حیات زوجیت کی بنیاد ہے، لیکن بسا اوقات شوہر و بیوی کے درمیان کسی غلط فہمی، کشاکش اور اختلاف کے نتیجے میں باہمی ناپسندیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ زوجین کے درمیان اس ناپسندیدگی کی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے اور عائلی زندگی کو

برقرار رکھنے کے لیے اس پر ضبط و کنٹرول کی کوشش کا حکم دیا ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ
تَكْرَهُنَّ وَأَسْئِرُنَّ وَبِجَعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا - (نساء-۱۹)

(اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں
ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی
میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔)

کبھی انسان دوسرے شخص یا دوسرے اشخاص کو اختلاف رائے یا کسی معاملہ میں
ان کی بالاتری پر حسد یا ان کی جانب سے پہنچنے والی کسی ناکامی یا دل میں نفرت پیدا کر دینے
والے دوسرے اسباب کی بناء پر ناپسند کرنے لگتا ہے، کفار و منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ وہ
مومنین کو ناپسند کرتے اور ان سے حسد کرتے تھے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةَ مِّنْ دُونِكُمْ
لَا يَأْتُونَكُمُ خَبْرًا وَدُّوا مَا عَنَتُمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ
أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ
كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ هَا أَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَ
تُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا
عَصَوْا عَلَيْكُمْ الْآنَا مِلَّ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُؤْتُوا بَعْضِكُمْ إِنْ
اللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ إِنْ تَمَسَّسْتُمْ حَسَنَةً تَسَوْهُمْ
وَإِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصِبرُوا وَتَتَّقُوا لَا
يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنْ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ - (آل

عمران-۱۱۸، ۱۲۰)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا
دوسروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ
اٹھانے میں نہیں چوکتے۔ تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے ہی ان کو
محبوب نہ رہے۔ ان کے من کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ
وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے
تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو (تو ان)

سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے) تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کو) مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اپنے غصہ میں آپ جل مرو۔ اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔ تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا لگتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کارگر نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے۔

انسان اپنی ذات سے محبت کرتا ہے، اپنے لیے اچھائی پسند کرتا ہے، ذات سے محبت پر گفتگو کے ضمن میں اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، اسے موت اور ہر ایذا و ضرر رساں چیز ناپسند ہے، اسی لیے جنگ و قتال کو وہ پسند نہیں کرتا ہے کہ اس میں موت اور ایذاء کا امکان ہے۔ موت سے انسان کی ناپسندیدگی کا ذکر قرآن کرتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ - (بقرہ - ۲۱۲)

(تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔)

عقیدہ کی راہ میں جان کی قربانی پیش کرنے کا حوصلہ انسان کے اندر اس وقت ہوگا جب اس کے اندر عقیدہ کی قوت اس درجہ بلند تر ہو کہ عقیدہ کی قیمت و محبت اپنی ذات کی قیمت و محبت سے فزوں تر ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان بندے راہ خدا میں جام شہادت نوش کرنے کے لیے ایک دوسرے پر بازی لے جاتے تھے۔ جبکہ منافقین، جن کے دلوں میں ایمان نے گھر نہیں کیا تھا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جانی قربانی پیش کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور رسول کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے کے بجائے غزوہ سے پہلو دہی کرتے تھے بلکہ دوسروں کی ہمت بھی توڑتے اور سخت گرمی میں جہاد پر نکلنے سے روکتے تھے:

فَرِحَ الْكٰفِرُونَ بِمُقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكِرِهُوا

أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا
تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ -
(توبہ - ۸۱)

(جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ
کے رسول کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں
گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں۔ انہوں نے
لوگوں سے کہا کہ ”اس سخت گرمی میں نہ نکلو“ ان سے کہو کہ جہنم کی
آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔ کاش انہیں اس کا شعور ہوتا۔)

وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ - (توبہ - ۵۴)

(اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بادل نخواستہ خرچ کرتے ہیں۔)

مومن کے دل میں ایمان کی اثر انگیزی یہاں تک ہوتی ہے کہ اپنے مومن
بھائیوں سے نفرت ان کے اندر پیدا نہیں ہونے دیتی، قرآن کریم ان مومنوں کی قدر شناسی
کرتا ہے جو انصار و مہاجرین کے بعد آئے اور اللہ سے دعائیں کیں کہ اگلے مومنوں کے
گناہوں کو وہ معاف کر دے اور اہل ایمان کے لئے کسی قسم کا کینہ یا نفرت ان کے دل
میں پیدا نہ ہو:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ
لِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا
غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ - (حشر - ۱۰)

(اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں
جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو
بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل
ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم
ہے۔)

غیرت

غیرت ایک ناپسندیدہ اور انتہائی تاثر ہے، کسی شخص کے اندر غیرت اس وقت

پیدا ہوتی ہے جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا محبوب اپنی توجہ یا محبت اس کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف پھیر رہا ہے، غیرت کی عام قسم وہ ہے جو بھائیوں کے اندر اس وقت ہوتی ہے جب کوئی بھائی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے کسی دوسرے بھائی سے خود اس کے مقابلہ میں زیادہ محبت کر رہے ہیں۔ بھائیوں کے اندر غیرت کا ذکر قرآن کریم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں کیا ہے جن کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے چھوٹے بھائی سے ان کے مقابلہ میں زیادہ محبت کی:

إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ
عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ، إِنَّا قَتَلُوا يُوسُفَ أَوْ
أَطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخُلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ
قَوْمًا صَالِحِينَ - (یوسف - ۹۸)

(یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ) اس کے بھائیوں نے آپس میں کہا ”یہ یوسف اور اس کا بھائی دونوں ہمارے والد کو زیادہ محبوب ہیں“ حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ابا جان بالکل ہی بہک گئے ہیں، چلو یوسف کو قتل کر دو یا اسے کہیں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے۔ یہ کام کر لینے کے بعد پھر نیک بن رہنا۔)

غیرت ایک مرکب تاثر ہے جس میں کئی دوسرے تاثرات خصوصاً تاثر ناپسندیدگی کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے عام طور پر غیرت کے ساتھ ناپسندیدگی، کینہ اور غیرت پیدا کرنے والے شخص کو نقصان پہنچانے کی خواہش شامل ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے بھی بھائیوں کے اندر حضرت یوسف علیہ السلام کے قتل اور ان سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی خواہش نیز حضرت یوسف علیہ السلام کو گھرے کنویں میں ڈالنے کے فعل کا قصہ بتاتے ہوئے اس جانب اشارہ کیا ہے۔

حسد

حسد اس تاثر کا نام ہے جس میں انسان کسی دوسرے شخص کے پاس موجودہ شے

کے بارے میں یہ تمنا کرتا ہے کہ بجائے اس شخص کے وہ چیز میرے پاس چلی آئے، کوئی شخص کسی بڑے سرمایہ کا مالک ہوتا ہے، انسان اس تمنا میں اس پر حسد کرتا ہے کہ وہ سرمایہ میرے پاس آجائے، قرآن کریم میں اس قسم کے حسد کا ذکر ملتا ہے کہ جب قارون اپنے ساز و سامان کے ساتھ قوم کے سامنے نکلا تو کچھ لوگ اس پر حسد کرتے ہوئے تمنا کرنے لگے کہ قارون جیسی دولت و سامان ان کے پاس بھی ہو:

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ-

(قصص - ۷۹)

(ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ میں نکلا، جو لوگ حیات دنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے "کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے، یہ تو بڑا نصیب والا ہے۔)

اس نوع کا حسد بہت سارے لوگوں میں پایا جاتا ہے، بہت سارے لوگ دوسروں پر اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں دولت، اولاد، صحت یا کامیابی سے نوازا ہوتا ہے، قرآن بتاتا ہے کہ یہود و مشرکین نے نبی کریم ﷺ پر حسد کیا کہ اللہ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور مومنوں پر انہوں نے حسد کیا، جنہیں اللہ نے ایمان و ہدایت سے آراستہ کیا تھا:

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ
أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ - (بقرہ - ۱۰۵)

(یہ لوگ جنہوں نے دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرک ہوں، ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو مگر اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چن لیتا ہے اور وہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔)

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا
عَظِيمًا - (نساء - ۵۴)

(پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟ اگر یہ بات ہے تو انہیں معلوم ہو کہ ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ملک عظیم بخش دیا۔)

وَدَكْشِيرٍ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ
إِيمَانِكُمْ كَفَارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْحَقُّ فَأَعُفُوا وَأَصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (بقرہ-۱۰۹)

(اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹالے جائیں، اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر تمہارے لیے ان کی یہ خواہش ہے، اس کے جواب میں تم عفو و درگزر سے کام لو۔ یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ نافذ کر دے مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔)

حسد بسا اوقات بھائیوں کے اندر بھی ہوتا ہے، ایک بھائی دوسرے بھائی پر اس کی علاحدہ صلاحیتوں کی وجہ سے حسد کرنے لگتا ہے، اسی حسد کے خوف سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے سامنے اپنا خواب بیان کرنے سے منع فرمایا تھا کہ حسد کی وجہ سے بھائیوں کی جانب سے ایذا کا اندیشہ تھا:

قَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا
لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ (یوسف-۵)

(جواب میں اس کے باپ نے کہا۔ ”بیٹا اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔“)

روئے زمین پر پہلا حسد قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا تھا کہ اللہ نے ہابیل کی قربانی قبول کر لی تھی اور قابیل کی قربانی قبول نہیں کی تھی۔ جس کی وجہ سے قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا:

وَ اتُّلُّ عَلَيْهِمْ بِنَايَ اِبْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا

فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَا قُتِلَتْكَ
قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ - (مائدہ-۲۷)

(اور ذرا انہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی بے کم و کاست سنا دو
جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی
اور دوسرے کی نہ کی گئی، اس نے کہا ”میں تجھے مار ڈالوں گا“ اس نے
جواب دیا ”اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے۔“)

غیرت ہی کی مانند حسد بھی کینہ و ناپسندیدگی پیدا کرتا اور محسود کو ایذا پہنچنے کی تمنا
پر آمادہ کرتا ہے، بسا اوقات وہ محسود پر ظلم و زیادتی کر جانے پر بھی آمادہ کر دیتا ہے۔ قابیل
نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گھرے کنویں
میں ڈال دیا، چونکہ حسد ناپسندیدگی، ظلم اور ایذا رسانی پر آمادہ کر دیتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ
نے حاسدین کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ - (فلق-۵)

(اور حاسد کے شر سے (پناہ مانگتا ہوں) جبکہ وہ حسد کرے۔)

غم

غم، خوشی اور مسرت کے برعکس تاثر ہے، یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان
کسی محبوب شخص یا قیمتی چیز کو کھو بیٹھتا ہے، یا اس پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے یا کسی اہم
کام میں وہ ناکام ہو جاتا ہے، باپ اور ماں کو عام طور پر غم کا احساس جب ہوتا ہے کہ ان
کے بچے غائب ہو جائیں، یا انہیں کوئی تکلیف پہنچے، یا کسی ناپسندیدہ شے کا سامنا ہو، قرآن
میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے غم کا ذکر ہے، انہوں نے بچہ کو صندوق میں بند
کر کے دریا میں ڈال دیا اور صندوق موجوں میں بہتا ہوا ان کی نگاہوں سے دور ہو گیا:

فَرَدَّدْ نَحْنُ إِلَىٰ أُمَّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ -

(قصص-۱۳)

(اس طرح ہم موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پلٹالائے تاکہ اس کی

آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو۔)

فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ -

(اس طرح ہم نے بھی پھر تیری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہو۔)
حضرت یوسف علیہ السلام کے کھوجانے پر حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کا ذکر قرآن کرتا ہے:

وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسْفَىٰ عَلَىٰ يُونُسَٰ وَابْتَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُنُوا تَذَكَّرُ يُونُسَٰ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ - (يوسف - ۸۳، ۸۶)

(پھر وہ ان کی طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ ”ہائے یوسف“ وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔ بیٹوں نے کہا ”خدارا! آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کئے جاتے ہیں، نوبت یہ آگئی ہے کہ اس کے غم میں اپنے آپ کو گھلا دیں گے یا اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔ اس نے کہا ”میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا“ اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو۔)

قرآن کریم تنگ دست مومنین کے غم و رنج کی حالت بتاتا ہے جو رسول کریم ﷺ کے پاس آ کر آپ کے ساتھ شرکت جہاد کی خواہش ظاہر کر رہے تھے، خود رسول اللہ ﷺ کے پاس انہیں دینے کے لیے سامان جہاد نہ تھے، تو وہ رنج و غم میں اشک بار آنکھوں کے ساتھ واپس ہوئے:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَاكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ - (توبہ - ۹۲)

(اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی اعتراض کا موقع نہیں ہے جنہوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں بہم

پہنچائی جائیں، اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سوار یوں کا انتظام نہیں کر سکتا تو وہ مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔

رسول کریم ﷺ کی رفاقت میں غار کے اندر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دل میں پیدا ہونے والے رنج و غم کا ذکر قرآن کریم کرتا ہے:

إِذ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ (توبہ-۳۰)

(جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ ”غم نہ کر اللہ ہمارے

ساتھ ہے“)

اللہ اور دعوت اسلامی سے گریز دیکھ کر کفار مکہ پر رسول اللہ ﷺ کو رنج و ملال ہوا کرتا تھا۔

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَن يَصُورُوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِزَابًا فِي
الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (آل عمران-۱۷۶)

((اے پیغمبر) جو لوگ آج کفر کی راہ میں بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ان کی سرگرمیاں تمہیں آزرہ نہ کریں، یہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لیے آخرت سے کوئی حصہ نہ رکھے، اور بالآخر ان کو سخت سزا ملنے والی ہے۔)

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنُكَ كُفْرُهُ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ
بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔

(اب جو کفر کرتا ہے اس کا کفر تمہیں غم میں مبتلا نہ کرے، انہیں پلٹ کر آنا تو ہمارے ہی طرف ہے، پھر ہم انہیں بتادیں گے کہ وہ کیا کچھ کر کے آئے ہیں، یقیناً اللہ سینوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔)

اللہ کی شان میں کفار کی گستاخی اور تکذیب دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کو رنج و ملال ہونے لگتا تھا:

فَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ۔

(اچھا جو باتیں یہ بنا رہے ہیں وہ تمہیں رنجیدہ نہ کریں۔ ان کی چھپی اور کھلی سب باتوں کو ہم جانتے ہیں۔)

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُكَ الَّذِينَ يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا
يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ۔

(انعام - ۳۳)

(اے نبی! ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔)

بہت ساری آیات کے اندر قرآن کریم نے خوف کے ساتھ رنج کا تذکرہ کیا ہے، جو اس بات کا اشارہ ہے کہ دونوں چیزیں طبیعت انسانی کے لیے ناپسندیدہ ہیں، جب یہ تاثر انسان کو پیش آتے ہیں تو اس کی زندگی کی پرسکون فضا کو مگر کر دیتے ہیں، یہ آیات یہ بھی بتا رہی ہیں کہ اللہ پر ایمان، تقویٰ اور عمل صالح خوف و رنج سے تحفظ اور علاج ہے، اس طرح کی چند آیات درج ذیل ہیں:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى
فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

(بقرہ - ۳۷)

(ہم نے کہا کہ ”تم سب یہاں سے اتر جاؤ“ پھر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔)

لَبَنِيَّ اٰدَمَ اِمَّا يٰٓاَتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِي فَمِنْ اَتَقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَاَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ۔ (اعراف - ۳۵)

(اے بنی آدم! یاد رکھو! اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنارہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویہ کی اصلاح کر لے گا اس کے لئے کسی خوف اور

رنج کا موقع نہیں ہے۔)

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مَبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ فَمَنْ آمَنَ
وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (انعام۔ ۱۰۸)

(ہم جو رسول بھیجتے ہیں اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ وہ نیک کردار لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والے اور بد کرداروں کے لیے ڈرانے والے ہوں، پھر جو لوگ ان کی بات مان لیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔)

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (بقرہ۔ ۱۱۲)

(در اصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی، حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے، اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔)

ندامت

ندامت ایک انفعالی کیفیت ہے جو گناہ کے احساس، کسی فعل کے ارتکاب پر افسوس، اپنے کئے پر ملامت اور نہ کئے ہونے کی تمنا سے پیدا ہوتی ہے۔ اپنی ملامت اور اپنے فعل پر ندامت انسانی شخصیت سازی کے اہم ترین عوامل میں سے ہے، جو برے افعال اور ملامت و ندامت کا سبب بننے والے معاصی سے بچنے پر انسان کو آمادہ کرتی ہے، انسانی کردار کی تشکیل اور ندامت و ملامت کا سبب بننے والے معاصی سے گریز کے اندر، ملامت کرنے والے نفس کی اسی اہمیت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اس کی قسم کھائی ہے:

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔
(قیامۃ۔ ۲۱)

(نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔)

اس ملامت کرنے والے نفس کے بالمقابل جو چیز ہوتی ہے اسے ہم ضمیر کہتے ہیں، اور اسے فرائڈ اور نفسیاتی محللین Super Ego یا Ideal Ego کا نام دیتے ہیں۔ وہ نفس کا ایک جز ہے جو انسان کے افعال و اعمال کا محاسبہ کرتا، غلطیوں پر اس کی تنبیہ کرتا اور گناہوں کے ارتکاب پر ندامت کا احساس دلاتا ہے۔

انسان میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا احساس ندامت ہمارے ابا و اماں حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام میں زمین پر اتارے جانے سے پہلے جنت کے اندر ہوا تھا، انہوں نے غلطی کرتے ہوئے اس درخت سے کھا لیا تھا جس کے قریب جانے سے بھی اللہ نے انہیں منع فرمایا تھا، اس وقت ان کے ستر کھل گئے، انہیں ندامت کا احساس ہوا، اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے:

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ
شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ
فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ
سَوَاتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ
تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ، وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي
لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ، فَدَلَّهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا
الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا
مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَ
الشَّجَرَةِ وَأَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ، قَالَا
رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ
مِنَ الْخَاسِرِينَ - (اعراف - ۱۹، ۲۳)

(اور اے آدم، تو اور تیری بیوی، دونوں اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس نہ پھلنا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان کو بہکایا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے۔ اس نے ان سے کہا ”تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ

بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔ اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکہ دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ تب ان کے رب نے انہیں پکارا ”کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے؟“ دونوں بول اٹھے ”اے رب، ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔“

اس کے بعد دوسرا احساس ندامت انسان کو اس وقت ہوا جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا پھر اپنے قتل پر نادام ہوا:

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ
الْخَاسِرِينَ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ
كَيْفَ يُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ قَالَ يُؤَيِّلَتِي أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ
هَذَا الْغُرَابِ فَأُؤَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ۔
(مائدہ-۳۰-۳۱)

(آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور وہ اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں، پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ یہ دیکھ کر وہ بولا ”افسوس مجھ پر! میں اس کو جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا، اس کے بعد وہ اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔“)

قرآن بتاتا ہے کہ روز قیامت اللہ پر ایمان نہ لانے اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق نہ کرنے پر کفار کو احساس ندامت ہوگا:

وَيَوْمَ يَغْضُ الزُّلْمِ عَلَىٰ يَدَيْهِ يُقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ
مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا، يُؤَيِّلَتِي لَيْتَنِي كَمَا اتَّخَذْتُ فُلَانًا خَلِيلًا۔

(ظالم انسان اپنا ہاتھ چبائے گا اور کہے گا "کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔ ہائے میری کم بختی، کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔)

دوسرے تاثرات

اوپر ذکر کردہ تاثرات کے علاوہ بعض دوسرے تاثرات کی جانب بھی قرآن نے اشارہ کیا ہے مثلاً حیا، رسوائی، عجب اور کبر وغیرہ۔

حیا ایک ایسا تاثر ہے جو خوف اور خجالت کے عناصر سے مرکب ہوتا ہے، حیا انسان کو اس وقت ہوتی ہے جب یہ اندیشہ ہو کہ دوسرے لوگ اس کی ایسی چیز نہ دیکھ لیں جس کی وجہ سے اس کو معیوب سمجھے جانے یا اس کی مذمت کئے جانے کا امکان ہو۔ حیا بہترین انسانی خصلت ہے، وہ قبیح اور معیوب افعال سے انسان کو محفوظ رکھتی ہے، قرآن کریم نے حیا کی جانب اشارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں کیا ہے جب انہوں نے فرعون کے دربار سے بھاگ کر سز زمین مدین میں پناہ لی، وہاں کنویں کے کنارے کھڑی دو لڑکیوں کے پانی بھر دیئے، پھر ان میں سے ایک لڑکی ان کے پاس شرماتی ہوئی چل کر آئی اور پانی بھر دینے کا بدلہ دینے کے لیے اپنے والد سے ملاقات کرانے لے گئی:

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ

أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا۔ (قصص - ۲۵)

((کچھ دیر نہ گزری تھی کہ) ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم

و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی "میرے والد

آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو جو پانی پلایا

اس کا اجر آپ کو دیں۔)

رسوائی اس خجالت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ذلت، فضیحت، عار اور پستی کا

احساس شامل ہو۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں رسوائی کی حالت بتائی گئی ہے جو دنیا اور

آخرت میں کفار اور مشرکین کو پیش آئے گی:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا

اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا
 إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
 عَظِيمٌ - (بقرہ- ۱۱۳)

(اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے معبودوں میں
 اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے
 لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر
 وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں، ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی
 ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔)

إِنَّمَا جَرَأَ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي
 الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَ
 أَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي
 الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ - (مائدہ- ۳۳)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس
 لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ
 قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف
 سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں، یہ ذلت و
 رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے
 بڑی سزا ہے۔)

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ
 لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْعَذَابُ
 الْآخِرَةُ أَخْزَىٰ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ - (حم السجدة- ۱۶)

(آخر کار ہم نے چند منحوس دنوں میں سخت طوفانی ہوا ان پر بھیج
 دی تاکہ انہیں دنیا ہی کی زندگی میں ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا
 دیں اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ رسوا کن ہے، وہاں کوئی
 ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔)

عجب ایک پیچیدہ انفعالی حالت ہے جو بعض لوگوں کے اندر دیکھی جاتی ہے۔ یہ

خوش فہمی، غرور، احساس برتری اور گھمنڈ کا نام ہے۔ کچھ لوگوں کے اندر عجب ان کی پہچان بن جاتی ہے۔ قرآن کریم نے عجب، کبر اور احساس برتری کی مذمت کی ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (بنی اسرائیل، ۳۷)

(زمین میں اکڑ کر نہ چلو، تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔)

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ۔ (لقمان - ۱۸)

(اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خودپسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔)

خودپسندی انسان کے اندر احساس برتری، دوسروں پر فوقیت اور ان کے ساتھ حقارت کا معاملہ کرنے کی صفات پیدا کر دیتی ہے، بہت ساری آیات کے اندر قرآن نے مشرکین و منافقین کے غرور و کبر اور قبولیت حق سے تکبراً انکار کی مذمت کی ہے۔ چند آیات درج ذیل ہیں:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُؤُسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ۔ (منافقون - ۵)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے، تو سر جھٹکتے ہیں، اور تم دیکھتے ہو کہ وہ بڑے گھمنڈ کے ساتھ آنے سے رکتے ہیں۔)

وَيَلِّ لِكُلِّ آفَاكٍ أَلِيمٍ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُنَلِّيْ عَلَيْهِ نُمْ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَان لَمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ (جاثیہ - ۸۷)

(تباہی ہے ہر اس جھوٹے بد اعمال شخص کے لیے جس کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور وہ ان کو سنتا ہے، پھر پورے غرور کے ساتھ اپنے کفر پر اس طرح اڑا رہتا ہے کہ گویا اس نے ان کو سنا ہی

نہیں۔ ایسے شخص کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔
 قصہ فرعون کے اندر قرآن کریم نے کبر و گھمنڈ اور غرور پسند شخصیات کا نمونہ
 ہمیں دکھایا ہے:

فَحَشَرَ فَنَادَى ه فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى -
 (نازعات - ۲۲، ۲۳)

(اور لوگوں کو جمع کر کے اس نے پکار کر کہا ”میں تمہارا سب سے
 بڑا رب ہوں۔“)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ
 غَيْرِي - (قصص - ۳۸)

(اور فرعون نے کہا ”اے اہل دربار، میں تو اپنے سوا تمہارے کسی
 خدا کو نہیں جانتا۔“)

وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ
 مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ أَمْ أَنَا
 خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَ لَا يَكَادُ يُبِينُ -
 (زخرف - ۵۱، ۵۲)

(ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا ”لوگو، کیا مصر
 کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہ رہی
 ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و
 حقیر ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا؟“)

تاثرات کے ساتھ پیدا ہونے والی جسمانی تبدیلیاں

تاثر کے دوران جسم کے اندر بہت ساری عضویاتی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جسم کی
 خارجی ہیئت اور چہرہ کے خدو خال میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، تاثرات کے دوران
 دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، آنتوں کے اندر خون کی رگیں سکڑ جاتی ہیں، بدن اور
 اعضاء کی سطح پر خون کی رگیں پھیل جاتی ہیں، جس کی وجہ سے دل کی جانب خون کا
 دوران بہت تیز ہو جاتا ہے اور خون سے بھر جانے کی وجہ سے دل کا حجم بڑا ہو جاتا ہے اور

ہوا کی نالی سے وہ قریب ہو جاتا ہے، جبکہ قلب ہوائی نالی سے تقریباً ڈیڑھ سنی میٹر کے فاصلہ پر ہوتا ہے لہ خوف کے دوران دل میں پیدا ہونے والی تبدیلی کی حالت کا قرآن نے ذکر کیا ہے کہ شدید اضطراب کی وجہ سے دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، دل کی جانب خون کا دوران بڑھ جاتا ہے، جس کے نتیجے میں دل کا حجم بڑھ جاتا ہے اور وہ ہوا کی نالی سے قریب ہو جاتا ہے:

إِذْ جَاءُوكُم مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ
الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّونَ بِاللَّهِ
الظُّنُونَ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۔
(احزاب - ۱۰)

(جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آگئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔)
قیامت کے دن لوگوں کے اندر پیدا ہونے والی گھبراہٹ و فزع کی تصویر کشی قرآن کرتا ہے:

وَ أَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْأُزْفَةِ إِذَا الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ
كَآظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ۔
(المومن - ۱۸)

(اے نبی، ڈرا دو ان لوگوں کو اس دن سے جو قریب آگاہ ہے۔ جب کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے، اور لوگ چپ چاپ غم کے گھونٹ پئے کھڑے ہوں گے۔ ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہوگا اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔)
تاثر کے ساتھ پیدا ہونے والی جسمانی تبدیلیوں میں چہرہ کے خد و خال کی تبدیلی بھی

لہ جمال ماضی ابوالعزائم، القرآن و علم النفس، نفسیات اور اسلام سمینار، جلد اول: مطبوعہ

کلیتہ التریبہ جامعہ الرياض 1978ء صفحہ 21

ہے، جسے دیکھ کر دوسرا شخص اس کی انفعالی حالت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ متعدد آیات میں قرآن کریم نے اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

وَ إِذَا تَسَلَّىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ نَعْرِفُ فِي وُجُوهِ
الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ
عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا۔ (حج- ۷۲)

(اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں۔)
وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ
مُسْوَدًّا وَ هُوَ كَظِيمٌ۔ (زخرف- ۱۷)

(اور حال یہ ہے کہ جس اولاد کو یہ لوگ اس خدائے رحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کی ولادت کا مژدہ جب خود ان میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔)

قرآن میں بہت ساری آیات کے اندر غم، اداسی، سرور اور سعادت کی کیفیات کا ذکر ہے جنہیں قیامت کے دن لوگ محسوس کریں گے، اور انفعالی کیفیات کا عکس ان کے چہروں کے خدو خال پر ظاہر ہو رہا ہوگا، قرآن بتاتا ہے کہ قیامت کے دن کفار کے اوپر غم اور اداسی چھائی ہوگی، وہ عذاب کے انتظار میں ہوں گے، اور رنج و اداسی کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ اور بسورے ہوئے ہوں گے:

وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُم
مُسْوَدَّةٌ۔ (زمر- ۶۰)

(آج جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ باندھے ہیں قیامت کے روز تم دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہوں گے۔)

وَ وُجُوهُهُم يَوْمَئِذٍ بِاسِرَةٍ تَطْنُ أَنْ يَفْعَلَ بِهَا فَاقِرَّةٌ۔
(قیامتہ- ۲۳، ۲۵)

(اور کچھ چہرے اداس ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے

ساتھ کمر توڑ برتاؤ ہونے والا ہے۔)

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ أُولَئِكَ هُمُ
الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ۔ (عبس - ۳۰، ۳۱)

(اور کچھ چہروں پر اس روز خاک اڑ رہی ہوگی اور کلونس چھائی
ہوئی ہوگی، یہی کافر و فاجر لوگ ہوں گے۔)

دوسری جانب اللہ کی نعمتوں کے انتظار میں مومنوں کے چہروں پر خوشی و سعادت
کے آثار ظاہر ہوں گے، اور وہ مسرور و شاداں نظر آ رہے ہوں گے:

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ صَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ۔
(عبس - ۳۸، ۳۹)

(کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش و
خرم ہوں گے۔)

إِنَّ الْإِبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ تَعْرِفُ فِي
وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ۔ (مطففين - ۲۲، ۲۳)

(بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے، اونچی مسندوں پر
بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے، ان کے چہروں پر تم خوشحالی کی رونق
محسوس کرو گے۔)

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ فِي جَنَّاتٍ عَالِيَةٍ۔
(غاشية - ۸، ۱۰)

(کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے، اپنی کارگزاری پر خوش ہوں
گے، عالی مقام جنت میں ہوں گے۔)

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ۔ (قيامه - ۲۲، ۲۳)

(اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ
رہے ہوں گے۔)

ایسی ہی ایک عضویاتی تبدیلی، جو خصوصاً خوف کی حالت میں پیدا ہوتی ہے، گوشہ

چشم کا پھیلاؤ ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا

يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ، مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي
 دَعْوَاهُمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاةٌ
 (ابراہیم - ۲۲، ۲۳)

(اب یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ کو تم اس سے غافل نہ
 سمجھو، اللہ تو انہیں ٹال رہا ہے اس دن کے لیے جب یہ حال ہو گا کہ
 آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔
 نظریں اوپر جمی ہیں اور دل اڑے جاتے ہیں۔)

وَأَقْرَبَ الْوَعْدَ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ
 كَفَرُوا يَوِيلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ۔
 (انبیاء - ۹۷)

(اور وعدہ برحق کے پورا ہونے کا وقت قریب آگے گا تو یکایک ان
 لوگوں کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ جائیں گے جنہوں نے کفر کیا تھا، کہیں
 گے ”ہائے ہماری کم بختی“ ہم اس چیز کی طرف سے غفلت میں پڑے
 ہوئے تھے بلکہ ہم خطاکار تھے۔)

تاثر کے دوران عام طور پر پورے بدن کی ہیئت میں تبدیلی آ جاتی ہے، مثلاً خوشی
 اور مسرت کی حالت میں انسان چست و نشیط، دراز قامت، بلند سر اور کشادہ سینہ نظر آتا
 ہے، رسوائی اور گناہ و ندامت کے احساس کی حالت میں انسان ذلیل، سر خم، سکڑا جسم، ایسا
 نظر آتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہونا چاہ رہا ہے، جسم کی ان تبدیلیوں کی بھی
 قرآن نے تصویر کشی کی ہے:

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
 رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا
 مُوقِنُونَ۔ (سجدہ - ۱۲)

(کاش تم دیکھو وہ وقت جب یہ مجرم سر جھکائے اپنے رب کے
 حضور کھڑے ہوں گے ”اس وقت یہ کہہ رہے ہوں گے“ اے ہمارے
 رب ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں واپس بھیج دے تاکہ
 ہم نیک عمل کریں، ہمیں اب یقین آ گیا ہے۔“ اور تم دیکھو گے کہ یہ

جہنم کے سامنے جب لائے جائیں گے تو ذلت کے مارے جھکے جا رہے ہوں گے اور اس کو نظر بچا بچا کر کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ - (قلم - ۴۳)

(ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلت ان پر چھا رہی ہوگی۔)

خوف کی حالت میں ایک جسمانی تبدیلی یہ ہوتی ہے کہ سر کے بال اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، بعض جانوروں مثلاً بلی کے اندر واضح طور پر نظر آتا ہے کہ خوف کے وقت جسم کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسا انسان کے اندر بھی ہوتا ہے، لیکن حیوانات کے مقابلہ انسان کے اندر کم واضح ہوتا ہے، جسم کے رونگٹے کھڑے ہونے کی حالت میں ایک قسم کی لرزاہٹ سی محسوس ہونے لگتی ہے، خوف کے دوران کی اس کیفیت کا تذکرہ قرآن کی درج ذیل آیت میں ہے:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكِ هَدَىٰ اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ - (زمر - ۲۳)

(اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں، اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے، اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔)

قول خداوندی ”پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں“ اس اطمینان و راحت کی حالت کی جانب اشارہ ہے جو اللہ کے ذکر، اس کی عبادت اور تسبیح خوانی کے نتیجہ میں نفس کے اندر پیدا ہوتی ہے، انسان اپنے تاثرات کا اظہار اپنے ہاتھوں کی حرکت سے بھی کرتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ ندامت کے وقت کس طرح انسان اپنے ہاتھ ملتا ہے:

وَأَحِيطَ بِشَمْرِهِ فَاصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ
فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ
بِرَبِّي أَحَدًا - (کہف-۳۲)

(آخر کار ہوا یہ کہ اس کا سارا ثمرہ مارا گیا اور وہ اپنے انگوروں کے
باغ کو ٹیٹوں پر الٹا پڑا دیکھ کر اپنی لگائی ہوئی لاگت پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور
کہنے لگا کہ ”کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا
ہوتا“)

حیرت و تعجب کا اظہار کرنے کے لیے انسان اپنا ہاتھ منہ میں ڈال لیتا ہے، اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے:

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُ الدِّينِ مِنَ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَ
ثَمُودَ وَ الدِّينِ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا
كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ
مُرِيبٍ - (ابراہیم-۹)

(کیا تمہیں ان قوموں کے حالات نہیں پہنچے جو تم سے پہلے گزر چکی
ہیں قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والی بہت سی قومیں جن کا
شمار اللہ ہی کو معلوم ہے؟ ان کے رسول جب ان کے پاس صاف صاف
باتیں اور کھلی کھلی نشانیاں لئے ہوئے آئے تو انہوں نے اپنے منہ میں
ہاتھ دبا لئے اور کہا کہ ”جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو
نہیں مانتے اور جس چیز کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی طرف سے
ہم سخت خلجان آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“)

تاثراتی حالت کے وقت سوچ و فکر کی قوت جواب دے جاتی ہے اور درپیش
مشکلات کے مقابلہ کے لیے انسان اس طرح نہیں سوچ پاتا ہے جیسا عام حالات میں وہ
سوچ لیتا ہے پیچھے ذکر کردہ سورہ ابراہیم کی آیت ۳۳ میں ایسی حالت کے وقت غور و فکر کی
قوت کے جواب دے جانے کی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے، جس میں آیت میں کہا گیا
ہے کہ:

لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ ظَرْفُهُمْ وَ أَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ

(ابراہیم-۴۳)

(ان کی نظریں اوپر جمی ہوئی ہوں گی اور دل اڑے جاتے ہوں

گے۔)

”دل اڑے جاتے ہوں گے“ کا جملہ بتا رہا ہے کہ خوف کے وقت سوچنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ ظالموں کی عقل سوچ و فکر سے خالی ہوتی ہے۔ لہ

تاثرات پر کنٹرول

انسانی زندگی کے اندر تاثرات کا رول اگرچہ بہت اہم ہے کہ وہ ذات کے تحفظ اور بقاء میں معاون بنتے ہیں، لیکن ان میں اسراف انسان کی جسمانی و نفسیاتی صحت کے لیے ضرر رساں ہے، مثال کے طور پر خوف انسان کے لیے مفید ہے کہ زندگی کو درپیش خطرہ سے بچاؤ پر وہ آمادہ کرتا ہے۔ لیکن جب کسی انسان کے اندر خوف کی زیادتی ہو جاتی ہے، اور بہت سی ان چیزوں سے بھی وہ خوف کھانے لگتا ہے جن میں اس کے لیے حقیقی خطرات نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں خوف اس کے لیے مضر ہو جاتا ہے، اسی طرح بے شمار خوف عموماً شخصیت کے اضطراب کی دلیل ہوتے ہیں، جسمانی نفسیاتی طب کی جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ انسان کی انفعالی کیفیت میں اضطراب بہت سے جسمانی امراض پیدا ہونے کا اہم سبب ہوتے ہیں۔

بعض سروے سے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹروں کے کلینک میں آنے والے عام مریضوں کی اکثریت بنیادی طور پر اپنی نفسیاتی مشکلات سے پیدا ہونے والی انفعالی پیچیدگی کے شکار ہوتے ہیں، اور ان مریضوں کو کسی طبی علاج کی نہیں بلکہ درحقیقت نفسیاتی علاج کی ضرورت ہوتی ہے، اب ڈاکٹروں کے درمیان یہ بات معترف ہو گئی ہے کہ ان مریضوں کے لیے سب سے بہترین نسخہ قلق و بے چینی سے گلو خلاصی ہے، جدید طبی اور نفسیاتی علوم سے کافی پہلے قرآن کریم نے لوگوں کو یہ ہدایت دے دی تھی کہ اپنے تاثرات پر کنٹرول رکھیں، اس میں صحت کے بہت سے فوائد ہیں، جن سے تفصیلی اور

دقیق واقفیت موجودہ دور میں حاصل ہو رہی ہے۔

موت کے خوف پر کنٹرول

قرآن نے لوگوں کو ان امور سے بے خوف رہنے کی تعلیم دی ہے جو عام طور پر لوگوں کے اندر خوف پیدا کرتے ہیں، جیسے موت، فقر و تنگی وغیرہ۔ موت کے خوف سے متعلق قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کی زندگی فانی ہے، اس کی نعمتیں زوال پذیر ہیں، آخرت کی زندگی ہی باقی رہنے والی ہے، اور وہاں کی نعمتوں کو زوال و فنا نہیں ہے، موت صرف ایک مرحلہ ہے جو انسان کو حیات فانی سے حیات جاودانی کی طرف منتقل کر دیتی ہے، اسی لیے سچا مومن موت سے خوف نہیں کھاتا کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ موت اسے ایسی پائیدار اور دائمی زندگی کی نعمتوں تک پہنچا دے گی جس کا اللہ نے اپنے تقویٰ شعار بندوں سے وعدہ فرمایا ہے:

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ (عنکبوت- ۶۴)

(اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا، اصل زندگی کا گھر تو دار آخرت ہے، کاش یہ لوگ جانتے۔)

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهُوٌّ وَكَلِّدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (انعام- ۳۲)

(دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور ایک تماشہ ہے۔ حقیقت میں آخرت ہی کا مقام ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو زیاں کاری سے بچنا چاہتے ہیں۔ پھر کیا تم لوگ عقل سے کام نہ لو گے۔)

يَقُومُ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ۔ (المومن- ۳۹)

(اے قوم، یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔)

آخرت کی دائمی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں پر ایمان نے اولین مسلمانوں کو موت سے نڈر بنا دیا تھا، اور وہ بے خوف و خطر راہ خدا میں گھس جاتے اور تمنائے

شہادت و شوق جنت میں آگے قدم بڑھاتے جاتے تھے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ
أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ، فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ
أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (آل عمران - ۱۶۹، ۱۷۰)

(جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو
حقیقت میں زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ
نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن ہیں
کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں
پہنچے ہیں ان کے لئے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔)

وَلَكِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مِتُّمْ لَمَغْفِرَةً مِنَ اللَّهِ وَ
رَحْمَةً خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ، وَلَكِنْ مِتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لِأَنَّ اللَّهَ
تُحْشِرُونَ۔ (آل عمران - ۱۵۷، ۱۵۸)

(اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش
تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں
یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہر حال تم سب کو
سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔)

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
بِالْآخِرَةِ، وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ
فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (نساء - ۷۴)

((ایسے لوگوں کو معلوم ہو کہ) اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے ان لوگوں
کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں پھر جو اللہ کی راہ
میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا
کریں گے۔)

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ
لَهُمُ الْجَنَّةَ يَفْقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ

وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى
بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بَبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَ
ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ (توبہ-۱۱۱)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے
مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے
اور مرتے ہیں۔ ان سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے
توراة اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے
عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے
خدا سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔)

سچے مومن کو موت کی حقانیت پر کامل یقین ہوتا ہے، ایک حتمی حقیقت کے طور
پر بغیر خوف و گھبراہٹ کے وہ موت کا استقبال کرتا ہے، اسے علم ہوتا ہے کہ اس دنیائے
ارضی پر اس کی عمر کتنی ہی طویل ہو جائے، زوال اس کی منزل ہے، اور موت ہی اسے
خلود و بقاء کی زندگی تک پہنچا دے گی:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ
الْبِقَاةِ فَمَنْ زُحِزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْفُرُورِ۔ (آل عمران-۱۸۵)

(آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے اجر قیامت کے
روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے
بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک
ظاہر فریب چیز ہے۔)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبَلُّوكُمُ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ
فِتْنَةً وَاللَّيْنَاءُ تَرْجَعُونَ۔ (انبیاء-۳۵)

(ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور برے حالات
میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں، آخر کار تمہیں ہماری ہی
طرف پلٹنا ہے۔)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ۔

(عنکبوت-۵۷)

(ہر تنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف ہی
پلٹا کر لائے جاؤ گے۔)

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَ
إِذَا لَا تَمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا۔ (احزاب-۱۶)

(اے نبی! ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا
تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا۔ اس کے بعد زندگی کے مزے
لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع تمہیں مل سکے گا۔)

إِنَّ مَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ
مُشِيدَةٍ۔ (نساء-۷۸)

(رہی موت تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آکر رہے گی خواہ تم
کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔)

موت سے بے خوفی اور راہ خدا میں جہاد و سرفروشی کی تمنائے فزوں کی وجہ سے
مسلمانوں کو مسلسل فتح و نصرت حاصل ہوتی گئی اور بڑی سرعت کے ساتھ اسلام کا ڈنکا
پورے عالم میں بجنے لگا۔

فقر کے خوف پر کنٹرول

قرآن کریم ہمیں فقر کے خوف سے بھی روکتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ رزق اللہ کے
ہاتھ میں ہے، وہ زبردست قوت والا رازق ہے:

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ۔ (ذاریات-۵۸)

(اللہ تو خود ہی رزاق ہے بڑی قوت والا اور زبردست۔)

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (ذاریات-۲۲)

(آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے

وعدہ کیا جا رہا ہے۔)

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

مُسْتَقْرَرَهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔ (ہود-۶)

(زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ کہاں وہ رہتا ہے اور کہاں وہ سوچا جاتا ہے۔ سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے۔)

وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ - (عنكبوت - ۶۰)

(کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔)

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ - (عنكبوت - ۶۲)

(اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔)

مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لَآ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ فَاتَى تَوْفِكُونَ - (فاطر - ۳۲)

(اللہ جس رحمت کا دروازہ بھی لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے اسے اللہ کے بعد پھر کوئی دوسرا کھولنے والا نہیں، وہ زبردست اور حکیم ہے۔ لوگو، تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انہیں یاد رکھو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں آخر تم کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہو۔)

غصہ پر کنٹرول

غصہ پر کنٹرول رکھنے کا بھی قرآن ہمیں حکم دیتا ہے، انسان جب غصہ میں ہوتا ہے تو سوچنے کی قوت بے کار ہو جاتی ہے، اور صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی ہے۔ غصہ کے دوران اسی طرح خوف اور دیگر تاثرات کے دوران عموماً دونوں نوکلوی غدود (Adrenal Gland) ایڈرنالین ہارمون کا اخراج کرتے ہیں، جو جگر پر اثر انداز ہوتا ہے اور جگر سے شوگر کے اخراج کی مقدار بڑھ جاتی ہے جس کے نتیجے میں جسم کے اندر طاقت بڑھ جاتی ہے، اور اپنے دفاع کے لیے درکار عضلاتی جدوجہد کی قدرت میں اضافہ ہو جاتا ہے، غصہ کے دوران بڑھ جانے والی جسمانی قوت انسان کو غصہ برا نگیختہ کرنے والے کے خلاف جسمانی قوت آزمائی کے لیے زیادہ تیار و آمادہ کر دیتی ہے، اس لئے غصہ پر کنٹرول کئی پہلو سے مفید ہے، اول تو ضبط غضب کی وجہ سے درست سوچنے اور صحیح فیصلہ لینے کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔ ایسے اقوال یا افعال سرزد نہیں ہوتے جن پر بعد میں ندامت ہو۔ دوم، جسمانی اعتدال و توازن باقی رہتا ہے، جسمانی تناؤ نہیں پیدا ہوتا جو جگر سے زیادہ اخراج کی وجہ سے بڑھ جانے والی قوت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اور اس طرح وہ بے اختیار سختی پر اتر آنے سے محفوظ رہتا ہے، فریق مقابل کے خلاف جسمانی طاقت و زیادتی کا استعمال نہیں کرتا، جیسا عام طور پر غصہ کے دوران لوگوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ سوم، غصہ پر کنٹرول اور دوسرے پر زبانی یا جسمانی زیادتی سے گریز، نیز سکون آمیز حسن سلوک کی برقراری فریق مقابل کے اندر بھی سکون و ٹھہراؤ پیدا کر دیتی ہے، وہ اپنا محاسبہ کرتا اور جائزہ لیتا ہے اور اس طرح لوگوں کی محبت و دوستی حاصل کر لی جاتی ہے، اور تعلقات کے اندر خوشگوااری و بہتری آ جاتی ہے:

رُدْفَعُ بِأَلْتِي هِيَ أَحْسَنُ فَيَا ذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ

كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ - (حم السجدة - ۳۳)

(تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ

تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا

ہے۔)

چہارم، غصہ پر کنٹرول حفظان صحت کی رو سے بھی مفید ہے۔ وہ انسان کو بہت

سارے ایسے جسمانی امراض سے بھی محفوظ رکھتا ہے جو شدید تاثرات کے نتیجہ میں عموماً پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

ان تمام تفصیلات کے بعد اس حکم الہی کی حکمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس میں غصہ پر کنٹرول اور لوگوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ضبط و غضب پر بہترین اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي
السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ - (آل عمران - ۱۳۳، ۱۳۴)

(دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ ان خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بد حال ہوں یا خوشحال، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔)

فَمَا أُوْتِيْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ
اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ وَ
الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ
يَغْفِرُونَ - (شوری - ۳۶، ۳۷)

(جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ محض دنیا کی چند روزہ زندگی کا سر و سامان ہے، اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔ وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر غصہ آجائے تو درگزر کر جاتے ہیں۔)

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ الْأُمُورِ -

(شوری - ۴۲)

(البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے، تو یہ بڑی
اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔)

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى
اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الظَّالِمِينَ - (شوری - ۴۰)

(برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور
اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، اللہ ظالموں کو پسند نہیں
کرتا۔)

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ - (حجر - ۸۵)

(پس اے نبی، تم (ان لوگوں کی بیہودگیوں پر) شریفانہ درگزر سے
کام لو۔)

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَحِيمٌ - (نور - ۲۲)

(انہیں معاف کر دینا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے، کیا تم نہیں
چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور
اور رحیم ہے۔)

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ -
(مائدہ - ۱۳)

(لہذا انہیں معاف کرو اور ان کی حرکات سے چشم پوشی کرتے رہو،
اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو احسان کی روش رکھتے ہیں۔)

ضبط و غضب اور لوگوں سے درگزر کی اسی قرآنی تعلیم نے مسلمانوں کے اندر
بڑے اچھے اثرات پیدا کئے تھے اور باہمی عفو و درگزر ان میں عام ہو گئی تھی۔ اس کی
ایک مثال حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی روایت میں ملتی ہے، ایک شخص نے ان سے
کہا: آپ عدل نہیں کرتے اور برابر بدلہ نہیں دیتے، یہ سن کر حضرت عمرؓ کا رنگ بدل گیا
اور غصہ کے اثرات چہرہ پر ظاہر ہو گئے، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: یا امیر
المومنین! اللہ کا قول آپ نے سنا نہیں ہے؟ (نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کر، معروف کی
تلقین کئے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو) حضرت عمرؓ نے کہا۔ ”تم نے سچ کہا۔“ پھر گویا

کوئی آگ تھی جو بھائی جا چکی تھی۔ (۱)

محبت پر کنٹرول

اہل و عیال، آل اولاد اور آباء و اجداد، دوست احباب، دولت و جائیداد اور وطن کی محبت میں اعتدال رکھنے کا قرآن نے حکم دیا ہے، تاکہ یہ ساری محبتیں ہمیں اللہ کی محبت کو فراموش نہ کرا دیں اور اللہ کی اطاعت اور اس کی راہ میں جہاد سے غافل نہ بنا دیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا
لَكُمْ فَأَحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ، إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ
عَظِيمٌ۔ (تغابن - ۱۵، ۱۴)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور معاف کر دو تو اللہ غفور و رحیم ہے، تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔)

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
بِن قُتِرْتُمْوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (توبہ - ۲۴)

(اے نبی، کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند

۱۔ محمد صادق عینی، الفکر الاسلامی، مبادی، مناجی، قیام، اخلاقیات، مکتبہ خانجی قاہرہ۔

پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

قرآن تاکید کرتا ہے کہ مومن کے دل میں اللہ کی محبت دوسرے تمام لوگوں حتیٰ کہ آباء و اجداد، بال بچوں، اعزہ و اقارب اور دوست احباب، جیسے قریب ترین لوگوں کی محبت سے بھی زیادہ ہونی چاہئے، اگر اللہ کی محبت ان میں سے کسی کی محبت سے ٹکرانے لگے تو اللہ کی محبت کو ترجیح دی جائے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ
حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ
أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ
بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ
اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (مجادلہ- ۲۲)

(تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خیردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔)

آل اولاد کی محبت پر کنٹرول اور ان کی محبت پر اللہ کی محبت کو ترجیح دینے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مومن رفقاء کی مثال بیان کی ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ

إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَّاءٌ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ
اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ
أَبَدًا حَتَّىٰ تُوْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّهُ. (ممتحنہ-۴)

(تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا
نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے ساف کہہ دیا کہ ”ہم تم سے اور
تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار
ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے
لیے عداوت ہو گئی اور بیرپڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔“)

دیگر تاثرات پر کنٹرول

گھمنڈ اور غرور سے قرآن نے منع کیا ہے، گذشتہ صفحات میں وہ آیات ہم نے ذکر
کی ہیں جن میں کبر و عجب اور احساس برتری کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔
خوشی اور غم پر بھی کنٹرول کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ جان، مال و جائیداد اور بال
بچوں پر آنے والے مصائب و آفات پر رنج و غم میں زیادتی نہیں ہونی چاہی۔ خیر و خوبی،
کامیابی، برتری اور شہرت و جاہ کے حصول پر خوشی میں بھی اسراف نہیں ہونا چاہئے، اور
نہ خوش ہو کر کبر و غرور، فخر اور گھمنڈ میں آ جانا چاہئے۔ ہمیں پہنچنے والی کسی بھی مصیبت و
تکلیف، یا آرام و خیر کا فیصلہ لوح محفوظ کے اندر پہلے ہی سے تحریر ہے، اور اللہ کے علم
میں موجود ہے، ہمارا رنج و غم واقعہ اور اس کے نتائج کو بدل نہیں سکتے۔ اسی طرح ہماری
خوشی اور گھمنڈ خیر کے اندر اضافہ نہیں کر سکتا، اور نہ اسے زوال سے بچا سکتا ہے، ہر چیز
اللہ کے علم میں موجود اور اس کی مشیت کی رہین ہے:

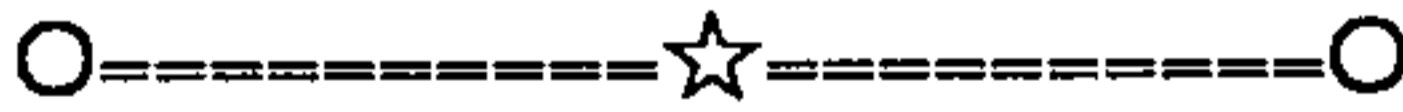
مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي
كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا
تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ. (حدید-۲۲، ۲۳)

(کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر
نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ

نہ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔ (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ۔ اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے تاثرات پر کنٹرول کرنے اور انہیں قابو میں رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اللہ پر سچا ایمان، اس کے قرآنی منہج کی اتباع اور رسول کریم علیہ السلام کے طریقہ کی پیروی انسان کے اندر پختہ عزم اور قوت ارادی پیدا کرتی ہے، جو تاثرات پر ضبط و کنٹرول میں معاون بنتی ہے۔ سچا مومن صرف اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتا ہے۔ وہ نہ موت سے ڈرتا ہے، نہ فقر سے خوف کھاتا ہے، نہ لوگوں کا اندیشہ کرتا ہے اور نہ کائنات کی کسی اور شے کا خدشہ اس کے اندر پیدا ہوتا ہے، وہ اپنے غصہ کو دباتا ہے، معمولی باتوں پر برا نگینہ نہیں ہوتا ہے، صرف اس چیز پر ناراض ہوتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہو، غم پر ضبط کرتا ہے کہ جو کچھ مصیبت بھی اسے پہنچ رہی ہے، اللہ کے یہاں وہ پہلے سے مقرر ہے، تواضع پسند ہوتا ہے، کیونکہ اپنی حیثیت سے وہ پوری طرح آشنا ہوتا ہے، نہ غرور و گھمنڈ کرتا ہے، نہ فخر و بڑائی کا اظہار، نہ کبر و استکبار۔

قرآن کی متعدد آیات میں بتایا گیا ہے کہ ایمان خوف سے تحفظ اور علاج ہے، اس موضوع پر مزید گفتگو آئندہ دسویں فصل ”قرآن میں نفسیاتی علاج“ کے عنوان سے آرہی ہے۔



قرآن اور ادراکِ حسی

(Sensory Perception)

مشیت خداوندی نے انسان اور حیوان دونوں کو زندگی اور بقاء کے لیے ضروری تمام امکانات و امور سے آراستہ کیا ہے، چنانچہ محرکات اور تاثرات کے علاوہ ایسے آلات و ذرائع سے بھی مزین کیا ہے جن کے ذریعہ خارجی دنیا اور گرد و پیش کے واقعات، اسی طرح اپنے اندرون کی دنیا اور اس میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا ادراک ہوتا ہے، حسی ادراک انسانی زندگی کا اہم ترین وظیفہ ہے، اس کے ذریعہ ہر زندہ وجود تکلیف دہ چیزوں کا ادراک کر کے ان سے گریز اور مفید چیزوں کا ادراک کر کے ان کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔

خارجی دنیا کا ادراک ہم اپنے ظاہری حواس سماعت، بصر، شامہ، ذائقہ اور جلدی حواس سے کرتے ہیں۔ داخلی احساس کی راہ سے ہم اپنے جسم کے اندر پیدا ہونے والی عضویاتی اور کیمیائی توازن کی بے اعتدالی جیسے بھوک، پیاس کا ادراک کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے خارجی دنیا کے تقاضوں کے مطابق اپنے اعمال یا جسم کے خلیوں میں پیدا ہونے والی کمی کی تلافی اور سابقہ عضویاتی و کیمیائی توازن کی حالت پر دوبارہ اسے لانے کا عمل انجام دیا جاتا ہے۔

ادراکِ حسی انسان اور حیوان دونوں کی مشترکہ صفت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی ایک اہم ادراکی خصوصیت سے نوازا ہے، جو حیوان کے اندر نہیں پائی جاتی، اسی کے ذریعہ انسان محسوس اشیاء کے ادراک سے بالاتر ہو کر خیر و شر، اچھائی و برائی اور حق و باطل جیسے خالص معانی کے اندر غور و فکر کرتا ہے، اس کے ذریعہ تجربات و خیالات کے عمومی مبادی پر استدلال کرتا ہے، مثال کے طور پر عقل ہی کے ذریعہ کائنات

اور انسان کی تخلیق میں اللہ کی حیرت انگیز کرشمہ سازیوں پر غور کر کے خالق تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر استدلال کرتا ہے:

سُنُّرِيهِمْ اَيَاتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَ
لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ - (حم السجدة - ۵۳)

(عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔)

لیکن عقل انسانی کے اندر ادراک اور فہم کی قوت بھی محدود ہوتی ہے پھر انسان کی فکر خطا کا شکار ہوتی رہتی ہے، کچھ ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جو صحیح غور و فکر سے انسان کو روک دیتے ہیں، اور اس وقت انسان کو کسی دوسرے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی درست رہنمائی کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کو لوگوں کے پاس بھیجا اور مقدس کتابیں اتاریں تاکہ خیر اور رشد و ہدایت کی جانب لوگوں کی رہنمائی کی جائے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّاغُوْتَ - (نحل - ۳۶)

(ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اس کے ذریعے سے خبردار کر دیا کہ ”اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔“)

اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّاَنْذِيْرًا وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا
خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ - (فاطر - ۲۳)

(ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔)

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَّسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰیَاتِنَا
وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ
مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ - (بقرہ - ۱۵۱)

(جس طرح تمہیں اس چیز سے فلاح نصیب ہوئی کہ ہم نے

تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا، جو تمہیں ہماری آیات سناتا ہے، تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

حواس اور عقل دو وسائل ہیں جن سے ادراک اور معرفت میں انسان مدد لیتا ہے۔ لیکن بہت سارے امور کے اندر یقینی معرفت تک رسائی میں تنہا یہ دونوں ناکافی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر عقل اور حواس کے ذریعہ انسان غیبی امور کا ادراک نہیں کر سکتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے معرفت حاصل کی جائے، تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت کے لیے زمین پر زندگی کو منظم کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ سے معرفت کا حصول انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے یا الہام اور فیض الہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بعض اولیاء کو نوازتا ہے۔

وحی اور الہام کے ذریعے حاصل ہونے والی معرفت خداوندی اور غور و فکر پر گفتگو کو آئندہ فصل کے لیے موخر کرتے ہوئے اس فصل میں ہم قرآن میں ادراک حسی کے موضوع پر کچھ تفصیل پیش کرتے ہیں۔

قرآن اور حواس

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ہر چیز سے نا آشنا ہوتا ہے، لیکن فوراً ہی اس کے حواس اپنے وظائف شروع کر دیتے ہیں، اور وہ نئی خارجی چیزوں سے متاثر ہونے لگتا ہے جن کے احساسات مختلف ہوتے ہیں، یہی بنیاد ہوتی ہے جس پر آئندہ خارجی دنیا کی معرفت اور ادراک کی صلاحیت تشکیل پاتی ہے۔ اس حقیقت کی جانب متعدد آیات میں قرآن نے اشارہ کیا ہے، بطور مثال چند آیات ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَاَلْبَصَارَ وَاَلْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔
(نحل - ۷۸)

(اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور سوچنے

والے دل دیئے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔)

قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ
الْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔ (ملک- ۲۳)

(ان سے کہو، اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سننے اور
دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیئے مگر تم کم ہی شکر
ادا کرتے ہو۔)

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ
الْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔ (سجدہ- ۹)

(پھر اس کو نیک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح
پھونک دی اور تم کو کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے۔ تم لوگ کم
ہی شکر گزار ہوتے ہو۔)

ذرائع حواس میں سے صرف سماعت اور بصارت کے ذکر پر قرآن نے اکتفا کیا
ہے۔ وہ اولاً اس لیے کہ ادراک حسی کے عمل میں ان دونوں ذرائع کی اہمیت کچھ زیادہ ہی
ہے، دوم یہ کہ ادراک حسی کے عمل میں تمام حواس کی اہمیت کے اظہار کے لیے صرف
ان دونوں کا تذکرہ کافی ہے، یہ قرآن کریم کا مخصوص اسلوب ہے جس میں بلیغ ایجاز ہے،
اور عمومی بنیادی حقائق کی جانب اشارہ و تلمیح پر اکتفاء کرتے ہوئے تفصیلات سے چشم
پوشی ہے، چونکہ قرآن کریم کوئی سائنس کی کتاب نہیں، بلکہ لوگوں کے لیے کتاب ہدایت
ہے، اس لیے ادراک حسی کے ذرائع سے نواز کر انسان پر نعمت خداوندی کے اظہار کے
ضمن میں صرف دو ذرائع سماعت و بصارت کی جانب قرآن کا اشارہ کافی تھا۔

بیشتر آیات کے اندر بصارت سے پہلے سماعت کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے، اس کی
بظاہر متعدد وجوہات ہیں، اول تو ادراک حسی، تعلیم اور تحصیل علوم کے عمل میں سماعت
کی اہمیت بصارت سے زیادہ ہے۔ بصارت کھونے کے بعد بھی انسان کے لیے زبان سیکھنا
اور علوم حاصل کرنا ممکن ہے، لیکن سماعت سے محرومی کے بعد زبان کی تعلیم اور علوم کا
حصول دشوار ہو جاتا ہے۔ ادراک تعلیم اور زبان کے اندر سماعت، جو غور و فکر اور
تحصیل علم کے اہم ذرائع میں سے ہے، کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ
قرآن کریم نے تنہا اس حاسہ کا ذکر عقل کے ساتھ کر کے دونوں کے باہمی گہرے ربط کو

وَقَالُوا كُونُوا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ
السَّعِيرِ - (ملک - ۱۰)

(اور وہ کہیں گے "کاش ہم سنتے یا سمجھتے تو آج اس بھڑکتی ہوئی
آگ کے سزاواروں میں شامل نہ ہوتے۔)

سماعت اور عقل کے باہمی مضبوط تعلق ہی کی وجہ سے قرآن کریم نے بیشتر آیات
کے اندر سماعت کو فہم، تدبیر اور تعقل کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا
بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا - (ال عمران - ۱۹۳)

(مالک، ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا
اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی۔)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ
الْمُقْلِحُونَ - (نور - ۵۱)

(ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی
طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمہ کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں
کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔)

وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ - (جن - ۱۳)

(اور یہ کہ "ہم نے جب ہدایت کی تعلیم سنی تو ہم اس پر ایمان
لے آئے۔")

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشَّاهِدِينَ - (مائدہ - ۸۳)

(جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول اللہ پر اترا ہے تو تم دیکھتے
ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی
ہیں، وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے

دلوں میں لکھ لے۔)

وَنُطْبِعُ عَلَيَّ قُلُوبَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ۔ (اعراف۔ ۱۰۰)

(اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔)

دوم یہ کہ سمعی حاسہ ولادت کے فوری بعد اپنا کام شروع کر دیتا ہے، بچہ پیدائش کے فوراً بعد آوازوں کو سن سکتا ہے، لیکن چیزوں کو صاف صاف دیکھنے کی صلاحیت کچھ وقت بعد پیدا ہوتی ہے۔ ۱۔

سوم یہ کہ سمعی حاسہ بغیر کسی توقف کے مسلسل اپنا کام کرتا رہتا ہے، جبکہ بصری حاسہ اپنا کام اس وقت موقوف کر دیتا ہے جب انسان اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے، یا سو جاتا ہے، تیز آواز انسان کو نیند سے بیدار کر سکتی ہے، اسی لیے اہل کھف کے قصہ میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ اس نے ان کے کانوں کو بند کر دیا تھا تاکہ وہ گہری نیند سو جائیں اور کوئی آواز انہیں بیدار نہ کر سکے۔

فَضَرَبْنَا عَلَيَّ اُذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا۔

(کھف۔ ۱۱)

(تو ہم نے انہیں اسی غار میں تھپک کر سا لہا سال کے لیے گہری نیند

سلا دیا۔)

چہارم یہ کہ حاسہ سماعت اپنا کام تاریکی اور روشنی دونوں میں یکساں طور پر کر سکتا ہے، جبکہ حاسہ بصرت صرف روشنی میں اپنا کام کر سکتا ہے۔ ۲۔ سماعت کا تذکرہ قرآن میں مفرداً آیا ہے، لیکن بصرت کا ذکر بیشتر آیات کے اندر جمع کی صورت میں آیا ہے، جو اسلوب قرآنی کے اعجاز کی دلیل ہے کیونکہ حاسہ سماعت ہر جہت سے آنے والی آواز کو قبول کر لیتا ہے جبکہ آنکھ اس شے کو دیکھ سکتی ہے جس کی

۱۔ جدید عضویاتی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ نومولود بچہ تیز آواز پر جوابی عمل ظاہر کرتا ہے، لیکن آہستہ آواز پر نہیں کرتا ہے، تحقیقات یہ بھی بتاتی ہیں کہ چھ ماہ کی عمر تک نومولود کی نگاہوں میں اشیاء کی تصویر صاف نہیں آتی کیونکہ شبکیاتی ساخت کی تشکیل ولادت کے چھ ماہ کے آخر میں مکمل ہوتی ہے، نویں فصل میں اس موضوع پر تفصیل آرہی ہے۔

۲۔ محمد متولی الشعراوی، معجزۃ القرآن، جلد ۱، قاہرہ، کتاب الیوم، ۱۹۸۰ء، ص ۹۵-۹۸

جانب اس کا رخ پھیرا جائے۔ لہ اگر کسی جگہ پر لوگ جمع ہوں اور کوئی آواز پیدا ہو تو تقریباً سارے ہی لوگ اس آواز کو سنتے ہیں، جبکہ وہ تمام لوگ اپنی اپنی مختلف جتوں سے صرف ایک ایک شے کو دیکھ سکتے ہیں، اور ان تمام کی رویت پوری طرح یکساں نہیں ہوتی ہے۔ ایک وقت میں ایک ہی سمت کی مختلف چیزوں کو دیکھا جاسکتا ہے، اگر ٹھیک ہمارے سامنے کوئی آواز پیدا ہو تو صوتی لہریں دونوں کانوں میں ایک ساتھ پہنچتی ہیں، اور ان کی تاثیر کی شدت دونوں کانوں کے پردوں پر یکساں ہوتی ہے، لیکن اگر ہم اپنے سامنے رکھی ہوئی کسی شے پر نظر ڈالیں تو دائیں آنکھ کے شبکیہ پر منعکس ہونے والی تصویر بائیں آنکھ کے شبکیہ پر منعکس ہونے والی صورت سے مختلف ہوتی ہے۔ دائیں آنکھ اس شے کو اس کے داہنی جانب سے دیکھتی ہے، اور بائیں آنکھ اسی چیز کو اس کے بائیں جانب سے دیکھتی ہے۔

جلدی حواس

جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ انسان کی جلد میں مختلف سطحوں کے بہت سارے حسی خلیے ہوتے ہیں جو متعینہ قسم کے احساسات کے لیے مخصوص ہوتے ہیں، کچھ خلیے حرارت کو محسوس کرتے ہیں، کچھ ٹھنڈک کا احساس کرتے ہیں، کچھ خلیے لمس اور دباؤ کو محسوس کرتے ہیں، کچھ الم کو محسوس کرتے ہیں، انسان کی جلد میں الم کو محسوس کرنے والے مخصوص اعضاء حس کے وجود کی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا كَلَّمًا
نُضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا
الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا۔ (نساء-۵۶)

(جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب

۱۔ محمد اسماعیل ابراہیم، القرآن و اعجازہ العلی، دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۹-۱۱۱،
محمد متولی الشعراوی، حوالہ سابق ص ۹۵۔

عذاب کا مزہ چکھیں، اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔)

یہ آیت جلد کے اندر الم کو محسوس کرنے والے مخصوص حسی خلیوں کے وجود کی جانب اشارہ کر رہی ہے، جیسا کہ جدید عضویاتی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے، اگر جلد جل جائے اور یہ خلیے موجود نہ رہیں تو الم کا احساس ختم ہو جاتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کافروں کی جلدیں تبدیل کر کے نئے حسی خلیے عطا کرتا رہے گا تاکہ انہیں احساس الم ہوتا رہے۔

قرآن کریم نے حاسہ لمس کی جانب بھی اشارہ کیا ہے جس کے ذریعہ لمس کے وقت اشیاء کی پہچان حاصل کی جاتی ہے:

وَ كُوْنَزَلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَابٍ فَلَمَسُوهُ
بِأَيْدِيهِمْ لَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔

(انعام-۷)

(اے پیغمبر، اگر تمہارے اوپر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگوں اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی جنہوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔)

دائرہ حواس سے خارج ادراک حسی

ادراک حسی کی ایک اور قسم بھی ہے جسے ماہرین نفسیات ”دائرہ حواس سے خارج ادراک حسی“ (Extrasensory Perception) کا نام دیتے ہیں مثلاً ”استشفاف“ یعنی خاصہ بصارت کے دائرہ سے خارج اور بعید واقعات یا اشیاء کی رویت، ”تخاطر“ یعنی دور کسی مقام پر موجود شخص کے افکار و خیالات کا ادراک کر لینا، ”استتاف“ یعنی حاسہ سماعت کے دائرہ سے خارج دور کسی مقام کی آواز یا گفتگو سن لینا، ماہرین نفسیات نے موجودہ دور میں ان امور کا مطالعہ کیا اور ان پر متعدد تجربات کئے، لیکن انہیں اب تک حاصل ہونے والے نتائج اس قدر باریک اور ٹھوس نہیں ہیں کہ ان امور کا واضح تصور ہمارے سامنے آسکے۔

دائرہ حواس سے خارج ادراک حسی کی یہ قسم تمام لوگوں کے یہاں نہیں دیکھی جا

سکتی ہے بلکہ بعض اشخاص ہی کے اندر پائی جاتی ہے جو مخصوص صفات سے آراستہ ہوتے ہیں، بسا اوقات یہ صفات اعلیٰ روحانی پاکیزگی ہوتی ہے جو خارق عادت ادراک کی قوت پیدا کر کے ایسی اشیاء یا واقعات کا ادراک ان کے لیے ممکن بنا دیتی ہے جو ان سے دور اور مکانی رکاوٹوں کے پرے ہوتے ہیں، اس نوع کے ادراک حسی کی ایک مثال قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی قمیص لے کر قافلہ سرزمین مصر سے روانہ ہوا تو مصر سے چند ایام کی مسافت کی دوری پر موجود حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ کی خوشبو محسوس کر لی:

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ
كُلَّوَلَا أَن تَفِينَدُونَن - (یوسف - ۹۳)

(جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کنعان میں کہا
”میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو
کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں۔“)

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو اس دور دراز
مقام سے محسوس کر لی جہاں تک اگر سفر کیا جاتا تو کئی دنوں میں پورا ہوتا، یہ دائرہ حواس
سے خارج ادراک حسی کے وجود کی جانب واضح اشارہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ اپنے گھروں کے اندر کیا کھا
رہے ہیں اور کیا جمع کر رکھا ہے، وہ اس کی خبر دے دیا کرتے تھے۔ قرآن اس کا ذکر کرتا
ہے:

وَأَلْبِسْكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ - (ال
عمران - ۱۳۹)

(میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کیا تم کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں
ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔)

یہ معجزہ ممکن ہے، استشفاف ہو، جس سے اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کو نوازا ہو، اور دائرہ نگاہ سے خارج اور دور اشیاء کا ادراک ان کے لیے ممکن ہو گیا
ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ایک قسم کا الہی الہام ہو۔

حدیث، تاریخ صحابہ اور تصوف کی کتابوں میں دائرہ حواس سے خارج ادراک حسی

کے نمونے ملتے ہیں، جنہیں صوفیا کشف کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ مسلم شریف میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”رکوع اور سجدے مکمل کیا کرو، خدا کی قسم تم جب رکوع اور سجدے کرتے ہو تو اپنی پشت کے پیچھے میں تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔“ ۱۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا: ”کیا تم لوگ میرا قبلہ دیکھ رہے ہو؟ خدا کی قسم تمہارا خشوع اور رکوع مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے، میں اپنی پشت کے پیچھے تمہیں دیکھتا ہوں۔“ ۲۔ پشت کے پیچھے رکوع و سجد کرتے ہوئے صحابہ کرام کو حضور علیہ السلام کا دیکھنا درحقیقت اسی استشفاف کی مثال ہے، قلبی پاکیزگی اور روحانی شفافیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے ان چیزوں کو دیکھنا ممکن ہو گیا جو آپ کی نگاہ کے سامنے نہ تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک دن چند صحابہ کرام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا گزر جنت البقیع میں دو ایسی قبروں سے ہوا جن میں ابھی جلد ہی تدفین ہوئی تھی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا: یہاں کسے دفن کیا گیا ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ فلاں اور فلاں کو، لیکن اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ یہ کیوں دریافت کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ان دونوں میں سے ایک شخص پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک ترشٹی اٹھائی، اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں قبروں پر ایک ایک ڈال دیا۔ صحابہ نے پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا، تاکہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کب تک انہیں عذاب ہوتا رہے گا؟ فرمایا: یہ غیب ہے، جس کا علم صرف اللہ کو ہے، اگر تمہارے دل آلودہ نہ ہوتے اور گفتگو زیادہ نہ کرتے تو تم بھی وہ کچھ سن لیتے جو میں سن رہا ہوں۔ ۳۔ آپ ﷺ کا آخری جملہ یہ بتا رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وہ باتیں سن لیں جو آپ کے ساتھ صحابہ کرام نہیں سن سکے، اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ ان چیزوں کو سن لینے کی قدرت انسان اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح کہ اس کا دل دنیاوی مشاغل سے صاف ہو اور

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ جلد 4، ص 150، مطبوعہ مکتبہ مصریہ قاہرہ

۲۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر 418، جلد 3 ص 74، مطبوعہ

الکلیات الازہریہ 1978۔

۳۔ سعید حوی، تربیتنا الروحیۃ، مطبوعہ مکتبہ وہبت، قاہرہ، دو سرائیڈیشن 1979 ص 151۔

غیر مفید باتوں سے وہ دور رہتا ہو۔ حضرت حنظلہ اسیدیؓ جو کاتبین وحی میں ہیں، فرماتے ہیں: ”میں نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ! جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو وہ ہماری نگاہوں کے سامنے محسوس ہوتے ہیں، لیکن جب ہم آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور اپنے بال بچوں اور کھیت کھلیان میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ان چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، میرے پاس تم لوگوں کی جو کیفیت ہوتی ہے، اگر ہمیشہ وہی کیفیت رہے تو فرشتے تمہارے گھروں اور راہوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں، لیکن اے حنظلہ! ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ تین بار یہ جملہ آپ نے ارشاد فرمایا۔“ یہ روایت مسلم اور ترمذی نے کتاب الرقائق میں ذکر کی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی صحبت میں قلب کی پاکیزگی اور روح کی صفائی اور یاد الہی کی جو کیفیت صحابہ کرام کی ہوتی ہے، اگر وہ کیفیت ہمیشہ ان کے اندر رہے تو فرشتوں کی رویت ان کے لیے ممکن ہو جائے۔

حضرت عمر بن خطابؓ کے متعلق مروی ہے کہ مدینہ منورہ کے اندر ایک جمعہ کو وہ خطبہ دے رہے تھے، اچانک ٹھہر گئے اور زور سے آواز دی: اے ساریہ بن حصن! پہاڑ..... پہاڑ، جس نے بھیڑیے کو چرایا اس نے ظلم کیا۔ نماز ختم ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے اس آواز کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ”میرے دل میں خیال آیا کہ مشرکین نے ہمارے بھائیوں کو شکست دے دی ہے، اور ان پر غالب آ رہے ہیں، اور وہ پہاڑ کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ اگر وہ پہاڑ کی طرف مڑیں تو ہلاک ہو جائیں گے، اس وقت میری زبان سے وہ جملہ نکلا۔ ایک ماہ بعد فتح کی خوشخبری لے کر قاصد آیا تو بتایا کہ مسلمانوں نے اس دن اور اسی لمحہ جب وہ پہاڑ سے گزر رہے تھے، ایک آواز سنی جو حضرت عمرؓ کی آواز کے مشابہ تھی، کہہ رہی تھی: اے ساریہ بن حصن! پہاڑ..... پہاڑ.....“ وہ پہاڑ کی طرف لوٹ آئے، اللہ نے انہیں روک دیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ ۲

۱۔ حوالہ سابق ص 151۔

۲۔ عباس محمود عقاد، عبقریت عمر، دارالکتب العربی، بیروت 1996 ص 24۔

بصری دھوکہ

بصری دھوکہ غلط بصری ادراک کا نام ہے، جو دیکھی ہوئی شے کی حقیقت کے مطابق نہ ہو۔ بصری دھوکہ کی کچھ قسمیں تو تمام لوگوں کے یہاں عام ملتی ہیں اور تقریباً یکساں طریقہ پر سموں کے ساتھ پیش آتی ہیں مثال کے طور پر بسا اوقات دور سے جب سراب پر نگاہ پڑتی ہے تو اس پر پانی کا گمان ہو جاتا ہے، قرآن کریم نے کفار کے نیک اعمال کی عدم افادیت کی بلیغ تصویر کشی کرتے ہوئے سراب کا ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال بکھرے ہوئے ریزے ہو جائیں گے، جیسے سراب، جس پر دور سے دیکھنے والے پیاسے کو پانی کا گمان ہوتا ہے، لیکن جب قریب آتا ہے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِفِئَةٍ يُنْحَسِبُهُ
الظَّمَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ كَالْمِ يَجِدُهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهُ
عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ (نور-۳۹)

((اس کے برعکس) جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا، مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا، بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا، جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا، اور اللہ کو حساب لیتے دیر نہیں لگتی۔)

توجہ اور ادراک حسی پر اقدار و محرکات کی اثر انگیزی

فرد کے محرکات اور اقدار اس کی توجہ اور ادراک پر اثر انداز ہوتے ہیں، متعدد جدید تجرباتی تحقیقات کے نتائج سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم نے ایک سے زائد مقامات پر اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ ایمان کس طرح مومنین کو قرآنی آیات سننے کے لیے متوجہ اور تیار بنائے رکھتا ہے، اور انہیں آیات قرآنی کا شعوری ادراک اور دقیق فہم حاصل ہوتا ہے، جبکہ یہی آیات مشرکین کے اندر مذکورہ اثر پیدا نہیں کرتیں، ان کے سننے، سمجھنے اور ادراک کرنے سے وہ غافل رہتے ہیں۔ ذیل کی مثال میں قرآن اس غفلت کی تصویر کشی کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ شرک اور عدم ایمان کی وجہ سے مشرکین

کے حواس کس طرح اپنے کاموں سے محروم ہو جاتے ہیں:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ أُذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ (اعراف-۱۷۹)

(اور یہ حقیقت ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔)

قُلْ هُوَ الَّذِي آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءً وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي أُذُنِهِمْ وَقُرْءَانٌ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ۔ (حم السجدة-۴۴)

(ان سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے توہدایت اور شفا ہے مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لیے یہ کانوں کی ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہے، ان کا حال تو ایسا ہے جیسے ان کو دور سے پکارا جا رہا ہو۔)

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَارَهُمْ۔ (محمد-۲۳)

(یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو اندھا اور بہرا بنا دیا۔)

أَفَأَنْتَ تَسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (زخرف-۴۰)

(اب کیا اے نبی، تم بہروں کو سناؤ گے؟ یا اندھوں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو راہ دکھاؤ گے۔)

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ
مَاحَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا
يُبْصِرُونَ صُمُّ بَعْضِكُمْ عَمَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ - (بقرہ- ۱۷-۱۸)

(ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب
اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب
کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر
نہیں آتا، یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے۔)
وَالَّذِينَ كَذَبُوا بآيَاتِنَا صُمُّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ -
(انعام- ۳۹)

(مگر جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں،
تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔)

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَ
خَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ
يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ - (جاثیہ- ۲۳)

(پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی
خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں
پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر
پردہ ڈال دیا، اللہ کے بعد اب کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ
کوئی سبق نہیں لیتے؟)

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلُوا
مُدْبِرِينَ، وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَنِ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ تَسْمِعُ
إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ - (نمل- ۸۰-۸۱)

(تم مردوں کو نہیں سنا سکتے نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہو جو
پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں اور نہ اندھوں کو راستہ بتا کر بھٹکنے سے
بچا سکتے ہو، تم تو اپنی بات انہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر
ایمان لاتے ہیں اور پھر فرمانبردار بن جاتے ہیں۔)

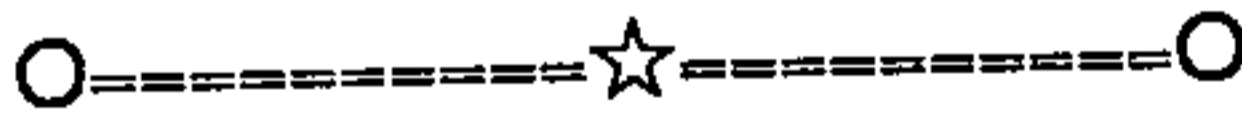
ادراک پر محرکات کی اثر انگیزی کا نمونہ یہ بھی ہے کہ ادراک کے اندر کسی شے کی حقیقت مسخ ہو جاتی اور بگڑ جاتی ہے۔ انسان ایک خوبصورت چیز کو بد صورت محسوس کرنے لگتا ہے اور کبھی بد صورت شے کو خوبصورت تصور کرنے لگتا ہے، محرکات، رجحانات اور خواہشات کی وجہ سے ادراک کے اندر پیدا ہو جانے والی بگاڑ و تحریف کو قرآن بیان کرتا ہے:

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا. (فاطر-۸)

((بھلا کچھ ٹھکانہ ہے اس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اس کا برا

عمل خوشما بنا دیا گیا ہو اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو۔)

تحلیل نفسی کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ انسان ان امور کے عدم ادراک کا رجحان رکھتا ہے جو اس کے لیے پریشان کن اور تشویش ناک ہوتے ہیں، یا اس کی خواہشات و پسند کے خلاف ہوتے ہیں، بلاشبہ مشرکین قریش اور بہترے یہود و نصاریٰ رسول کریم ﷺ کے لائے ہوئے نئے دین کو پسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس دین کی اشاعت ان کے اقتدار و رسوخ کے لیے خطرہ تھی، اس دین سے نفرت کی وجہ سے قرآنی آیات کو فہم و تدبر کے ساتھ سننے کے لیے نفسیاتی طور پر وہ تیار نہیں تھے، نہ اس کے معانی کے ادراک اور تصدیق کے لیے عقلی طور پر تیار تھے۔



قرآن اور غور و فکر

ادراک حسی کے عمل میں انسان کے ساتھ حیوان بھی شریک ہوتا ہے، لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی ایسی صفت سے آراستہ کیا ہے جو اس کو حیوان سے ممتاز بناتی ہے، انسان کے اندر غور و فکر کی صلاحیت ہے، جس کی وجہ سے اشیاء اور واقعات کے اندر غور و تحقیق، جزئیات سے کلیات کا استخراج، اور مقدمات سے نتائج کا استنباط اس کے لیے ممکن ہوتا ہے۔ غور و فکر کی قدرت ہی نے انسان کو عبادات کا مکلف بننے اور ارادہ و اختیار کی ذمہ داری اٹھانے کے لائق بنایا اور اسی امتیازی وصف کی وجہ سے زمین میں بار خلافت اس کے دوش پر ڈالا گیا۔

زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں ادراک حسی کی راہ سے جو معلومات بچہ اخذ کرتا ہے، وہ اس عنصر کو تشکیل دیتے ہیں جس سے آئندہ غور و فکر کے اندر بچہ مدد لیتا ہے۔ وہ ان معلومات کو اپنے حافظہ میں دوبارہ لاتا ہے، ان کا تخیل کرتا ہے، باہم ان کا موازنہ کرتا ہے، اور نئے طریقہ سے ان کی تنظیم کرتا ہے جن سے نئی معلومات کی دریافت میں مدد ملتی ہے، اور غور و فکر کے عمل سے حاصل ہونے والی نئی معلومات اس کے سابقہ ذخیرہ معلومات میں اضافہ کرتی ہیں، اس طرح ہمیشہ انسان قدیم معلومات کی تنظیم اور نئی معلومات و نئے حقائق کی دریافت کرتا رہتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں علمی تحقیق کی ترقی کی یہی بنیاد رہی ہے اور نظریاتی و تطبیقی علوم کے اندر دائمی ترقی کا یہی سبب رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں غور و فکر، مختلف کائناتی مظاہر کے مشاہد، اس کی کرشمہ سازیوں اور نظام محکم پر تدبیر کی ہدایت دی ہے، اسی طرح مختلف علوم کے میدانوں میں اللہ کے سنن و قوانین کی معرفت اور تحصیل علم کی ترغیب دی ہے، قرآن کریم میں ایک سے زائد مقامات پر غور و فکر، بحث و تحقیق اور حصول علم کی دعوت ملتی ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ-

(عنكبوت-۲۰)

(ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح

خلق کی ابتداء کی ہے۔)

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ

بِهَا أَوْ أذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ

تَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ- (حج-۳۶)

(کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے

والے اور ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں

اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔)

أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ

اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ- (اعراف-۱۸۵)

(کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور

کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔)

قُلْ انظُرُوا وَمَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ- (یونس-۱۰۱)

(ان سے کہو ”زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر

دیکھو“)

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ لِإِيلِ كَيْفَ خُلِقَتِ وَالسَّمَاءِ

كَيْفَ رُفِعَتْ وَالسَّمَاءِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَالسَّمَاءِ كَيْفَ

سَطِحَتْ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ- (غاشیہ-۲۱)

(یہ لوگ نہیں مانتے) تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے

گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ

کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟ اچھا تو

(اے نبی) نصیحت کئے جاؤ تم میں نصیحت ہی کرنے والے ہو۔)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِثَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ وَمَا يُنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ

اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ - (بقرہ-۱۱۳)

((اس حقیقت کو پہچاننے کے لیے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں 'رات اور دن کے عہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں' ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔)

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَبَيِّنْهُ إِنْ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ - (النعام-۹۹)

(اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگانیں، پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کئے، پھر ان سے تہ پرتہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے کچھے کے کچھے پیدا کئے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں، اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے ٹپکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو، ان چیزوں میں نشانیاں

ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔)

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعَيْنًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا مَتَاعًا لَكُمْ وَلَا نُنْعَمُ بِكُمْ - (عبس - ۲۲، ۲۳)

(پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے۔ ہم نے خوب پانی لندھایا، پھر زمین کو عجب طرح پھاڑا، پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل اور چارے تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زیت کے طور پر۔)

یہ اور ان جیسی آیات میں زمین و آسمان، ساری مخلوقات اور تمام مظاہر کائنات میں غور و فکر، تدبیر و تفکر اور علمی تحقیق کی واضح دعوت موجود ہے۔ صرف طبیعیاتی مظاہر ہی کے اندر غور و فکر اور تحقیق علمی کی دعوت نہیں دی گئی ہے، بلکہ خود اپنی ذات، حیاتیاتی اور نفسیاتی تشکیل کے اسرار کے اندر بھی غور و تدبیر کی دعوت دی گئی ہے اور اس طرح انسان کو جسمانی، عضویاتی، طبی اور نفسیاتی علوم کے میدانوں میں داد تحقیق دینے کی دعوت دی گئی ہے:

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى - (روم - ۸)

(کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت مقرر ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔)

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ، خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يُخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ - (طارق - ۵، ۷)

(پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینوں کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔)

سُرِّيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ
لَهُمْ إِنَّهُ الْحَقُّ - (حم السجدة. ۵۳)

(عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان
کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ
قرآن واقعی برحق ہے۔)

انسان کو غور و فکر کی دعوت قرآن نے کس اہتمام سے دی ہے، اس کا اندازہ ان
بہت ساری آیات سے ہوتا ہے جن کے آخر میں ”کیا وہ نہیں سمجھتے“ اور ”کیا وہ غور
نہیں کرتے“ جیسے غور و تدبر اور تذکر کے الفاظ و عبارتیں وارد ہوئی ہیں۔

قرآن کریم نے حیات انسانی کے اندر غور و فکر کی اہمیت اور عقل و فکر استعمال
کرنے والے انسان کی بلند مقامی بتائی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ -
(زمر-۹)

(ان سے پوچھا کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی
یکساں ہو سکتے ہیں۔)

اس کے برعکس عقل و فکر استعمال نہ کرنے والے انسان کو حیوان سے پست مرتبہ
بتایا ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضَّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا
يَعْقِلُونَ - (انفال-۲۲)

(یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ
ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔)

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا - (فرقان-۲۲)

(کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو
جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔)

مشکلات کے حل میں غور و فکر کے مراحل

انسان کی زندگی میں بہت ساری مشکلات پیش آتی ہیں، جن کے حل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو سوال بھی انسان اپنے آپ سے کرتا ہے، اور جواب نہیں پاتا ہے تو اس کو مشکل شمار کرتا ہے، انسان اپنی زندگی میں عام طور پر بہت سارے ایسے مراحل کا سامنا کرتا ہے جو اس کے لیے مشکل ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ کسی مقررہ مقصد کے لیے تگ و دو کر رہا ہوتا ہے، لیکن مقصد تک کی رسائی کی راہ اسے نظر نہیں آتی ہے، یا کچھ رکاوٹیں راہ میں حائل ہو جاتی ہیں، جب کسی درپیش مشکل کے حل کے لیے انسان غور و فکر کرتا ہے تو عموماً وہ چند مقررہ مراحل سے گزرتا ہے۔ ماہرین نفسیات نے ان مراحل کا مطالعہ و تجزیہ کیا ہے۔ مشکلات کے حل میں غور و فکر کے مراحل مختصراً درج ذیل ہیں:

اول: مشکل کے وجود کا احساس

غور و فکر کی ابتدا کسی اہم مشکل کے وجود کے احساس سے ہوتی ہے، ایک طاقتور محرک مشکل کو حل کرنے پر اسے آمادہ کرتا ہے، تاکہ مطلوبہ مقصد تک اس کی رسائی ہو جائے، مشکل کا احساس غور و فکر کے عمل کا پہلا قدم ہے۔

دوم: مشکل سے متعلق تفصیلات کا حصول

جب انسان کسی مشکل کے وجود کا احساس کر لیتا ہے تو ہر پہلو سے اس کا جائزہ لیتا ہے، تاکہ اچھی طرح اس کو سمجھ سکے، چنانچہ اس کے متعلق تمام تفصیلات و معلومات اکٹھی کرتا ہے، پھر ان کا جائزہ لے کر مشکل سے مناسبت رکھنے والے امور کو باقی رکھ کر دیگر امور کو علیحدہ کر لیتا ہے، یہ عمل مشکل کی توضیح اور فہم و تحدید میں معاون بنتا ہے اور اس کے حل کے لیے مفروضات وضع کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

سوم: مفروضات

موضوع سے متعلق معلومات و تفصیلات جمع کرنے کے دوران ذہن کے اندر مشکل کے حل کے لیے کچھ امکانی صورتیں، کچھ مفروضات آتی ہیں، مفروضہ مشکل کے مجوزہ حل کا نام ہے۔

چہارم: مفروضات کی تحقیق

غور کرنے والا کسی مشکل کے حل کے لیے کوئی مفروضہ قائم کرتا ہے تو عموماً اپنے

پاس موجود تفصیلات و معلومات کی روشنی میں اس مفروضہ کی چھان بین اور تحقیق و تجزیہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ مشکل کے حل کی کتنی صلاحیت اس مفروضہ کے اندر ہے، اس عمل کے دوران کبھی اسے محسوس ہوتا ہے کہ مشکل سے متعلق موجودہ تفصیلات اور معلومات سے وہ مفروضہ جوڑ نہیں کھا رہا ہے، تو اس مفروضہ کو حل کے ناقابل سمجھ کر رد کرتا ہے، پھر دوسرا مفروضہ قائم کرتا ہے، اور وہی تحقیق و تجزیہ والا پہلا عمل دہراتا ہے، آخر کار اسے بھی رد کر دیتا ہے، بار بار کے عمل کے بعد کسی ایسے مفروضے تک رسائی ہوتی ہے جو قابل قبول اور مشکل سے متعلق معلومات و حقائق سے ہم آہنگ ہوتا ہے، اور اس کی نظر میں مشکل کو حل کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

پہنچم: مفروضہ کی صحت کی تحقیق

غیر مناسب مفروضات کو رد اور مناسب مفروضہ تک رسائی کے بعد انسان دوسری معلومات جمع کرتا ہے، اور نئے سرے سے جائزہ لے کر اور نئے تجربات کر کے اس مفروضہ کی صحت کی تحقیق کرتا ہے۔

یہ وہ مراحل ہیں جن کو مشکلات کے حل میں عام طور پر غور و فکر کے اندر اختیار کیا جاتا ہے، اپنی روزمرہ زندگی میں پیش آنے والی تمام مشکلات کے حل میں ہم انہی مراحل سے گزرتے ہیں، اسی طرح سائنسدان حضرات اپنی تجربہ گاہوں کے اندر سائنسی تجربات میں انہی مراحل کو اپناتے ہیں۔

البتہ معلومات اکٹھا کرنے، ان کے اندراج اور تجزیہ و جائزہ کے اندر ان کے وسائل زیادہ باریک اور منضبط ہوا کرتے ہیں۔

قرآن کریم ہمارے سامنے ایک مثال لاتا ہے جو مشکلات کے حل میں اختیار کئے جانے والے مراحل کی واضح نشاندہی کرتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں اس طریقہ کی تفصیل بتائی گئی ہے جسے غور و فکر کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا کر کائنات کی خالق عظیم و قدیر ہستی تک رسائی حاصل کی تھی۔ لہ:

لہ علی عبد العظیم، فلسفۃ المعرفة فی القرآن الکریم، مجمع البحوث الاسلامیۃ، قاہرہ 1973

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ إِذْ آتَاكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَتَّخِذُكَ إِصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ مَكَانَ عِبَادِكُمْ وَيَكُونَ مِنَ الْمُغْرِبِينَ
 فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى الْكَوْكَبَ قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَنْ لَنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ
 فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوْمِ إِنِّي بَرئْتُ مِمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ - (انعام - ۷۵، ۸۰)

(ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا "کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں" ابراہیم کو ہم اسی طرح زمین اور آسمان کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے، چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا کہ ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں، پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب، مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا، پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم پکار اٹھا: اے برادران قوم میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو، میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے، اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی بت پرستی کی غلطی محسوس کی، کیونکہ انسان خود ہی ان بتوں کو بناتا ہے، پھر اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیز کی وہ کیونکر عبادت

قَالَ اتَّعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ - (صافات - ۹۵)

(اس نے کہا ”کیا تم اپنی ہی تراشی ہوئی چیزوں کو پوجتے ہو؟“)

پھر ان بتوں کے اندر کوئی طاقت و قوت نہیں ہے تو کیونکر وہ صفات الوہیت رکھ سکتے ہیں، اللہ تو طاقتور، قدرت رکھنے والا، کائنات میں فرمانروائی کرنے والا، نعمتوں سے نوازنے اور رزق تقسیم کرنے والا ہوتا ہے:

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ - (انبیاء - ۶۶)

(ابراہیم نے کہا ”پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوج رہے ہو

جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔“)

بت پرستی کی غلطی اور الوہیت کے ان کے عدم استحقاق کے احساس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر ایک مشکل پیدا کر دی، جو بڑھتی ہی چلی گئی، اور ان کی فکر پر چھا گئی، وہ یہ کہ اس کائنات کا پروردگار کون ہے؟

اس مشکل کے احساس نے ان کے اندر ایک طاقتور محرک کو پیدا کر دیا جو کائنات کے خالق و مالک کی معرفت تک رسائی کے لیے غور و فکر پر انہیں آمادہ کرنے لگا، اس محرک کے ظہور میں اللہ کی ہدایت و توفیق کے علاوہ ان کی فطرت سلیم، پاکیزہ روح اور پختہ عقل نے بھی مدد کی۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام معلومات و تفصیلات جمع کرنے کے مرحلہ میں آئے اور زمین و آسمان کے مختلف کائناتی مظاہر پر انہوں نے غور کرنا شروع کیا، شاید کہ ان کے ذریعہ اللہ کی معرفت تک رسائی حاصل ہو، چنانچہ ستارے، چاند، سورج اور آسمان و زمین کے دوسرے کائناتی مظاہر پر انہوں نے غور کیا، درج ذیل قرآنی آیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے:

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
لِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ - (انعام - ۷۴)

(ابراہیم کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے

تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو

(جائے۔)

مختلف کائناتی مظاہر سے متعلق معلومات کے جمع اور غور و فکر کے مرحلہ کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند مفروضات قائم کئے، جب رات چھا گئی اور تاریک آسمان پر جگمگاتا ہوا ستارہ نظر آیا تو انہوں نے پہلا مفروضہ قائم کیا، جس کا حاصل یہ تھا کہ جگمگاتا ستارا ہی اللہ ہے، لیکن جب ستارہ زوال کا شکار ہو گیا اور ڈوب کر دوبارہ نہیں نکلا تو انہوں نے اس مفروضہ کو ناقابل سمجھ کر رد کر دیا، کیونکہ اللہ تو وہی ہو سکتا ہے جو برقرار رہنے والا ہو، تغیر پذیر نہ ہو، ہمیشہ موجود ہو، زوال پذیر نہ ہو۔ جب رات کی سیاہی میں روشن چاند پر نظر پڑی تو ایک دوسرا مفروضہ قائم کرتے ہوئے چاند کو اللہ سمجھا، پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو اس مفروضہ کو بھی رد کر دیا کہ صفات الوہیت کے قابل وہ نہیں ہے، جب سورج کو دیکھا کہ اس نے پوری دنیا کو اپنی روشنی اور حرارت سے بھر دیا ہے، اور دیگر سیاروں سے اس کا حجم بھی بڑا ہے تو ایک اور مفروضہ قائم کیا، اور کہا سورج ہی خدا ہے، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو الوہیت کی عدم قابلیت کی وجہ سے اس مفروضہ کو بھی رد کر دیا۔ ان تمام مفروضات کو ناقابل سمجھتے ہوئے رد کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آخر میں ایک مفروضہ قائم کیا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمام ستاروں، آسمانوں، زمین اور تمام مخلوقات کو پیدا کیا، فرمایا:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ - (انعام-۸۰)

(میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اسی ہستی کی طرف کر لیا جس نے

زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں

سے نہیں ہوں۔)

بلاشبہ انہوں نے اس آخری مفروضہ پر بھی کافی غور و فکر کیا ہو گا اور کائناتی مظاہر سے متعلق بہت ساری دیگر تفصیلات پر بھی غور کیا ہو گا لیکن یہ مفروضہ کہیں بھی ٹکراتا ہوا نظر نہیں آیا بلکہ انہوں نے دیکھا کہ اللہ کی انوکھی و عجیب و غریب مخلوقات اور کائنات کا محکم نظام ایک طاقتور، حکمت و قدرت والے خدا کے وجود کی دلیل ہیں، جس نے اس کائنات اور باریک و محکم نظام کی پابند تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ معرفت الہی تک

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسائی کے قصہ کو بتانے والی ان آیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ مشکلات کے حل میں غور و فکر کے مراحل کی کیسی واضح و دقیق تصویر کشی قرآن نے کی ہے۔

غور و فکر کی غلطیاں

غور و فکر میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں، بسا اوقات غور و فکر کی راہ میں کچھ رکاوٹیں حاصل ہو جاتی ہیں، جو عمل تفکیر کو اس کی صحیح ڈگر سے پھیر دیتی ہیں، اور حقیقت تک رسائی میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، جب تفکیر کی متعدد رکاوٹیں انسان میں جمع ہو جاتی ہیں تو فکر کے اندر جمود پیدا ہو جاتا ہے، اور جدید افکار و آراء قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، جب انسان اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو زندگی میں تفکیر اپنی عظیم قیمت کھو بیٹھتی ہے، پھر حق و باطل اور خیر و شر کے درمیان تمیز، حقائق کی دریافت، علوم کے حصول اور ترقی و کمال کے مدارج تک رسائی کے اپنے طبعی عمل کو وہ چھوڑ دیتی ہے، تفکیر کی قوت معطل ہونے کے بعد انسان اپنی جانوروں سے ممتاز کرنے والی امتیازی صفت کھو بیٹھتا ہے، بلکہ مانند حیوان یا اس سے بھی گمراہ تر ہو جاتا ہے:

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا

كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا۔ (فرقان-۴۴)

(کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو

جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔)

فکری جمود کی اس حالت کو قرآن نے ”دلوں پر مہر“ یا ”ٹھپہ“ لگا دینے یا ”غلاف“

میں یا ”قفل“ کے اندر بند کر دینے سے تعبیر کیا ہے:

أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَ سَمِعِهِمْ وَ

أَبْصَارِهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔ (نحل-۱۰۸)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دی

ہے۔ یہ غفلت میں ڈوب چکے ہیں۔)

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَ عَلَى سَمْعِهِمْ وَ عَلَى

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (بقرہ-۷)

(اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔)

كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ-

(روم-۵۹)

(اس طرح ٹھپہ لگا دیتا ہے اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو بے علم

ہیں۔)

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ، تِلْكَ الْقُرَى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ-

(اعراف-۱۰۰، ۱۰۱)

(اور کیا ان لوگوں کو جو سابق اہل زمین کے وارث ہوتے ہیں، اس امر واقعی نے کچھ سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے قصوروں پر انہیں پکڑ سکتے ہیں (مگر وہ سبق آموز حقائق سے تغافل برتتے ہیں) اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے، یہ قومیں جن کے قصے ہم تمہیں سنا رہے ہیں (تمہارے سامنے مثال میں موجود ہیں) ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، مگر جس چیز کو وہ ایک دفعہ جھٹلا چکے تھے پھر اسے وہ ماننے والے نہ تھے۔ دیکھو اس طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔)

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ دِينِ إِسْرَائِيلَ (۲۶)

(اور ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں

سمجھتے۔)

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِيْ أذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّا عَامِلُونَ-

(حم السجدة-۵)

(کہتے ہیں ”جس چیز کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں“ ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں“ اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک حجاب حائل ہو گیا ہے“ تو اپنا کام کر“ ہم اپنا کام کئے جائیں گے۔)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ
 آكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا كَلِمًا آيَةً لَا يُؤْمِنُوا
 بِهَا۔ (انعام: ۲۵)

(ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمہاری بات سنتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس کو کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے (کہ سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہیں سنتے) وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں اس پر ایمان لا کر نہیں دیں گے۔)

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔
 (محمد- ۲۴)

(کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا“ یا دلوں پر ان کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔)

قرآن کریم ان اہم عوامل کا تذکرہ کرتا ہے جو فکری جمود و تعطل پیدا کرتے ہیں، حقیقت تک رسائی میں رکاوٹ بنتے ہیں اور صحیح فیصلہ کی قوت ختم کر دیتے ہیں، ان عوامل میں قدیم افکار پر اصرار، معلومات کی عدم فراہمی اور جذباتی و انفعالی جانب داری ہیں۔

الف۔ قدیم افکار پر اصرار

پرانے خیالات اور رائج عرف و رواج پر اصرار فکری جمود پیدا کرنے اور جدید افکار قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بننے والا اہم ترین سبب ہے، انسان عام طور پر ان چیزوں پر اصرار کا رجحان رکھتا ہے جو اس کے نزدیک مانوس رہی ہوں، اور قبل سے ان کی عادت و رواج رہا ہو، قدیم افکار و عادات سے دست کشی کے لیے جدوجہد، ارادہ اور عزم

کی ضرورت پیش آتی ہے، اس طرح حق و باطل کے درمیان تمیز کی صلاحیت پیدا کرنے والی غیر جانب دارانہ اور تجزیاتی غور و فکر کی قدرت کی ضرورت ہوتی ہے، یہ چیز بیشتر لوگوں کے لیے آسان نہیں ہوتی ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ تاریخ کے تمام ادوار میں بیشتر لوگ اپنے آباء و اجداد کے عقائد اور عبادات پر مصر رہتے ہیں۔ انبیاء کے ذریعہ آنے والے عقیدہ توحید پر قدیم افکار و رواج اور عادات سے پوری طرح آزاد ہو کر غور کرنے کی قدرت ان کے اندر نہیں ہوتی۔ آباء و اجداد کی تقلید اور ان کے افکار، عادات اور رواج پر اصرار بیشتر لوگوں کے اندر فکری جمود پیدا کرنے کا اہم سبب ہوتا ہے، ان سے دست کش ہو کر نئے دین توحید کو قبول کرنا آسان نہیں ہوتا ہے:

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَلْفِتَنَّا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائِنَا۔

(یونس - ۷۸)

(انہوں نے جواب میں کہا ”کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔“)

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَائِنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهُتَدُونَ وَكَذَلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ۔ (زخرف - ۲۲، ۲۳)

(نہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، اسی طرح تم سے پہلے ہم نے جس بستی میں بھی کوئی نذیر بھیجا، اس کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَالْيَاسِرِ الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائِنَا أُولَٰئِكَ كَانُوا مِنْهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔ (مائدہ - ۱۰۳)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس قانون کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ پیغمبر کی طرف تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے

لیے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا یہ باپ دادا ہی کی تقلید کئے چلے جائیں گے خواہ وہ کچھ نہ جانتے ہوں اور صحیح راستہ کی انہیں خبر ہی نہ ہو۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا
الْفِينَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْلَوْ كَانُوا كَانُوا آبَائِهِمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا
يَهْتَدُونَ۔ (بقرہ-۱۷۰)

(ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کئے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اچھا اگر ان کے باپ دادا نے اپنی عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انہی کی پیروی کئے چلے جائیں گے۔)

قَالُوا أَجِئْنَا لِنُعْبَدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ
أَبَاؤُنَا۔ (اعراف-۷۰)

(انہوں نے جواب دیا ”کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟“)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ
يُرِيدُ أَنْ يَمُدَّ كُمُ عَمَّا كَانُوا يَعْبُدُ آبَاؤَكُمْ۔ (سبأ-۲۳)

(ان لوگوں کو جب ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ”یہ شخص تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ان معبودوں سے برگشتہ کر دے جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔“)

چونکہ فکری جمود انسان کے لیے سب سے زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے، کیونکہ وہ انسان کو اس امتیازی وصف سے محروم کر دیتا ہے جو اسے جانور سے ممتاز بناتا ہے، جس کے بعد انسان جانور کی سطح پر بلکہ جانور سے بھی پست سطح پر اتر آتا ہے، اس لیے قرآن نے افکار کو معطل کرنے والی قیود سے آزادی پر بڑا زور دیا ہے۔ قرآن کریم نے ان مشرکین پر سخت تنقید کی ہے جو اپنے آباء و اجداد کے عقائد و افکار کی تقلید پر مصر رہتے

ہیں، اپنی عقل و فکر کو معطل کر دیتے ہیں، اور ہر نئی فکر کو کسی آزادانہ غور و فکر سے پہلے ہی ٹھکرا دیتے ہیں، پیچھے گزر چکا ہے کہ زمین میں سیر و تفریح اور کائنات پر غور و فکر کرنے کی دعوت قرآن نے انسانوں کو دی ہے۔ یہ دعوت دراصل عقل و فکر کی آزادی کی دعوت اور معرفت و علمی تحقیق کی وسعتوں میں پرواز کرنے کی ترغیب ہے۔

قرآن نے لوگوں کو ان ادہام و خرافات سے بھی آزادی کی دعوت دی ہے، جو فکر کو معطل اور حقیقت تک رسائی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ دور جاہلیت میں اہل عرب میں بھی اونٹ و بکریوں سے متعلق کچھ توہمات رائج تھے۔ جب مقررہ تعداد میں بچے ہو جاتے یا صرف مادہ بچے ہوتے یا نر و مادہ بچے ایک ساتھ ہوتے تو اپنے توہمات کے مطابق انہیں آزاد چھوڑ دیتے تھے، یا ان کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ ان خرافات سے قرآن نے روکا ہے:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَهْلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَا لِيِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَآكَرَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ - (مائدة - ۱۰۳)

(اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے، نہ سائبہ اور نہ وہیلہ اور نہ حام، مگر یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں) کہ ایسے توہمات کو مان رہے ہیں۔

ب۔ معلومات کی عدم فراہمی

کسی موضوع پر درست غور و فکر انسان کے لیے کوئی آسان کام نہیں ہے، جب تک کہ موضوع سے متعلق ضروری معلومات اور کافی تفصیلات فراہم نہ ہوں، کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا بھی ان دلائل کے بغیر نہیں ہو سکتا جن سے اس نتیجہ کی صحت معلوم کی جا سکے، غور و فکر، تجزیہ اور نتائج و فیصلوں میں صحیح منطقی اصول و قواعد کی پابندی میں باہم لوگوں میں فرق ہوتا ہے۔ علماء حکماء اور اصحاب دانش کسی رائے یا فیصلہ کے اظہار میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ جب تک ان کے پاس واضح اور ٹھوس دلائل موجود نہ ہوں وہ فیصلہ صادر نہیں کرتے، لیکن دوسرے بے شمار لوگ معلومات کی مکمل فراہمی کے

بغیر ہی اظہار رائے میں عجلت برتتے ہیں اور فیصلہ کی تائید میں واضح دلائل سے واقفیت کے بغیر ہی فیصلہ دیتے ہیں۔ یہ معلومات کی عدم فراہمی اور واضح و ٹھوس دلائل کی غیر موجودگی ہی لوگوں کے درمیان پھیلی پیشتر فکری غلطیوں کا اہم سبب ہوتی ہے، قرآن نے بتایا ہے کہ کسی موضوع پر حقیقت تک رسائی کے لیے اس موضوع کی معرفت بہت اہمیت رکھتی ہے، جس چیز کا علم نہ ہو اس پر اظہار رائے سے قرآن نے منع کیا ہے۔ اسی طرح سنی سنائی باتوں اور آراء کا جب تک خود علم نہ ہو جائے اور ان کی صحت کے واضح دلائل نہ فراہم ہو جائیں، ان کی اتباع سے منع کیا گیا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (سورۃ اسرا، ۳۶)

(کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوتی ہے۔)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ۔ (حج-۸)

۱۱، (اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کسی علم اور ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے بغیر خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كَلِمَةَ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ۔ (حج-۳)

۱۲، (بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔)

۱۳، الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبْرًا مَّقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكِ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ (المومن-۳۵)

(اور اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے

پاس کوئی سند یا دلیل آئی ہو، یہ رویہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک سخت مبغوض ہے۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر و جبار کے دل پر ٹھپ

لگا دیتا ہے۔)

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ
 آتَاهُمْ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ
 بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ - (المومن - ۵۶)

(حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ کسی سند و حجت کے بغیر، جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ کی آیات میں جھگڑ رہے ہیں ان کے دلوں میں کبر بھرا ہوا ہے، مگر وہ اس بڑائی کو پہنچنے والے نہیں ہیں جس کا وہ گھمنڈ رکھتے ہیں، بس اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔)

متعلقہ موضوع پر جب تمام اہم معلومات فراہم نہیں ہوتی ہیں، تو انسان گمان کا سہارا لیتا ہے اور ایسے حل فرض کر لیتا ہے جن میں صحت اور غلطی دونوں کا احتمال ہوتا ہے، بیشتر اوقات انسان محض گمان کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کر دیتا ہے، اور اس گمان کی صحت پر دلیل موجود نہیں ہوتی ہے، آگے چل کر اپنے گمان کی غلطی واضح ہوتی ہے۔ اس لیے گمان حقیقت تک رسائی کا درست طریقہ نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ نئی معلومات اور تفصیلات کی روشنی میں گمان کی صحت و عدم صحت کا تیقن کر لیا جائے، گمان اس مفروضہ کا نام ہے جس کے درست و نادرست دونوں ہونے کا امکان رہتا ہے:

وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ
 شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ - (يونس - ۳۶)

(حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض قیاس و گمان کے پیچھے چلے جا رہے ہیں حالانکہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا، جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔)

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَبَّ فِيهَا قُلْتُمْ
 مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِنْ نَظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ
 بِمُتَّبِعِينَ - (جاثیہ - ۳۲)

(اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت کے آنے

میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہوتی ہے، ہم تو بس ایک گمان سار کھتے ہیں یقین ہم کو نہیں ہے۔ لہ

لہ ظن کا لفظ قرآن کریم میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے: پہلا معنی غیر یقینی علم کا ہے جس کی صداقت راجح نہ ہو اس کی مثال درج ذیل قرآنی آیات ہیں:

وَإِنْ تَطَّعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (انعام ۱۱۲)

(اور اے نبی! اگر تم لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکادیں گے وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

إِلَّا إِنْ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (یونس 66)

”آگاہ رہو! آسمانوں کے بننے والے ہوں یا زمین کے سب کے سب اللہ کے مملوک ہیں اور جو لوگ اللہ کے سوا کچھ اپنے (خود ساختہ) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ نرے وہم و گمان کے پیرو ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (نساء: ۱۵۷)

(اور خود کھا کہ ہم نے مسیح بن مریم، رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا، اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان ہی کی پیروی ہے، انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُمُوسَىٰ مَسْحُورًا (اسراء: 101)

(جب موسیٰ ان کے یہاں آئے) تو فرعون نے یہی کہا تھا نا ”کہ اے موسیٰ! میں سمجھتا ہوں کہ تو ضرور ایک سحرزدہ آدمی ہے۔“

لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ آلِ مُوسَىٰ بِآيَاتِي لَا ظَنَّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ (قصص: 38)

(شاید کہ اس پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔)

دوسرے معنی وہ غیر یقینی علم ہے جس میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہو، یہ مفروضہ ہوتا ہے جس کی تائید یا تردید کے لئے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے، اس معنی میں ”ظن“ اس علمی

اس لیے اپنی فکر میں گمانوں کے سہارے چلنا غلط ہے، گمان اکثر غلط ہوتا ہے اور حقیقت تک رسائی کا صحیح طریقہ نہیں ہوتا ہے۔ پچھلی آیت میں ارشاد خداوندی:

بقیہ حاشیہ:

مفروضہ کے مثل ہے جس پر عمل تفکیک کے مراحل پر گفتگو کے ضمن میں ہم بات کر چکے ہیں، اس مفہوم میں ظن کی مثال وہ دو آیتیں ہیں جو اوپر متن میں مذکور ہوئیں۔

تیسرے معنی وہ علم ہے جس کی صحت راجح ہو یا صحت کا یقین ہو، اس کی مثالیں درج ذیل آیات ہیں:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (بقرہ 45-46)

(صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے، مگر ان فرمانبرداروں کے لئے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔)

قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهِ كَمْ مِّنْ فِتْنَةٍ قَبْلَهُ غَلِبَتْ عَلَيْهَا فِتْنَةُ كِبِيرَةٍ كِبَارٍ
اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (بقرہ 249)

لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں اللہ سے ملنا ہے انہوں نے کہا: ”بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔“

وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَكُم يَجِدُوهَا عَنْهَا مَصْرِفًا
(کہف: 53)

سارے گنہگار اس دن آگ دیکھیں گے اور سمجھ لیں گے کہ اب انہیں اس میں گرنا ہے اور وہ اس سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہ پائیں گے۔

وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّجِيصٍ اِحْم
(السجدة 28)

اس وقت وہ سب معبودان سے گم ہو جائیں گے جنہیں یہ اس سے پہلے پکارتے تھے اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے اب کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

(1) عقلی تجزیہ، غور و فکر، مشاہدہ اور علمی تحقیق کی قرآنی ترغیب ان اہم عوامل میں شامل ہے جن سے مسلم عالم اور دانشوران نے اثر لیا اور علمی تحقیقات میں کارہائے نمایاں انجام دئے

وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ
شَيْئًا۔

(وہ تو محض گمان پر چلتے ہیں، حالانکہ گمان حق کی ضرورت کو بالکل
پورا نہیں کرتا۔)
کابھی مفہوم ہے۔

کسی موضوع پر درست غور و فکر کے ذریعہ حقیقت تک رسائی کے لیے ضروری
ہے کہ دقیق تجزیہ اور منظم علمی تحقیق (۱) کے ذریعہ موضوع پر وافر معلومات فراہم کر لی
جائیں، ہم بتا چکے ہیں کہ غور و تحقیق پر قرآن نے نے کس قدر زور دیا ہے۔

ج۔ جذباتی و انفعالی جانب داری

انسان اپنے رجحانات، انفعالات اور جذبات کی وجہ سے جانب دارانہ غلطی کا شکار
ہوتا ہے، علم النفس کی جدید تجرباتی تحقیقات نے بھی جذباتیت و انفعالییت سے پیدا ہونے
والی فکری غلطی کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح ایک تجربہ میں کچھ طلبہ کے سامنے چند قیاسی
دلائل پیش کئے گئے اور ان سے پوچھا گیا کہ قیاس کی بنیاد پر اختیار کئے گئے دونوں
عنوانات سے نکلنے والا نتیجہ کیا منطقی ہے؟ ان میں سے نصف دلائل زندگی کے عمومی امور
سے متعلق تھے، اور بقیہ نصف دلائل جذباتی مسائل سے تعلق رکھتے تھے، اس تجربہ سے
یہ اخذ کیا گیا ہے کہ جو دلائل زندگی کے عمومی امور سے تعلق رکھتے تھے اور انفعالی عنصر
پیدا کرنے والے نہیں تھے۔ ان میں غلطیوں کا تناسب کم تھا، لیکن انفعالی امور سے متعلق

بقیہ حاشیہ ۱۶۵/۱۶۶

اور جس نے مسلم مفکرین کو پوری کوشش و کاوش اور کھلی ہوئی آزادانہ عقل کے ساتھ
حصول علم پر اس وقت آمادہ کیا جب اہل یورپ جمالت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے تھے اسی
اساس میں مسلمانوں کو علمی عروج حاصل ہوا۔ یورپ کی علمی بیداری کے ابتدائی دور میں
یورپی فکر کو صحیح راہ پر لگانے میں مسلمانوں کی علمی ترقی کا بڑا اثر تھا، مختلف علوم کے میدانوں
میں مسلم مفکرین کی تحقیقات و تالیفات سے اہل یورپ نے استفادہ کیا، مسلمانوں کے منہج
تحقیق کو انہوں نے اپنایا، جدید یورپی بیداری سے پہلے عہد و سطر میں یورپ کی یونیورسٹیوں
میں مسلم علماء کی کتابیں پڑھائیں جاتی تھیں۔

دلائل میں غلطیاں زیادہ تھیں، اس تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ انفعالی اور جذباتی عنصر فکر پر اثر انداز ہوتے ہیں اور جانب دارانہ رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ لہ

قرآن کریم سے واضح ہے کہ خواہشات انسان پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اس کی فکر کو صحیح راہ سے ہٹا دیتی ہیں، اس کے بعد خیر و شر، حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ
وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ
(قصص - ۵۰)

(اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بجائے بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔)

يَا دَاوُدَ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ
النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
(ص - ۲۶)

(اے داؤد، ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔)

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا - (نساء - ۱۳۵)

(لہذا اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں عدل سے ہٹ نہ جاؤ۔)

أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمِهِ وَ
خَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصِيرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ
يَهْدِيهِ مِنَ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ - (جاثیہ - ۲۳)

(پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں

پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اللہ کے مقابلہ میں اب اور کون ہے جو اسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے۔)

إِنَّ هِيَ الْأَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَ لَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى - (نجم - ۲۳)

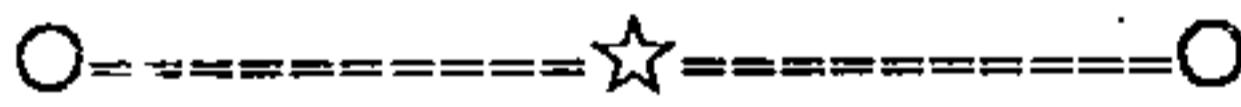
(در اصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی، حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشات نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔)

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ - (روم - ۲۹)

(مگر یہ ظالم بے سمجھے بوجھے اپنے تخیلات کے پیچھے پڑے ہوئے

ہیں۔)

خواہش کی پیروی، نفسیاتی رجحانات کا اثر اور انفعالیات فیصلہ و رائے میں انسان کو جانب دار بنا دیتی ہے، اس کے نتیجہ میں عموماً فکری غلطی ہو جاتی ہے، اس لیے حقیقت کی یافت کے لیے ضروری ہے کہ سوچنے والا اپنے رجحانات، انفعالیات اور تعصب سے آزاد ہو، کیونکہ یہ عناصر سوچنے کے سانچوں کو حقیقت سے دور کر دیتے ہیں۔



قرآن اور تعلّم

اللہ کی حکمت و عنایت نے ادراک حسی اور فکر کی نعمت کے علاوہ تعلّم اور معرفت علوم اور ہنر و صفت سیکھنے کی فطری استعداد سے بھی انسان کو نوازا ہے، جس کی وجہ سے زمین پر زندگی اور تعمیر ارضی کی ذمہ داری اٹھانے اور اپنی صلاحیت و استعداد کو فروغ دے کر کمال انسانی کے مقام پر فائز ہونے کے قدرت بھی اس کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔

علم کے ذرائع

انسان علم اور معرفت کا حصول دو بنیادی سرچشموں سے کرتا ہے، ایک الہی سرچشمہ اور دوسرا انسانی سرچشمہ، علم کی یہ دونوں قسمیں مکمل ہیں اور دونوں بنیادی طور پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے وابستہ ہیں۔ جس نے انسان کی تخلیق کی اور اسے اکتساب علم و ادراک کے وسائل و آلات سے آراستہ کیا لہ سرچشمہ الوہی سے حاصل ہونے والے علم سے ہماری مراد علم کی وہ قسم ہے جو وحی، الہام یا رویائے صادقہ کے ذریعہ براہ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ہمارے پاس آتی ہے، اور انسانی سرچشمہ سے حاصل ہونے والے علم سے مراد وہ علم ہے جو زندگی میں ذاتی تجربات، تلاش و تحقیق کی ذاتی محنت، درپیش مشکلات کے حل کے لیے کاوش و غلطی سے، یا والدین اور تعلیمی اداروں کی تعلیم و تربیت سے یا علمی تحقیق کے لیے کی جانے والی کوشش سے انسان کو حاصل ہوتا ہے۔

اس فصل میں ہم انسانی سرچشمہ سے حاصل ہونے والے علم پر گفتگو کریں گے، الوہی سرچشمہ سے حاصل ہونے والے علم پر گفتگو آئندہ فصل میں کی جائے گی۔

زبان کی تعلیم

سب سے عظیم نعمت جس سے اللہ نے انسان کو نوازا اور جس کے ذریعہ اسے حیوان سے ممتاز بنایا ہے، وہ زبان سیکھنے کی صلاحیت ہے۔ زبان، تفکر، اکتساب معرفت اور تحصیل علم میں انسان کا بنیادی آلہ ہے، مفاہیم کے رموز ہونے کی حیثیت سے زبان نے انسان کو اس لائق بنایا ہے کہ رمزی طریقہ سے اپنی فکر کے اندر تمام مفاہیم کو وہ اخذ کر سکے، اس وجہ سے علم و فن اور صنعت کے میدانوں میں موجودہ حیرت انگیز کارہائے نمایاں انجام دیئے جاسکے ہیں۔

پستانی جانور بھی مفاہیم اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جدید ماہرین نفسیات کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ مختلف شکلوں کے ہندسوں میں سے مثلث شکل والے ہندسہ کا معینہ جواب پستانی جانور دے سکتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حیوان مثلث کا مفہوم بتا سکتے ہیں۔ البتہ مثلث کے مفہوم کی طرف اشارہ کرنے والے کسی ”لفظ“ کو وہ نہیں سیکھ سکتے، چھوٹے بچے بھی زبان سیکھنے سے پہلے جانور کی طرح مفاہیم کو بتا سکتے ہیں، قبل اس کے ان مفاہیم کو بتانے والے الفاظ وہ سیکھیں لہٰذا لیکن جب بچہ زبان سیکھنا شروع کرتا ہے تو جلد ہی کچھ الفاظ وہ یاد کر لیتا ہے جن کے ذریعہ اپنی فکر کے اندر مختلف مفاہیم کو بہ آسانی اخذ کر لیتا ہے، اس طرح ماضی و مستقبل کے متعلق سوچنے، نئی چیزوں کو سیکھنے، اشیاء کے درمیان تعلقات پہچاننے، اصول و قوانین کے استنباط اور نئی تحقیق و تلاش کی صلاحیت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو زبان کی تعلیم

انسانی زندگی میں زبان کی عظیم اہمیت اور سیکھنے اور سمجھنے میں انسان کی دائمی ترقی میں اس کے کردار کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے تمام اشیاء کے ناموں کی تعلیم دی گئی:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ
فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ قَالُوا

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ
الْحَكِيمُ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا
أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنَّي أَعْلَمُ غَيْبَ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ-

(بقرہ-۳۱، ۳۲)

(اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ" انہوں نے عرض کیا "نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے" حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں" پھر اللہ نے آدم سے کہا "تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ" جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا "میں نے تم سے کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہیں اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں۔)

اشیاء کے نام انہوں نے سیکھے، یعنی وہ "کلمات" سیکھے جو اپنے مفہیم اور کلی معانی کی جانب اشارہ کرتے ہیں، ہم جب حیوانات کے ایک مخصوص مجموعہ کے لئے "گھوڑا" کا لفظ بولتے ہیں تو ایسا لغوی اشارہ ہم استعمال کرتے ہیں جو ایک خاص مفہوم یا کلی معنی پر دلالت کرتا ہے، جس کا انطباق تمام گھوڑوں پر ہوتا ہے، اس طرح ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کا قول "اللہ نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے" کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو زبان سکھائی جس سے وہ تمام اشیاء کے نام لیتے تھے۔ یعنی انہیں وہ نام بتائے جو مفہیم کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

سیکھنا "نام" ہے جو ایک مخصوص مفہوم یعنی ان تمام صفات اور خصائص کی معرفت کو بتاتا ہے جن میں اس مفہوم کے تحت آنے والی نوع کے تمام افراد شامل ہوتے ہیں، جب ہم لفظ "گھوڑا" بولنا سیکھتے ہیں تاکہ اس لفظ سے تمام گھوڑوں کی جانب اشارہ

کریں تو اس میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ ہم یہ سیکھ چکے ہیں کہ وہ تمام گھوڑے جنہیں ہم نے دیکھا ہے، مخصوص صفات کے اندر مشترک ہیں، اس لیے قول الہی ”اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے“ سے ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان اشیاء کی صفات، خواص اور افعال بھی سکھائے۔

تعلیم کے جس عمل سے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام گزرے، آپ کے بعد آپ کی ذریت کے سارے افراد اس سے گزرتے ہیں، انسان اپنے بچپن سے مشاہدہ کرتا ہے کہ کچھ چیزیں بعض خصوصیات میں باہم مشابہ ہوتی ہیں، اور دوسری خصوصیات میں باہم مختلف۔ انسان اپنے گرد و پیش کی تمام اشیاء کا ادراک اس طور پر نہیں کر سکتا کہ ہر شے اپنی جگہ مستقل و علاحدہ ہو، بلکہ ان بہت ساری اشیاء کے ادراک کو بسیط بنا کر بعض خصوصیات میں مشترک اشیاء کو ایک مخصوص نوع یا مجموعہ قرار دے کر ان کا ایک مقررہ مفہوم بنا لیتا ہے، اور ان کے لیے ایک مخصوص نام طے کر لیتا ہے، اس نام سے اس نوع کے تمام افراد کو مخاطب کرتا ہے، اس طرح انسان اشیاء کی پیچیدگی اور کثرت کو قلیل بنانے کے لیے اشیاء کی تقسیم بندی کرتا جاتا ہے، اور چند اشیاء کے لیے ایک مفہوم طے کر کے اس مفہوم کو بتانے والا ایک ”نام“ مقرر کر لیتا ہے، زبان سیکھنے کی قدرت نے مفہیم کی تشکیل، فکری عمل میں ان کے استعمال اور نئی معلومات کی تعلیم میں انسان کی مدد کی۔ ۱۔ تفکیک میں مفہیم کے استعمال اور ان مفہیم کی جانب اشارہ کرنے کے لیے رموز کے بطور الفاظ کے استعمال کے ذریعہ رمزی طریقہ پر تمام اشیاء کا ادراک انسان کے لیے ممکن ہو سکا۔ اسی طرح تحلیل و ترکیب، موازنہ و تمیز، تعلقات کی دریافت اور اصول و قوانین کے استخراج کے عمل کی صلاحیت نے تیز رفتار پر علمی تحقیق و ترقی میں انسان کی مدد کی۔

انسان کی زندگی میں سیکھنے کی اہمیت کے اظہار کے لیے قرآن کریم کی نازل ہونے

۱۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: اللہ نے انہیں تمام اشیاء ان کی ذات، صفات اور افعال

سکھائے، تفسیر ابن کثیر 75-76

۲۔ محمد عثمان نجاتی، حوالہ سابق صفحہ 253

والی سب سے پہلی سورت میں پڑھنے کی ترتیب دی گئی ہے، انسان پر اللہ کے فضل کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کو زبان کے سیکھنے، پڑھنے، لکھنے، تحصیلِ علم اور صنعت سازی کی صلاحیت، ہدایت اور ایمان اور بہت ساری ان چیزوں سے آراستہ کیا جن سے پہلے وہ نا آشنا تھا، ارشاد ہے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ
اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمُ - (علق - ۵۱)

(پڑھو اے نبی، اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جسے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔)

زبان کے تعلم اور مافی الضمیر کے اظہار میں اس کے استعمال کی قدرت کے ذریعہ جانوروں سے انسان کے امتیاز کو سراہتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ - (رحمن - ۴)
(اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔)

فیصلہ اور اختیار کی صلاحیت

اللہ تعالیٰ نے ابا آدم اور اماں حوا علیہما السلام کو زندگی کے بعض مفید عمل کی بھی تعلیم دی، جو مادہ اور روح سے تشکیل کردہ ان کی طبعی ساخت اور روح و جسم کے مطالب کے درمیان پیدا ہونے والی کشمکش سے ہم آہنگ ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فیصلہ اور اختیار و انتخاب کی صلاحیت دی، اور اپنے انتخاب و فیصلہ کی ذمہ داری ان کے دوش پر ڈالی، وہ اس طرح کہ انہیں درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا:

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ
الظَّالِمِينَ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا
كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي

الْأَرْضِ مُسْتَقَرًّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ
كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔
(بقرہ-۲۵، ۲۷)

(پھر ہم نے آدم سے کہا کہ ”تم اور تمہاری بیوی‘ دونوں جنت میں
رہو اور یہاں بہ فراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ
ظالموں میں شمار ہو گے‘ آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی
ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت
سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے‘ ہم نے حکم دیا کہ ”اب تم سب
یہیں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص
وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے‘ اس وقت آدم نے
اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی‘ جس کو اس کے رب نے قبول
کر لیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔)

واضح بات ہے کہ حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام کی تربیت اور آئندہ زمین
پر زندگی گزارنے کی تیاری کے لیے یہ تعلیم ضروری تھی‘ اللہ کے علم میں پہلے سے وہ طے
شدہ تھا‘ زمین کی زندگی میں انہیں بہت سارے ایسے مواقع کا سامنا کرنا تھا جن میں ایک
موقف اپنانے‘ کوئی فیصلہ کرنے اور متعدد متبادل میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرنے
کی ضرورت تھی۔ اور اپنے اختیار و فیصلہ کی ذمہ داری بھی ان ہی کے سر آتی تھی۔
قرآن میں تعلیم کے طریقے

انسان مختلف طریقوں سے سیکھتا ہے‘ کبھی نقل و تقلید سے سیکھتا ہے‘ بچے عام طور
پر اپنے والدین کی نقل کرتے ہیں‘ اور بہت ساری عادات و طرز عمل ان سے ہی سیکھتے
ہیں‘ عملی تجربہ‘ کوشش اور غلطی کے ذریعہ بھی انسان مشکلات زندگی کے مفید اور امور
معاش میں نفع بخش حل سیکھتا ہے اور تفکیرو عبقلی استدلال کی راہ سے بھی وہ سیکھتا ہے۔
نقل و تقلید

زندگی کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں انسان بہت ساری عادات اور طرز عمل اپنے
والدین اور بھائیوں کی تقلید و نقل کر کے سیکھتا ہے‘ مثلاً زبان سیکھنے کے عمل میں والدین

اور بھائی وغیرہ جو آواز اور صوتی نکلے بار بار بچہ کے سامنے دہراتے ہیں۔ ان کی نقل کر کے بچہ زبان سیکھتا ہے، اسی طرح ماں باپ اور بھائی بہن بچوں کو کھڑا کرتے اور پاؤں و پنڈلی کو حرکت دینا اور چلانا سکھاتے ہیں جن سے بچہ چلنا سیکھتا ہے، اسی طرح اپنے افراد خاندان کی تقلید و نقل کر کے بہت ساری عادات اور افعال انسان سیکھتا ہے۔

قرآن ایک مثال سے واضح کرتا ہے کہ تقلید کے ذریعہ کس طرح انسان سیکھتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا اور سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنے بھائی کی لاش کے ساتھ کیا معاملہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جس نے زمین کھود کر دوسرے مردہ کوے کو اس میں دفن کر دیا، یہ دیکھ کر قابیل نے اپنے بھائی کی لاش چھپانے کا طریقہ سیکھا:

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُورِثُ سَوْعَةً أَخِيهِ قَالَ يُورِثُنِي أَخْبَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا
الْغُرَابِ فَأُورِثِي سَوْعَةً أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ۔
(مائدہ-۳۱)

(پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے بتائے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے یہ دیکھ کر وہ بولا ”افسوس مجھ پر! میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپانے کی تدبیر نکال لیتا۔ اس کے بعد وہ اپنے کئے پر بہت پچھتایا۔)

چونکہ انسان تقلید کا رجحان رکھتا ہے اور تقلید کے ذریعہ بہت کچھ سیکھتا ہے اس لیے تعلیم و تربیت کے اندر اسوہ حسنہ اور عمدہ نمونہ کی بہت اہمیت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے اسوہ حسنہ اور بہترین آئیڈیل تھی۔ صحابہ آپ سے عبادات کے طریقے سیکھتے، وہ آپ کو وضو کرتے، نماز پڑھتے اور شعائر حج ادا کرتے دیکھتے پھر اس طرح خود بھی عمل کرتے۔ حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے منبر پر نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”لوگو! میں نے ایسا اس لیے کیا تاکہ تم میری اقتداء کرو

اور مجھ سے نماز سیکھو۔“ اہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ علیہ السلام کی ذات قدوسہ سے نہ صرف شعائر عبادات سیکھتے بلکہ حسن کردار، مکارم اخلاق اور عام انسانی معاملات کے آداب بھی سیکھتے۔ قرآن نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور ان سے سیکھنے کی ہدایت دی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ
يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ (احزاب-۲۱)
(در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ
ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور
کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔)

قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی
طرح مشرکین سے اپنی برات کا اظہار کریں اور ان کی ہی طرح اپنے مشرک رشتہ داروں
سے گہری دوستی نہ رکھیں:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ
إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرُؤُا وَآوَانِكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ
اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ
أَبَدًا حَتَّىٰ تُوْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ۔ (ممتحنہ-۴)

(تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا
نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا ”ہم تم سے اور
تمہارے معبودوں سے جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار
ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے
لیے عداوت ہو گئی اور بیرپڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔“)
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ
وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔
(ممتحنہ-۶)

(انہی لوگوں کے طرز عمل میں تمہارے لیے اور ہر اس شخص کے
لیے اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور روز آخر کا امیدوار ہو۔ اس سے کوئی

منحرف ہو تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔)
نبی کریم ﷺ سے کہا گیا کہ انبیاء سابقین کی اتباع کرتے ہوئے عقیدہ توحید اور فضائل کی راہ پر چلتے رہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ اَقْتَدُوْهُ۔
(انعام-۹۰)

(اے نبی! وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے، انہی کے راستے پر تم چلو۔)

اسوۂ حسنہ کی پیروی سے حسن سلوک اور مکارم اخلاق کی تعلیم حاصل ہوتی ہے، جس طرح غلط آئیڈیل سے غلط سلوک و برے اخلاق سیکھے جاتے ہیں، چوتھی فصل میں فکری جمود پر گفتگو کے ضمن میں ہم بتا چکے ہیں کہ باپ دادا کی اتباع اور ان کے رسوم و اطوار کی پابندی تمام ادوار میں انبیاء کی دعوت قبول کرنے میں رکاوٹ بنتی رہی ہے۔

علمی تجربہ، سعی و خطا

مشکلات زندگی کے مقابلہ اور نبرد آزمائی و دریافت حل میں علمی تجربہ سے بھی انسان سیکھتا ہے، زندگی میں ہمیشہ ہی انسان کو نئے نئے حالات کا سامنا رہتا ہے جن سے عہدہ برآ ہونے کے طریقے وہ سیکھتا رہتا ہے، ایسے نئے مواقع پر مختلف جوابی عمل اپنانے کی وہ کوشش کرتا ہے، کچھ میں اس سے غلطی ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ درست بھی ہوتا ہے۔ اس طرح انسان اس راہ سے جسے ماہرین نفسیات ”سعی و خطا“ کا نام دیتے ہیں۔ نئے حالات کے تین نئے موقف اور عملی زندگی میں پیش آمدہ مشکلات کے مقابلہ میں نئے حل سیکھتا رہتا ہے۔

قرآن کریم نے بیشتر آیات میں ”سیر فی الارض“ اور کائنات کی آیات خداوندی میں غور و فکر کی ترغیب دی ہے۔ پانچویں فصل میں ایسی متعدد آیات ہم پیش کر چکے ہیں، کائنات اور مخلوقات الہی پر غور و فکر کی قرآنی ترغیب اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ اشیاء پر غور، عملی زندگی میں ان کے تجربات، کائنات اور مخلوقات و واقعات کے ساتھ عملی تعلق کے ذریعہ سیکھنے کی دعوت کافی اہتمام کے ساتھ قرآن نے انسان کو دی ہے۔ خواہ یہ سیکھنا عملی تجربہ اور سعی و خطا کی راہ سے ہو یا غور و فکر کی راہ سے، جس پر آئندہ ہم گفتگو کریں

زندگی میں عملی تجربہ سے سیکھنے کی اہمیت کی جانب نبی کریم ﷺ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت طلحہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھجور کے باغ میں لوگوں کے پاس سے گزرا، آپ نے پوچھا، یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ بتایا گیا کہ بار آوری کر رہے ہیں، نر کو مادہ میں ڈال کر بار آور بنا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ اس سے کوئی فائدہ ہوگا، لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس عمل کو ترک کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: اگر اس کام سے انہیں فائدہ ہوتا ہو تو کریں، وہ میری ایک رائے تھی، اس پر عمل تمہارے لیے ضروری نہیں ہے، ہاں اگر اللہ کی طرف سے کچھ بتاؤں تو اس کو مضبوطی سے پکڑو میں اللہ پر ہرگز جھوٹ نہیں بولتا۔“ ۱۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا ”تم لوگ اپنے دنیاوی معاملات سے زیادہ واقف ہو۔“ ۲۔ اس جانب اشارہ ہے کہ عملی تجربہ کے ذریعہ نئے مواقع اور پیش آمدہ مسائل کے نئے حل کی تعلیم انسان کو حاصل ہوتی رہتی ہے، عملی تجربہ، کوشش اور غلطی کے ذریعہ سیکھنے کی اسی قسم کی جانب قرآن اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ

غَافِلُونَ۔ (روم۔ ۷)

(لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے

وہ خود ہی غافل ہیں۔)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ وہ اپنے معاش اور دنیا کے امور کو جانتے ہیں، زراعت اور کٹائی کے اوقات، شجر کاری اور تعمیر کے طریقوں سے وہ واقف ہیں، ۳۔ اسی کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں: یعنی بیشتر لوگوں کا علم صرف دنیا، اس کی کمائی اور اس کے امور تک محدود ہے۔ کسب معاش میں وہ بڑے ماہر اور ذہین ہوتے ہیں۔ ۴۔

۱۔ صحیح مسلم مع شرح نووی، کتاب الفضائل 116/15-117

۲۔ حوالہ سابق صفحہ 118 ۳۔ تفسیر قرطبی 7-14 ۴۔ تفسیر ابن کثیر 3/427

تفکیر کی راہ سے بھی انسان سیکھتا ہے، جب کسی مخصوص مسئلہ کے حل کے لیے انسان غور و فکر کرتا ہے تو وہ درحقیقت ایک قسم کی ذہنی سعی و خطا کا عمل کرتا ہے، درپیش مسئلہ کے لیے مختلف حل وہ اپنے ذہن میں لاتا ہے۔ پھر غلط اور غیر مناسب حل کو چھوڑ دیتا ہے، اور جس حل کو مناسب و درست تصور کرتا ہے اپنالیتا ہے، اس طرح غور و فکر کے ذریعہ اپنے مسائل کے نئے نئے حل وہ سیکھتا ہے، اشیاء اور واقعات کے درمیان ربط و تعلق دریافت کرتا ہے، نئے نظریات و اصول مستنبط کرتا ہے اور نئی تحقیقات و ایجاد تک رسائی حاصل کرتا ہے، اسی لئے کچھ جدید ماہرین نفسیات غور و فکر کے عمل کو ”اعلیٰ تعلیم کے عمل“ کا نام دیتے ہیں۔

مباحثہ، تبادلہ خیالات اور اہل رائے سے مشورہ بھی غور و فکر کے عمل میں معاون بنتا ہے جس سے حقیقت کی رسائی اور مشکلات کے مطلوبہ حل تک پہنچ ہوتی ہے۔ قرآن نے مشورہ کی ترغیب دی ہے اور مشورہ شعار مومنوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ۔ (شوری- ۳۸)

(جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

نبی کریم ﷺ سے کہا گیا کہ اہل رائے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کریں:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (آل عمران- ۱۵۹)

(اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔)

قرآن کریم نے مشرکین کے ساتھ مباحثہ و ناظرہ کا اسلوب اپنایا ہے، عقلی دلائل پیش کر کے بت پرستی کی نامعقولیت دکھائی ہے اور اس طرح ان کی تفکیر کو چھیڑ کر بتوں کی بے حیثیتی، پستی، بے بسی اور مقام الوہیت سے فروتری کا یقین و اطمینان ان کے اندر پیدا کرنا چاہا ہے:

اَيْشُرُّكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا

يَسْتَطِيعُونَ لَكُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ
إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُواكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ
أَنْتُمْ صَامِتُونَ إِنْ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ
أَمْثَلُكُمْ فَاذْعُبُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ أَلَمْ يَأْتِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى نَبَاؤُنَا بِمَا لَمْ
يَدْعُوا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَاتٌ أَنْ يَسْمَعُوا بِهَا قُلِ
إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أُمَّةَ اللَّهِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هَذِهِ السُّبُلَ
الَّتِي كَفَرُوا بِهَا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (اعراف - ۱۹۵، ۱۹۱)

(کیسے نادان ہیں یہ لوگ کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ آپ اپنی مدد ہی پر قادر ہیں اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کی دعوت دو تو وہ تمہارے پیچھے نہ آئیں، تم خواہ انہیں پکارو یا خاموش رہو دونوں صورتوں میں تمہارے لیے یکساں ہی رہے، تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو، ان سے دعائیں مانگ دیکھو۔ یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں، کیا یہ پاؤں رکھتے ہیں کہ ان سے چلیں؟ کیا یہ ہاتھ رکھتے ہیں کہ ان سے پکڑیں؟ کیا یہ کان رکھتے ہیں کہ ان سے سنیں؟ اے نبی، ان سے کہو کہ ”بلا لو اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پھر تم سب مل کر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔“)

قرآن میں تعلیم کے اصول و مبادی

جب مخصوص اصول و مبادی موجود ہوں تو سیکھنے کا عمل آسانی و کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوتا ہے لیکن جب وہ مبادی موجود نہ ہوں تو بسا اوقات اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور کبھی ناکامی کا سامنا ہو جاتا ہے، عقیدہ توحید کی تعلیم، مومنین کی تربیت اور ان کے دلوں میں اسلامی اقدار و مبادی کی تخم ریزی کے لئے قرآن کریم کے اپنائے ہوئے طریقہ و نہج پر اگر ہم غور کریں تو چند اہم اصول و مبادی ہمیں نظر آئیں گے جنہیں

سکھنے کے عمل میں اپنا کر قرآن نے مسلمانوں کی کردار سازی اور عقائد و اقدار اسلامی کی تعلیم کا کام لیا ہے، اور ہم یہ بھی دیکھیں گے قرآن نے مسلمانوں کی روحانی تربیت کے لیے جن اصول و مبادی کو اپنایا تھا، ان کی اہمیت کا اندازہ بھی ماہرین نفسیات کو بیسویں صدی کے اوائل میں جا کر ہو سکا۔ ذیل میں ہم قرآن میں تعلیم کے مبادی پیش کرتے ہیں۔

محرم

تعلیم کے اندر محرم کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر کسی مخصوص مقصد کے حصول کا محرم موجود ہو اور مناسب ماحول فراہم ہو تو مقصد تک رسائی کے صحیح طریقے سکھنے کے لیے مطلوبہ جدوجہد صرف کرنے پر انسان تیار ہوتا ہے، جب کوئی مشکل پیش آ جاتی ہے اور اس کے حل کی شدید ضرورت کا احساس ہو جاتا ہے تو عموماً وہ اس کے حل کے لیے متعدد کوششیں کرتا ہے، اور بالاخر اس کا درست حل دریافت کر لیتا ہے، انسان اور حیوان پر کئے گئے متعدد جدید تجرباتی تحقیقات سے بھی سکھنے کے عمل میں محرم کی اہمیت کا پتہ چلا ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کی روحانی تربیت میں مختلف اسالیب اپنا کر تعلیم کے محرکات ان کے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ترغیب اور ترہیب کے طریقے اپنائے، شوق انگیزی کے قصے بیان کئے، نیز زندگی میں پیش آتے رہنے والے ان اہم واقعات کا ذکر کیا ہے جو محرکات اور تاثرات کو براہِ نگختہ کرتے اور ان سے عبرت پذیری سکھنے کے قابل بناتے ہیں۔

الف۔ ترغیب و ترہیب کے ذریعہ محرم کو ابھارنا

جب انسان کے اندر کسی مقررہ مقصد کے حصول کے لیے طاقتور محرم موجود ہوتا ہے تو اس مقصد کا حصول ثواب اور اجر محسوس ہوتا ہے جس سے لذت، مسرت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے اور مقصد میں ناکامی ایک قسم کی سزا محسوس ہوتی ہے جو تکلیف و تنگی و ناپسندیدگی کا احساس پیدا کرتی ہے، انسان اور حیوان فطری طور پر ایسی چیز کی جانب مائل ہوتے ہیں جو اس کے لیے لذت انگیز ہو اور الم انگیز چیز سے ان کی طبیعت میں نفور ہوتا ہے۔ اسی طرح فطری طور پر انسان ایسے موقف و اعمال سکھنے کا رجحان و میلان رکھتا ہے

جو ذریعہ حصول ثواب ہوں۔ اور ان امور و افعال سے گریزاں ہوتا ہے جو ناکامی یا سزا کا سبب ہوں۔ ماہرین نفسیات کی جانب سے کیے گئے متعدد تجربات سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن کریم نے عقیدہ توحید کی دعوت دیتے ہوئے محرکات کو ابھارا ہے، اس ثواب کی ترغیب دی ہے جس سے مومنین جنت میں فیض یاب ہوں گے اور عذاب الیم سے ڈرایا ہے جس سے جہنم کی آگ میں کفار دوچار ہوں گے، جنت کی نعمتوں کا شوق انگیز تذکرہ دلوں میں ان کے حصول کی جوت جگاتا ہے اور انہیں تقویٰ، عبادات میں اخلاص، عمل صالح، جہاد فی سبیل اللہ اور مرضیات الہی سے آراستگی پر ابھار کر مکینان جنت میں شامل ہونے کی امید ان میں پیدا کرتا ہے، جہنم کے عذاب و سزا کا تذکرہ اس عذاب الیم کی ہیبت و دہشت دلوں میں پیدا کرتا ہے جو مشرکین و منافقین اور احکام الہی کے نافرمانوں کے لیے مقرر ہے اور انہیں گناہ و معصیت اور منہیات الہی سے گریز پر ابھار کر عذاب جہنم سے گلو خلاصی کی امید دلوں میں پیدا کرتا ہے، اس طرح مسلمانوں کے اندر دو طاقتور محرکات موجود تھے، ایک محرک انہیں عبادات کی ادائیگی، احکام کی بجا آوری اور احکام شریعت کی پابندی پر آمادہ کرتا تھا اور دوسرا انہیں گناہ و معاصی اور منہیات شریعت سے دور رکھتا تھا، یہ دو طاقتور، کامل اور یکساں مقصد رکھنے والے محرکات نے انہیں ایسا بنا دیا تھا کہ اللہ و رسول کی مکمل اطاعت، تمام فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی، زندگی کے نئے اسلامی نظام اور غور و فکر اور عمل کے نئے زاویے کے تعلم اور اللہ و رسول کی ہر ممنوع کردہ چیز سے دوری پر عمل آوری کے لیے وہ ہمیشہ بھرپور استعداد اور پوری تیاری کے عالم میں ہوتے تھے۔

قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ دعوت اسلامی کی قبولیت کے لیے محرکات کو ابھارتے وقت قرآن عذاب جہنم کے خوف و ترہیب پر تنہا اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ ساتھ ہی جنت کی نعمتوں کا شوق بھی دلاتا ہے، کیونکہ کردار سازی کے مطلوبہ مقصد کی تکمیل میں تنہا ترغیب یا تنہا ترہیب مفید نہیں ہوتی، صرف ترہیبی اسلوب بسا اوقات دل پر دہشت کے پردے ڈال کر رحمت الہی سے مایوسی پیدا کر دیتا ہے، اسی طرح تنہا ترغیبی اسلوب کی وجہ سے کبھی رحمت الہی کی امید کا غلبہ ہو جاتا ہے اور دل میں سستی و غفلت اور لاپرواہی پیدا

ہو جاتی ہے اور اللہ سے وہ تمنائیں کی جانے لگتی ہیں جو درست نہیں ہیں لہٰذا اسی مفہوم کی طرف اشارہ درج ذیل فرمان نبوی میں ہے، ایمان صرف تمنائوں کا نام نہیں ہے بلکہ جو دل میں جاگزیں ہو جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے وہ ایمان ہے۔ کچھ لوگوں کو مغفرت کی تمنائیں ایسا غافل رکھتی ہیں کہ دنیا سے کوچ کرتے وقت ایک بھی نیکی ان کے پاس نہیں ہوتی، کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر حسن ظن رکھتے ہیں، وہ جھوٹے ہیں، اگر انہیں اللہ پر حسن ظن ہوتا تو ضرور اس کے لیے اچھے اعمال کرتے۔ ۲

اسی لیے قرآن کریم نہ صرف ترہیب پر اکتفا کرتا ہے، اور نہ تنہا ترغیب کا سہارا لیتا ہے، بلکہ عذاب الہی کا خوف اور رحمت و ثواب الہی کی امید دونوں سے کام لیتا ہے، انبیاء اور صلحاء کے ذکر میں بھی قرآن اسی امر کی وضاحت کرتا ہے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ - (انبیاء - ۹۰)

(یہ لوگ نیکی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے ہوئے تھے۔)

تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ - (سجدہ - ۱۶)

(ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں، اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)

خوف و امید کا یہ امتزاج نئے اسلامی نظام زندگی، اس کے عقائد و اقدار اور نئے اسلوب پر غور کرنے اور انہیں سیکھنے کا طاقتور محرک مسلمانوں کے اندر بڑی آسانی سے پیدا کرتا ہے، ذیل میں چند آیات بطور مثال پیش کی جاتی ہیں، جن میں اہل ایمان کے لیے

۱۔ محمد سعید رمضان بوٹی، منہج تربوی فریدی القرآن، مجلہ الوعی الاسلامی کویت، ساتواں

سال، شمارہ 81، اکتوبر 1971، صفحہ 74-75

۲۔ بی خولی، حوالہ سابق صفحہ 185

بشارت جنت اور اہل کفر کے لیے آخرت میں سزا و عذاب کا ذکر ہے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔

(بقرہ-۸۱، ۸۲)

(آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ جو بھی بدی کمائے
گا اور اپنی خطاکاری کے چکر میں پڑا رہے گا، وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی
میں وہ ہمیشہ رہے گا اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے
وہی جنتی ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔)

لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيلٌ
ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ لِكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ
لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا
مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْآبِرَارِ۔ (آل

عمران-۱۹۶، ۱۹۸)

(اے نبی، دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت
تمہیں کسی دھوکہ میں نہ ڈالے، یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا
لطف ہے، پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین جائے قرار ہے،
برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے
ہیں ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغوں
میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ کی طرف سے یہ سامان ضیافت ہے ان کے
لیے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لیے وہی سب سے بہتر
ہے۔)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا كَلَّمًا
نُضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا
الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَوَجَّهْنَا لَهُمُ ظِلَالًا
ظَلِيلًا۔ (نساء-۵۶، ۵۷)

(جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں
بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل
جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب
عذاب کا مزا چکھیں، اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل
میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو
مان لیا اور نیک عمل کئے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن
کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کو پاکیزہ
بیویاں ملیں گی، اور انہیں ہم گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔ (مائدہ-۱۰، ۹)

(جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ نے ان سے وعدہ کیا
ہے کہ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور انہیں بڑا اجر ملے گا،
رہے وہ لوگ جو کفر کریں اور اللہ کی آیات کو جھٹلائیں، تو وہ دوزخ میں
جانے والے ہیں۔)

إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَ
لَا يَحْيَىٰ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ
لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ۔ (طہ-۴۳، ۴۵)

(حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بن کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگا
اس کے لیے جہنم ہے جس میں وہ نہ جنے گا نہ مرے گا، اور جو اس کے
حضور مومن کی حیثیت سے حاضر ہوگا، جس نے نیک عمل کئے ہوں گے
ایسے سب لوگوں کے لیے درجے بلند ہیں۔)

قَالَتِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ
كَرِيمٌ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

الْبَحِيْمِ - (حج - ۵۰، ۵۱)

(پھر جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کے لیے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔ اور جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے وہ دوزخ کے یار ہیں۔)

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ - (حج - ۵۱، ۵۲)

(اس روز بادشاہی اللہ کی ہوگی، اور وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا، جو ایمان رکھنے والے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے وہ نعمت بھری جنتوں میں جائیں گے، اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہوگا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔)

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُنْفِقُونَ فَمَا لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِيهِمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ - (روم - ۱۳، ۱۴)

(جس روز وہ ساعت برپا ہوگی، اس دن (سب انسان) الگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کئے ہیں وہ ایک باغ میں شاداں و فرحاں رکھے جائیں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہے اور ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ہے وہ عذاب میں حاضر رکھے جائیں گے۔)

قرآن کریم نہ صرف آخرت میں مومنوں کے لیے نعمت جنت اور کفار کے لیے عذاب جہنم کا ذکر کرتا ہے بلکہ خود اس دنیا میں بھی اہل ایمان کے لیے خیر و بھلائی اور اہل کفر کے لیے تکلیف وہ عذاب کا تذکرہ کرتا ہے، دنیاوی زندگی میں مومنین کے لیے خیر کی مثالیں مندرجہ ذیل آیات میں ہیں:

وَلِقَوْمٍ اسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ ثُمَّ نُوْبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَ يَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا

(اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو، پھر اس کی طرف پلٹو وہ تم پر آسمان کے دہانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا، مجرم بن کر (بندگی سے) منہ نہ پھیرو۔)

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ
عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ
جَنَاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا۔ (نوح-۱۲۱۰)

(میں نے کہا ”اپنے رب سے معافی مانگو“ بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمہاری لیے نہریں جاری کر دے گا۔)

اور کفار کو پہنچے والے عذاب کا ذکر ذیل کی آیات میں ہے:

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ
تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا
يُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ (رعد-۳۱)

(جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کر رکھا ہے ان پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہتی ہے یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی ہے، یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ ان پورا ہو یقیناً اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔)
وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي
دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ۔ (ہود-۹۳)

(آخر کار جب ہمارے فیصلہ کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچالیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و

حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے۔)

کچھ دیگر آیات کے اندر دنیا اور آخرت دونوں میں مومنین کے ثواب اور کفار کے لیے سزا کا ذکر ہے، مثلاً:

فَاتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ - (آل عمران - ۱۴۸)

(آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب
آخرت بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔)

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَ
مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِن وَّاقٍ - (رعد - ۳۴)

(ایسے لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی ہی میں عذاب ہے اور آخرت
کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے کوئی ایسا نہیں جو انہیں خدا کے
عذاب سے بچانے والا ہو۔)

ب۔ قصوں کے ذریعے محرک کو ابھارنا

محرک معلم کو ابھارنے کے لیے قرآن کریم نے قصوں سے ایک اہم وسیلہ کا کام لیا
ہے کیونکہ قصے، سننے والوں کے اندر شوق اور قصے کے واقعات کے جائزہ و مطالعہ کی
جانب توجہ پیدا کرتے ہیں، قصوں کے ذریعہ عقائد سے متعلق دینی مقاصد اور عبرت و
حکمت کی جو تعلیم قرآن کریم مسلمانوں کو دینا چاہتا ہے، انہیں بھی درمیان میں بیان کرتا
چلتا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ -
(یوسف - ۱۱۱)

(اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے

عبرت ہے۔)

قرآنی قصوں کے اندر ایسا حسن و جمال پایا جاتا ہے جو دلوں کی گہرائیوں میں اور
وجدان کے اندر دینی مقاصد کو اتارتا چلا جاتا ہے۔ لہ

کچھ قصوں میں قرآن کا اسلوب یہ ہوتا ہے کہ ابتداء وہ قصہ کا خلاصہ بیان کر دیتا

ہے، پھر تفصیل کے ساتھ ابتداء سے انتہا تک قصہ سناتا ہے، اصحاب کف کے قصہ میں یہی اسلوب اپنایا گیا ہے، تفصیلات میں جانے سے قبل قصہ کا خلاصہ بیان کرنے سے سننے والوں کے اندر مزید شوق اور تفصیلات کی جانب توجہ و اہتمام پیدا ہو جاتا ہے۔ ۱۷۷

کچھ قصوں میں سب سے پہلے قصہ کا نتیجہ اور روح بیان کر دی جاتی ہے پھر تفصیلات بتائی جاتی ہیں، سورہ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس کی مثال ہے، یہ اسلوب بھی شوق کو انگیز کرتا ہے اور نتیجہ کی وجہ جاننے کے لیے تفصیلات کی طرف جانے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ۱۷۸

ج۔ اہم واقعات کا تذکرہ

محرم اور توجہ کو ابھارنے میں اہم واقعات اور حوادث بھی بڑا رول ادا کرتے ہیں جو وجدان انگیز، توجہ خیز اور موثر ہوا کرتے ہیں، اور عموماً جو لوگوں کی زندگی میں جب پیش آتے ہیں تو لوگ ان سے عبرت پذیری کے لیے پوری طرح تیار ہوتے ہیں، قرآن کریم نے بھی ایسے واقعات کا سہارا لیا ہے جو مسلمانوں کی عبرت پذیری کے لیے پیش آ رہے تھے، اور ان مواقع پر مسلمان فطری طور پر بیدار اور نصیحت و عبرت قبول کرنے کے لیے تیار ہوا کرتے تھے، غزوہ حنین کا واقعہ اس کی مثال ہے، مسلمانوں کو جب اپنی کثرت و قوت کا زعم ہو گیا اور کفار کے مقابلہ اپنی فتح و نصرت کا یقین و اطمینان کرنے لگے اور یہ بھول گئے کہ نصرت تو صرف پابند مشیت الہی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھانا چاہا کہ کثرت تعداد یقینی طور پر کامیابی کی ضمانت نہیں ہے، نصرت و کامرانی سے تو اللہ تعالیٰ اپنے ایمان و تقویٰ شعار بندوں کو سرفراز فرماتا ہے، خواہ ان کی تعداد تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ ۱۷۹

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ

۱۷۷ سید قطب: التصویر الفنی فی القرآن، تیسرا ایڈیشن، دار المعارف قاہرہ ۱۹۷۵، صفحہ ۱۴۸

۱۷۸ حوالہ سابق صفحہ ۱۴۸-۱۴۹

۱۷۹ حوالہ سابق صفحہ ۱۴۹

۱۸۰ عبدالفتاح جلال، حوالہ سابق صفحہ ۱۱۹

اعْجَبْتُكُمْ كَثْرَتِكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَ ضَاقَتْ
عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحَبَتْ ثُمَّ وَكَيْتُمْ مُدْبِرِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ
سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ
تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ ذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ-

(توبہ- ۲۵، ۲۶)

(اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی
غزوہ حنین کے روز (اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو) اس روز
تمہیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین
اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر
اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر
اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور منکرین حق کو سزا دی کہ یہی بدلہ
ہے ان لوگوں کے لیے جو حق کا انکار کریں۔)

تکرار

کچھ مخصوص افکار و آراء جب بار بار ذکر کئے جاتے ہیں تو ذہنوں کے اندر وہ
پیوست ہو جاتے ہیں۔ جدید ماہرین نفسیات کی تحقیقات نے بھی معلم کے اندر تکرار کی
اہمیت بتائی ہے۔ تجارتی اور صنعتی ادارے بھی کسی خیال و فکر کو ذہنوں میں اتار دینے کے
عمل میں تکرار و اعادہ کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں اور اپنے تجارتی سامانوں
کو پھیلانے کے لیے اشتہارات و اعلانات پر خطیر رقم صرف کرتے ہیں جس کے ذریعے
مخصوص افکار کو لوگوں کے سامنے بار بار پیش کر کے ان کی پسند و رجحان پر اثر انداز ہوتے
ہیں۔

قرآن کریم بھی عقیدہ اور غیبی امور سے متعلق جن چیزوں کو ذہنوں میں اتار دینا
چاہتا ہے، بار بار انہیں پیش کرتا ہے۔ توحید، تمام مذاہب میں اللہ کی الوہیت، دوبارہ زندگی
پر ایمان، قیامت کے دن، حساب، اور آخرت میں ثواب و عقاب جیسے امور کو قرآن کریم
بار بار ذکر کرتا ہے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں وہ پیوست ہو جائیں۔ عقیدہ توحید کے تکرار
کی مثال دیکھئے کہ سورہ نمل جو مکی سورہ ہے، میں ایک ہی جملہ ”کیا اللہ کے ساتھ کوئی

دوسرا خدا بھی ہے؟“ پانچ مرتبہ لایا گیا ہے تاکہ حقیقت دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً
فَانْبَتْنَا بِهٖ حَدٰیقَ ذٰتِ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تَنْبِتُوْا
شَجَرَهَا اِلٰهَ مَعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ
قَرَارًا وَّجَعَلَ خِیَالَهَا اَنْهَارًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَّجَعَلَ بَیْنَ
الْبَحْرِیْنِ حَاجِزًا اِلٰهَ مَعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ
یُجِیْبُ الْمُصْطَرِّ اِذَا دَعَاہُ وَّیَكْشِفُ السُّوْءَ وَّیَجْعَلُكُمْ
خُلَفَآءَ الْاَرْضِ اِلٰهَ مَعَ اللّٰهِ فَلَیْلًا مَا تَذَكَّرُوْنَ اَمَّنْ
یَهْدِیْكُمْ فِی ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیَّاحَ بُشْرًا
بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ اِلٰهَ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلٰهَ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ
اَمَّنْ یَّبْدُوْا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہُ وَّمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَّ
الْاَرْضِ اِلٰهَ مَعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْہَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔

(نمل - ۶۰-۶۳)

(بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے (نہیں) بلکہ یہی لوگ راہ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کئے اور اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیئے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔ کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جبکہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے اور (کون ہے) جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (یہ کام کرنے والا) ہے۔ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو؟ اور کون ہے جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں تم کو راستہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت کے

آگے ہواؤں کو خوشخبری دے کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی یہ کام کرتا ہے؟ بہت بلا و برتر ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور وہ کون ہے جو خلق کی ابتداء کرتا اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں حصہ دار) ہے؟ کہو کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔)

توحید اور ایک خدا کی عبادت کی دعوت سورہ ہود کے اندر جو مکی سورت ہے، چار مرتبہ بیان ہوئی ہے، اپنی اپنی قوموں کے سامنے انبیاء سابقین کی دعوت توحید کو قرآن بیان کرتا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت توحید کا تذکرہ کرتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ۔ (ہود-۲۵، ۲۶)

(اور ایسے ہی حالات تھے) جب ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا (اس نے کہا) میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔)

پھر حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کی اپنی اپنی قوم کو دعوت توحید کا ذکر کرتا ہے ایک ہی جملہ ایک سورہ میں تین بار لوٹ کر آتا ہے۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَهٍ غَيْرُهُ۔ (ہود-۵۰)

(اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو تمہارا کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے۔)

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلَهٍ غَيْرُهُ۔ (ہود-۶۱)

(اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے کہا ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔“)

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ

(اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔“)

سورۃ مومنوں کے اندر جو مکی سورت ہے، ایک ہی جملہ ”اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے“ آیت ۲۳ اور آیت ۳۲ میں دو بار آئے ہیں۔ قرآن کریم میں انبیاء کے قصے بار بار بیان کر کے ذہنوں میں یہ حقیقت راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ تمام مذاہب اللہ کی جانب سے ہیں، تاریخ کے مختلف ادوار میں لوگوں کی ہدایت، دعوت توحید اور ممانعت شرک کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے، ان کا تذکرہ کر کے کفار قریش کو بتایا گیا کہ انبیاء کی تکذیب کی وجہ سے گذشتہ قوموں کا کیا انجام ہوا، اور رسول آخر الزماں کی تکذیب پر خود ان کا کیا انجام ہوگا، سورہ قمر جو مکی سورت ہے، میں کفار کے لیے عذاب کا تذکرہ بار بار آیا ہے، اور اس طرح کفار قریش کو اس انجام سے آگاہ کیا گیا ہے جو انبیاء کی تکذیب پر اقوام سابقہ کو پیش آیا اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب پر خود انہیں پیش آئے گا۔ لہ چنانچہ اسی سورہ میں درج ذیل آیت تین بار لائی گئی ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِي۔ (قمر-۳۰-۲۱-۱۶)

(دیکھ لو، کیا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّذَكِّرٍ۔

(قمر-۱۷-۲۲-۲۲-۳۰)

(ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے پھر کیا ہے کوئی نصیحت کو قبول کرنے والا؟)

سورہ مرسلات بھی مکی سورت ہے، اس میں ایک جملہ ”بتاہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے“ دس مرتبہ آیا ہے، اسی سورت میں اللہ نے اپنی نعمتوں اور سزاؤں کا

۱۔ دیکھئے عبدالوہاب جمودہ، القرآن و علم النفس، دار لئلم قاہرہ، 1962، صفحہ 95-96

تفصیل سے ذکر کیا، ہر نعمت کی یاد دہانی اور ہر سزا کی تذکیر کے بعد مذکورہ جملہ دوہرا گیا ہے تاکہ ان نعمتوں اور سزاؤں کا تصور دلوں میں جاگزیں ہو جائے اور کفر و تکذیب سے انہیں محفوظ رکھے، اس کے علاوہ خود یہ اسلوب انتہائی موثر اور اپیل کرنے والا ہوا کرتا ہے، اہل عرب کے کلام اور اشعار میں اس کا بکثرت رواج ہے۔ ۱۷

قرآن کریم کی بہت ساری آیات میں دوبارہ اٹھائے جانے، قیامت کے دن، یوم حساب، جنت کی نعمتوں، جہنم کے عذاب، حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق اور ابلیس کی ان دونوں سے دشمنی کے تذکرے بار بار آئے ہیں، ان سے قرآن کا مقصود دلوں میں ایمان کی پختگی اور عقائد، عبرت اور نصیحت کی جاگزیں ہے۔

قصوں کے تکرار میں ایسا نہیں ہے کہ مکمل قصے دوہرائے گئے ہیں، بلکہ سورت کے سیاق و مفہوم کی مناسبت سے قصہ کا کچھ حصہ دوہرایا گیا ہے، اور جب بھی قصہ کا کوئی ٹکڑا بیان کیا گیا ہے، عموماً اس کے اندر کوئی ایسی نئی چیز بھی لائی گئی ہے جو پہلے بیان نہیں ہوئی تھی، الفاظ میں کچھ تبدیلی یا جملوں میں تقدیم و تاخیر کر کے قصہ کے تذکرہ سے مقصود عبرت کو نمایاں کیا گیا ہے، قرآن انبیاء کے قصے تاریخ بنا کر نہیں پیش کرتا ہے جس میں تاریخی ترتیب سے واقعات بیان ہوتے ہیں، بلکہ وہ ان واقعات کے اندر موجود عبرت و نصیحت کے پیش نظر بیان کرتا ہے اسی لئے قصے کے صرف وہ حصے بیان کرتا ہے جس سے عبرت متعلق ہوتی ہے۔ ۱۸

ایک ہی تصور و فکر کو جب مختلف الفاظ اور اسلوب میں ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی جانب توجہ مبذول ہونے لگتی ہے اور وہ اکتاہٹ بھی پیدا نہیں ہوتی جو ایک مخصوص فکر کو ایک ہی شکل میں بغیر کسی تبدیلی کے بار بار پیش کرنے سے ہو جاتی ہے، جدید ماہرین نفسیات اور پروپیگنڈہ و اشتہارات کے ماہرین کی تحقیقات بھی بتاتی ہیں کہ توجہ مبذول کرنے اور اکتاہٹ سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلوب و الفاظ میں تبدیلی بہت اہمیت رکھتی ہے، تجارتی اشتہارات سے وابستہ لوگ آج اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں۔

۱۷ حوالہ سابق صفحہ 96-97

۱۸ عبدالوہاب حمودہ، حوالہ سابق صفحہ 103-105

تکرار سے معلم میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے، خواہ کسی اچھی عادت کا معلم ہو یا بری عادت کا معلم، کوئی غلط عادت یا برا سلوک تکرار کے نتیجہ میں دلوں کے اندر مستحکم ہو جاتا ہے تو اس سے گلو خلاصی سخت جدوجہد اور مضبوط ارادے کے بغیر مشکل ہوتی ہے، اسی لیے باپ دادا کے عقائد و عمل تکرار و تسلسل کی وجہ سے مشرکین کے دلوں میں ایسا گھر کر گئے تھے کہ ان سے گلو خلاصی کوئی آسان نہیں تھی۔ قرآن کریم نے متعدد آیات میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ بچپن سے باپ دادا کے عقائد پر جے رہنے کی وجہ سے مشرکین کو عقیدہ توحید پر مطمئن کرنے میں انبیاء سابقین کو گذشتہ ہر دور میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، گذشتہ فصل چہارم میں فکری جمود و غلطی پر گفتگو کے ضمن میں اس جانب ہم نے اشارہ کیا ہے، قرآن نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غفلت، کفر سے وابستگی اور گناہ و معاصی کے ارتکاب میں جب تکرار و تسلسل رہتا ہے تو عقیدہ توحید کو بہ آسانی قبول کرنے کی صلاحیت انسان کے اندر باقی نہیں رہتی ہے، اس کی جانب قرآن کریم نے متعدد آیات میں ”دلوں پر مر“ کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے، گذشتہ فصل چہارم میں اس پر ہم گفتگو کر چکے ہیں۔

قرآن بتاتا ہے کہ غلط عادات اور معاصی، اصرار و تکرار کے نتیجہ میں دلوں کے اندر اس طرح جم جاتے ہیں کہ عقل زنگ آلود سی ہو جاتی ہے۔ صحیح غلط کی تمیز کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، اور ان عادات سے چھٹکارا پانا دشوار ہو جاتا ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔

(مطففین - ۱۱۳)

(ہرگز نہیں، بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا

زنگ چڑھ گیا ہے۔)

اسی مفہوم کی وضاحت درج ذیل ارشاد نبوی میں ہے کہ ”جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ آ جاتا ہے، دوبارہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا نکتہ آ جاتا ہے، اسی طرح ہر گناہ پر دھبہ آتا جاتا ہے یہاں تک کہ دل سیاہ بکری کے رنگ کا ہو جاتا ہے“ دوسری حدیث کے الفاظ ہیں ”یکے بعد دیگرے گناہ سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور توبہ کی

توجہ

تعلیم اور علم و معرفت کے حصول میں توجہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اگر انسان مثال کے طور پر لکچر کی جانب متوجہ نہ ہو تو لکچر کی معلومات کا اسے ادراک نہیں ہوگا اور نتیجتاً اسے سیکھ سکے گا نہ آئندہ یاد رکھ سکے گا، اسی لیے اساتذہ اور مربی حضرات کی ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ طلبہ کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھیں تاکہ وہ اسباق کو سیکھ اور سمجھ سکیں، قرآن نے قصے بیان کر کے ان میں پوشیدہ عبرت و نصیحت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہی ہے، معلومات کے احاطہ میں توجہ کی اہمیت کو قرآن میں سراہا گیا ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ

وَهُوَ شَهِيدٌ - (ق-۳۷)

(اس تاریخ میں عبرت کا سبق ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل

رکھتا ہو، یا جو توجہ سے بات کو سنے۔)

اس آیت سے پہلے والی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے قریش سے قبل ایسی اقوام کو ہلاک کر دیا ہے جو قریش سے زیادہ طاقتور تھیں، پھر اس آیت میں کہا گیا کہ اس میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو عقل رکھتے ہیں، یا بات کو غور سے سنتے اور سمجھتے ہیں، ذہن جو توجہ کا مرکز ہے، کو حاضر رکھتے ہیں۔

توجہ کی اہمیت بتاتے ہوئے سورہ مزمل میں قرآن کہتا ہے کہ سونے کے بعد بیداری معانی قرآن کو زیادہ توجہ کے ساتھ سننے اور خوب سمجھنے کے قابل انسان کو بناتی ہے، شاید اس لیے کہ سو لینے کے بعد ذہن کو راحت و آرام مل جاتا ہے اور دوسری طرف دن کے ہنگاموں اور امور معاش کی الجھنوں سے محفوظ، رات کا ماحول پر سکون ہوتا ہے:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَامٌ قِيْلًا - (مزمل-۶)

(درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور

قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے بہت موزوں ہے۔)

قرآن فہم اور معلم میں توجہ کی اہمیت بتاتا ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (اعراف- ۲۰۴)

(جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور

خاموش رہو، شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے۔)

قرآن کو سننا اور اس کی جانب کان لگانا دراصل اس کے معانی و مفہیم پر تدر اور اس کے عقائد، تعلیمات، احکام، منہیات، نصائح اور عبرت کے معلم کی جانب توجہ ہی کا مفہوم رکھتا ہے جو فہم و معلم میں توجہ کی اہمیت کی جانب واضح اشارہ ہے۔

توجہ کی مرکزیت اور معلم کی آسانی میں مجرد معانی و مفہیم کو بسیط و توضیحی شکل میں پیش کرنا معاون بنتا ہے، یعنی واقعاتی اور محسوس امور کے اندر ان کی تمثیل کر کے ان کا ادراک اور فہم ممکن ہوتا ہے، اسی لیے اب اساتذہ اور معلمین علمی نظریات اور قوانین و ضوابط کی تشریح میں سمعی اور بصری وسائل اور عملی تجربات سے خوب کام لیتے ہیں جس سے طلبہ کی توجہ مرکوز رہتی ہے اور مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، قصوں اور مثالوں کے ذریعہ قرآن کریم نے عقائدی امور کو مجسم شکل میں پیش کر کے دعوت اسلامی کو انسانی ذہنوں کے قریب کرنا چاہا ہے، قرآن کے قصوں کو سننے والا اپنے سامنے واقعات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ لہٰذا جس کی وجہ سے ان واقعات پر اس کی توجہ مرکوز ہو جاتی ہے جو اس کے خیال و تصوف کے پردہ پر پے در پے آرہے ہیں، قرآن کے امثال بھی یہی رول ادا کرتے ہیں، معانی کو مجسم و محسوس شکل میں ذہنوں کے اندر لے آتے ہیں جس سے ان کے فہم و ادراک میں آسانی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی ایک مثال سورہ ابراہیم میں دیکھئے، ایمان کے بغیر دنیا میں نیک اعمال کی عدم افادیت کی تشبیہ اللہ تعالیٰ ایسی راہ سے دیتا ہے جسے سخت آندھی کے دن تیز ہوا اڑا رہی ہو اور انسان کے لیے اسے پکڑنا ناممکن ہو:

۱۔ محمد علی تسخیری، حوالہ سابق صفحہ 141-142، سید قطب حوالہ سابق صفحہ 62-73

۲۔ محمد علی تسخیری حوالہ سابق صفحہ 142-143

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ
الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ
ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ۔ (ابراہیم-۱۸)

دوسری مثال وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی تشبیہ ایسے پاکیزہ درخت سے دی ہے جو اپنے پاکیزہ پھلوں سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، جس کی جڑیں زمین کی گہرائیوں میں پیوست ہوتی ہیں، اور شاخیں آسمان سے بات کر رہی ہوتی ہیں، اور جو اللہ کی مرضی سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، کلمہ توحید مومن کے دل میں اسی طرح مستحکم ہوتا ہے، اس کے پاکیزہ اعمال اللہ تعالیٰ تک پہنچ رہے ہوتے ہیں، اور ہر وقت اللہ کا ثواب اور برکت اسے حاصل رہتی ہے، اور کلمہ خبیثہ کی تشبیہ اس خبیث درخت سے دی گئی ہے جو زمین سے اکھڑ گیا ہو اور کوئی استحکام نہ رہ گیا ہو، کلمہ باطل اسی طرح غیر مستحکم و بے بنیاد ہوتا ہے۔ لہ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أَكْلَهَا كُلَّ
حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ
مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ (ابراہیم-۲۳-۲۶)

(کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک بد ذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔)

ایسی ہی ایک مثال سورہ رعد کے اندر بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ

حق باقی رہتا ہے اور باطل زائل ہو جاتا ہے۔ بقاء حق اور زوال باطل کی تشبیہ نہروں میں بننے والی چیزوں سے دی گئی ہے کہ جو لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے، باقی رہتی ہے اور جو غیر نافع ہوتی ہے جیسے جھاگ، وہ سطح آب پر آکر ختم ہو جاتی ہے، اس کی دوسری تشبیہ آگ میں تپائی جانے والی معدنی اشیاء سے دی ہے کہ لوگوں کے لیے نفع بخش چیزیں، جیسے سونا و چاندی جن سے زیورات بنائے جاتے ہیں اور لوہا و پیتل جن سے آلات و مفید ساز و سامان تیار کئے جاتے ہیں، وہ باقی رہتی ہیں، اور غیر نافع چیزیں اوپر آ جاتی ہیں، جنہیں نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةً يَقْدِرُهَا فَاخْتَمَلَ
السَّبِيلُ زَبَدًا زَابِيًا وَ مِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ
حُلِيٍّ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ
وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذٰبُ جُدْفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ
فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
(رعد-۱۷)

(اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے طرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آ گئے اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اس مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ ٹھہر جاتی ہے اسی طرح اللہ اپنی مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔)

قرآن کی کچھ سورتوں کی ابتداء 'الم'، 'الر'، 'المز'، 'کھیعص'، 'طسم' وغیرہ الفاظ سے ہوئی ہے، مفسرین نے ان کی مختلف تفسیریں نقل کی ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ سماعت قرآن کی جانب مشرکین کی توجہ مبذول کرنا ان سے مقصود ہے، کیونکہ ان کے اندر ایک خاص قسم کی آواز ہے، مشرکین نے قرآن سننے پر ایسا کر لینا چاہا تھا، ان حروف سے آغاز نے انہیں گوش بر آواز کیا اور جب متوجہ ہوئے تو انہی حروف سے بنے ہوئے کلمات انہیں سنائے گئے۔ لہ

توجہ مبذول کرنے کے لیے بعض مکی سورتوں کے آغاز میں قلم کی قسم کھائی گئی ہے، پچیس سورتوں کی ابتداء قسم سے ملتی ہے، مثال کے طور پر والصفات، والذاریات، والطور، والنجم، والسماء، ذات البروج، والسماء، والطارق، والفجر، والعصر وغیرہ سورتیں، یہ اسلوب بھی قرآن کی سماعت کی جانب توجہ مبذول کراتا ہے، ”قسم سے آغاز اس لیے بھی اپنی جانب توجہ مبذول کرتا ہے کہ قسم کی ایک گونہ دہشت سننے والے کے گوش پر پڑتی ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سننے والے کے اندر اگلی بات سننے کے لیے نفسیاتی آمادگی پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ آگے کہی جانے والی بات بھی قسم پر مبنی ہوتی ہے اور قسم ہیبت انگیز بن جاتی ہے، جدلیاتی اور مباحثاتی اسلوب کے مقابلہ میں اسلوب آغاز سامع پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔“ ۱۷

اسلوب قرآن جو اعجاز بلاغت اور موزوں اثر آفرینی رکھتا ہے، وجدان کو اپیل کرتا ہے، توجہ مبذول کر لیتا ہے، قرآنی الفاظ اپنے معانی کے ساتھ ایسا دلکش آہنگ پیدا کرتے ہیں جو معانی الفاظ کے علاوہ علاحدہ صوتی پہلو رکھتے ہیں، اور الفاظ کی آواز جب کان تک پہنچتی ہے، معنی نگاہوں میں مجسم ہو جاتا ہے ۱۸، یہ اسلوب جاذب توجہ ہونے کے ساتھ قرآنی منظر کا احساس دل کے اندر پیدا کر کے فہم و ادراک میں معاون بنتا ہے۔

عملی مشق

عملی چیزوں کی تعلیم کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انسان ان کی عملی مشق کرے، مشق کے ذریعہ ان پر دسترس حاصل کرے، عملی مشق کی ضرورت صرف عملی چیزوں ہی میں نہیں بلکہ نظریاتی علوم، بااخلاق کردار، فضائل و اقدار اور سماجی طرز زندگی کے آداب سیکھنے میں بھی ہوتی ہے، اپنی کوشش اور مشق کے ذریعہ انسان بہت جلد اسے سیکھ لیتا ہے اور مہارت پیدا کر لیتا ہے، ایک تجرباتی تحقیق سے بھی یہ واضح ہوا کہ جو افراد بذات خود الفاظ اور جملوں کو ادا کرتے ہیں وہ بہت جلد انہیں یاد کر لیتے ہیں جبکہ جو افراد الفاظ اور

۱۷ تفسیر ابن کثیر ۱/۳۷- تفسیر منار ۱/۱۲۲

۱۸ عبدالوہاب حمودہ، حوالہ سابق، صفحہ ۱۶-۱۷

۱۹ محمد علی تنخیری، حوالہ سابق، صفحہ ۱۴۳-۱۴۴

جملوں کو صرف سننے پر اکتفا کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اسکرین پر ان حروف کو دیکھ بھی رہے ہوتے ہیں، انہیں یاد کرنے میں تاخیر ہوتی ہے لہٰذا اس سے علم معلم کے اندر عملی مشق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے بھی عملی مشق کے اصول کو اپنایا ہے، مسلمانوں کو صفات حمیدہ، اخلاق حسنہ اور حسن سلوک و کردار کی تعلیم کے لیے مختلف عبادات کے احکام عملی مشق و تدریب کی واضح مثال ہے، مقررہ اوقات میں وضو اور نماز کی ادائیگی مسلمانوں کو صفائی و نظافت، اطاعت و ڈسپلن اور صبر و ضبط کی تعلیم دیتی ہے، روزہ سے اطاعت و سزا گندگی، مشقت انگیزی پر صبر اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی کی تعلیم ملتی ہے اور حج اطاعت شعاری، جفاکشی اور صبر سکھاتا ہے، عبادات کے فوائد پر آئندہ قرآن میں نفسیاتی علاج سے متعلق اس کتاب کی دسویں فصل میں ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

مسلمانوں کو ایمان اور عقائد کی تعلیم دینے کے لیے عمل صالح کی ترغیب دی گئی ہے، سچے ایمان کا اظہار مومن کے کردار و عمل ہی سے ہونا چاہئے۔ حسن اخلاق، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کی جانب پیش رفتگی اس کے مظاہر ہوتے ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیات میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ۔ (بقرہ-۲۵)

(اور اے پیغمبر، جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور (اس

کے مطابق) اپنے عمل درست کر لیں انہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے

لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ (بقرہ-۸۲)

(اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے وہی جنتی

ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ
آتَوُا الزَّكَاةَ بِهِمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُونَ - (بقرہ-۲۷۷)

(ہاں! جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم
کریں اور زکوٰۃ دیں۔ ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے
اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔)

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ
أَجْرَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ - (آل عمران-۵۷)

(اور جنہوں نے ایمان اور نیک عملی کارویہ اختیار کیا ہے انہیں ان
کے اجر پورے پورے دیئے جائیں گے اور (خوب جان لے کہ) ظالموں
سے اللہ ہرگز محبت نہیں کرتا۔)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ - (مائدہ-۹)

(جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ نے ان سے وعدہ
کیا ہے کہ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور انہیں بڑا اجر ملے
گا۔)

وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ بِإِحْسَانٍ وَ
سَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا - (کہف-۸۸)

(اور جو ان میں سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرنے گا، اس کے
لیے اچھی جزا ہے اور ہم اس کو نرم احکام دیں گے۔)

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
اهْتَدَى - (طہ-۸۲)

(البتہ جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر
سیدھا چلتا رہے اس کے لیے میں نہایت درگزر کرنے والا ہوں۔)

تعلّم کی تقسیم

جدید ماہرین نفسیات کی تحقیقات بتاتی ہیں کہ عملِ تعلّم کی تقسیم اور مختلف اوقات اس طرح اس کی مشق کہ درمیان میں آرام و استراحت کے وقفے ہوں، جلد سیکھنے اور اچھی طرح یاد کرنے میں معاون بنتی ہے، اس کے بالمقابل ترکیزی طریقہ ہوتا ہے جس میں بغیر کسی وقفہ آرام کے مسلسل اور ایک نشست میں تعلیم دی جاتی ہے، اس طریقہ کے مقابلہ پہلا طریقہ تعلّم کے لیے زیادہ بہتر سمجھا گیا ہے۔ لہ

قرآن نے اس اصول کو اپنایا ہے، اور تیس سال کی مدت پر پھیلے ہوئے مختلف اوقات میں اس کی ہدایات و تعلیمات نازل ہوتی رہی ہیں، تاکہ مسلمان انہیں پورے اطمینان کے ساتھ سیکھ سکیں، اور ان کے معانی و مفہیم کو دلوں میں اتار لیں، یہ طریقہ قرآن کے سیکھنے، سمجھنے اور یاد کرنے میں معاون بنا، اگر پورا کا پورا قرآن ایک ساتھ نازل ہوا ہوتا تو قرآن کا معلم اور اس کے معانی کا فہم دشوار ہوتا:

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ
تَنْزِيلًا - (اسراء-۱۰۲)

(اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم ٹھیر ٹھیر کر اسے لوگوں کو سناؤ اور اسے ہم نے (موقع موقع سے) بتدریج اتارا ہے۔)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً
كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا - (فرقان-۳۲)

(منکرین کہتے ہیں ”اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا۔“ ہاں! ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزاء کی شکل دی ہے۔)

عملی اصلاح میں تدریج

عرصہ دراز تک کسی رواج و عمل پر پابندی کے نتیجہ میں جب وہ دلوں کے اندر رچ بس چکا ہوتا ہے، تو پھر اس سے گلوخلاصی بہترین لوگوں کے لیے آسان نہیں ہوا کرتی ہے کیونکہ اس کے لیے پختہ ارادہ، سخت جدوجہد اور طویل محنت کی ضرورت ہوتی ہے، جو بیشتر لوگوں کے بس کی بات نہیں ہوتی، اس لیے غلط عادات و رسوم سے گلوخلاصی کا آسان و بہتر طریقہ یہ ہے کہ بتدریج اور رفتہ رفتہ ان سے علاحدگی اختیار کی جائے۔

کسی تاثر مثلاً خوف سے گلوخلاصی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے برعکس تاثر کو اس کی جگہ بتدریج ہم اپنے اندر پیدا کریں۔ مثلاً خوف کی جگہ خوشی، یا محبت کو آہستہ آہستہ اپنے اندر لاتے رہیں آخر کار ہمیں خوف سے نجات مل جائے گی۔

جدید ماہرین علم النفس کے تجربات میں آیا ہے کہ جس بچہ کے اندر کسی جانور سے خوف تھا، اسی طریقہ سے خوف کی جگہ اس کی محبت بچہ کے اندر پیدا کی جاسکتی ہے اس طریقہ سے ہم اپنی غلط عادات و اطوار سے بھی نجات حاصل کر سکتے ہیں، نفسیاتی علاج کے اندر ماہرین نفسیات اس طریقہ کو اپناتے ہیں قبل از اسلام عربوں کے اندر بھی بعض غلط عادات و اعمال گھر کئے ہوئے تھے، دعوت اسلامی کے ابتدائی مرحلہ میں مسلمانوں سے ان عادات سے علاحدگی کا مطالبہ آسان نہ تھا جن سے وہ عرصہ دراز سے مانوس چلے آ رہے تھے، ان غلط عادات کے علاج میں قرآن نے دو طریقے اپنائے، پہلا طریقہ یہ تھا کہ ان امور کی اصلاح کو موخر کر کے دلوں میں ایمان و عقیدہ کو مضبوط کرنے پر توجہ دی، تاکہ جب عقیدہ اور ایمان دلوں کے اندر راسخ ہو جائے تو ایک طاقتور محرک کے بطور اس کی مدد سے غلط عادات سے گلوخلاصی اور نئی عادات کی تعلیم آسان ہو، اسی لئے دعوت اسلامی کے ابتدائی مرحلہ میں مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی بیشتر آیات کا تعلق عقیدہ توحید سے ہے، رسول کریم ﷺ بھی نئے ایمان قبول کرنے والوں کی روحانی تربیت اور دلوں میں ایمان و عقیدہ کی پختگی پر توجہ فرماتے تھے، مسلمانوں کی نفسیاتی تیاری کا یہ انتہائی اہم اور ضروری مرحلہ تھا، اس کے نتیجہ میں وہ اپنے کردار و عمل اور رسوم و رواج میں تبدیلی نیز

نئے افکار و نظام زندگی کو مکمل طور پر قبول کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے تھے، اپنی قدیم و مروجہ عادات سے قرآن کی ممانعت کے سامنے ان کا سر تسلیم و رضا خم تھا۔ قبولیت اسلام کے وقت وہ آسانی کے ساتھ ان امور مثلاً شراب نوشی سے گریز کے لیے تیار نہ تھے، لیکن جب ایمان دلوں میں راسخ ہو گیا تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و پیروی کے لیے یہ ایمان ایک طاقتور محرک بن گیا، وہ بخوشی احکام الہی کی پابندی کرتے خواہ انہیں ایسی عادات سے باز رہنے کا حکم ملا ہوتا جن پر مدت دراز سے وہ عمل پیرا تھے اور ان کی گھٹی میں وہ رچی بسی ہوئی تھیں، چنانچہ پختگی ایمان کے بعد جب حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تو تمام لوگ شراب نوشی سے باز آ گئے جو کچھ شراب موجود تھی مدینہ کی گلیوں میں بہا دی۔

قدیم عادات و رسوم کی اصلاح کے لیے دوسرا طریقہ جسے قرآن نے اپنایا، بتدریج کا تھا، اس اسلوب کے ذریعہ بتدریج انہیں غلط عادات سے علاحدگی کے لیے تیار کیا گیا، شراب کے مسئلہ میں اس کی مثال واضح طور پر ملتی ہے، قرآن نے بیک لمحہ شراب کی حرمت نازل نہیں کی، بلکہ پہلے شراب کو ناپسندیدہ بتایا گیا اور دلوں میں اس سے نفرت پیدا کی گئی، پھر اس کی حرمت قطعی نازل ہوئی، ابتداء میں بتایا گیا کہ شراب کے نقصانات زیادہ اور نفع بہت کم ہے، یہ شراب سے گریز اور اس کی ناپسندیدگی کی جانب اشارہ تھا، چند صحابہ کرام نے تو اسی وقت شراب نوشی ترک کر دی، البتہ تمام لوگوں نے دوری اختیار نہیں کی تھی۔

پہلی آیت درج ذیل تھی۔

يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا كَبَرٌ مِّنْ نَّفْعِهِمَا۔ (بقرہ-۲۱۹)

(پوچھتے ہیں: شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں

میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ منافع بھی ہے مگر

ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔)

اس کے بعد قرآن نے اس سے کچھ زیادہ سخت موقف اختیار کیا، اور شراب سے

نفرت و ناپسندیدگی اور گلو خلاصی کی ترغیب کچھ اور سخت انداز سے دی، کچھ صحابہ کرام نشہ

کی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے قرآن پڑھنے میں غلطی کر جاتے تھے، قرآن نے نشہ کی حالت میں نماز کے قریب آنے کو بھی حرام قرار دے دیا جو گویا اوقات نماز میں شراب کی حرمت کا اعلان تھا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى
حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ - (نساء- ۴۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، نماز اس وقت پڑھنی چاہئے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔)

دن کے پانچ اوقات جو شب و روز کے بیشتر حصے کو سمیٹ لیتے ہیں، کے اندر شراب نوشی کی حرمت دراصل بالکلہ شراب نوشی سے گریز کی مشق تھی، اس حکم کے بعد مسلمان نفسیاتی طور پر اگلے مرحلہ میں یعنی مکمل طور پر شراب نوشی سے گریز کے لیے تیار ہو چکے تھے تب قرآنی آیت نازل ہوئی اور شراب کو قطعی حرام قرار دے دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ
وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ، إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
عَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ - (مائدہ- ۹۰)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جو اور یہ آستانے اور پانے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟)

حرمت شراب کے سلسلہ میں قرآن کے تدریجی اسلوب نے شراب کی محبت ان کے دلوں میں کمزور کر دی، اور اس کی رغبت و رجحان کی جگہ اس سے نفرت و ناپسندیدگی کا جذبہ پیدا کر دیا، جو بتدریج اپنی مطلوبہ منزل تک پوری کامیابی کے ساتھ پہنچ گیا، اور جب

حرمت شراب کا قطعی و فیصلہ کن حکم نازل ہوا تو مسلمانوں نے حکم سنتے ہی شراب کے ٹکے توڑ دیئے اور مدینہ کی گلیوں میں شراب بننے لگی، مدینہ میں آکر دلوں میں ایمان کے رسوخ کے بعد حکم قرآنی کا جو اثر مسلمانوں پر ہوا، اگر یہی حکم مکی دور میں دعوت اسلامی کے آغاز میں نازل ہوا ہوتا تو ہمارے خیال میں یہی اثر انگیزی ان پر نہ ہوتی، شراب کی تدریجی حرمت نے انہیں اس درجہ نفسیاتی طور پر تیار کر دیا تھا کہ صرف حکم سنتے ہی وہ پوری طرح شراب سے علاحدگی کے لیے سراپا تسلیم تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سب سے پہلے قرآن کریم کی سورت نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا تذکرہ تھا، جب لوگوں کے دلوں میں اسلام جاگزیں ہو گیا تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے، اگر شروع ہی میں حکم دیا جاتا کہ شراب مت پو، تو کہتے: ہم تو کبھی شراب نہیں چھوڑیں گے، اور کہا جاتا کہ زنا مت کرو، تو جواب دیتے: ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے۔ لہ

عربوں میں سود کا چلن عام تھا، قرآن نے اس کی حرمت کے لیے بھی تدریجی طریقہ اپنایا، سود کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی، اسے ہم چار مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ لہ

پہلے مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے سود کے تئیں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا: وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رَبِّا لِيَرْبُوْا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (روم- ۳۹)

(جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا۔)

دوسرے مرحلہ میں نازل ہونے والی آیت میں سود خوری پر یہود کو وعید سنائی گئی، جو سود کی حرمت کی طرف اشارہ تھا، ابھی صراحتاً حرمت نہیں آئی تھی:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ كَيْبَاتِ
اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّاَخَذِهِمْ

لہ فتح الباری، شرح بخاری 48/19

مہ مصطفیٰ الرافعی، الاسلام و مشکلات العصر، دار الکتاب العربی، بیروت 1972، صفحہ 200

الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ
 اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔ (نساء۔ ۱۶۰، ۱۶۱)

(غرض ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویوں کی بنا پر اور اس بنا پر کہ
 یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور سود لیتے ہیں جس سے
 انہیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں، ہم
 نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے اوپر حلال
 تھیں، اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ہم نے ان کے لیے دردناک
 عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

تیسرے مرحلے میں سود فاحش کی حرمت نازل ہوئی جس کا دور جاہلیت میں عربوں
 کے اندر رواج تھا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً
 وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (آل عمران۔ ۱۳۰)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور

اللہ سے ڈرو امید ہے، فلاح پاؤ گے۔)

چوتھے مرحلے میں سود کی قطعی حرمت نازل ہو گئی۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِينَ
 يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكِ بَانَ لَهُمْ قَالُوا إِنَّمَا
 الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ
 مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ
 عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، يَمْحَقُ
 اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
 أَثِيمٍ۔ (بقرہ۔ ۲۷۵، ۲۷۶)

(مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے

شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی

وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ”تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے“

حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہذا جس شخص

کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لیے وہ سود خواری سے باز آجائے تو وہ جو کچھ کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس حکم کے بعد پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے بد عمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ - (بقرہ- ۲۷۸، ۲۷۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے، اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو تم اپنا اصل سرمایہ لینے کے حقدار ہو، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔)

پہلی آیت جس میں سود کی ناپسندیدگی کی طرف اللہ نے اشارہ فرمایا ہے، مکہ میں نازل ہوئی، دوسری تمام آیات خصوصاً سود کی حرمت قطعی والی آیت مدینہ میں نازل ہوئی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ سود کی حرمت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔

حرمت سود اور شراب کے مسئلہ میں قرآن کریم نے تدریجی عمل کا اسلوب اپنا کر دونوں کی نفرت اس درجہ دلوں میں پیدا کر دی جو پسند و محبت پر غالب آگئی، اور اس طرح قرآن کریم نے پوری کامیابی کے ساتھ عربوں کے ان دونوں قدیم رواج و عادات کو اکھاڑ پھینکا اور کمال حکمت و باریکی سے منصوبہ بند طریقہ پر ان کا خاتمہ کر دیا۔

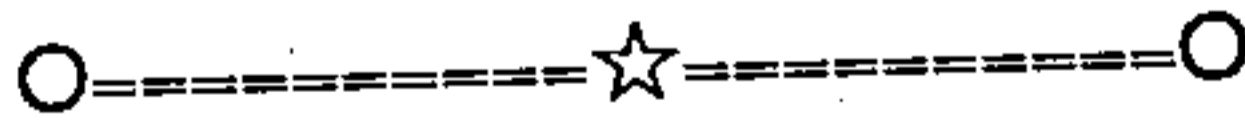
موجودہ وقت میں نفسیاتی علاج کے بعض ماہرین نے اسکینر (Skinner) کی تحقیقات کی روشنی میں نفسیاتی علاج کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے، جو قرآن میں شراب و سود کی حرمت کے لیے اختیار کردہ اسلوب سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے، نفسیاتی علاج میں یہ طریقہ

”تشکیل“ کے نام سے جانا جاتا ہے، تشکیل کے طریقہ سے تبدیلی عمل کی مثال دیکھئے، ذہنی امراض کے ایک اسپتال میں ایک ذہنی مریض ہے، مریضوں پر تجربات کرنے کے لیے اسپتال کا ایک خاص کمرہ ہے، جس میں داخل ہونے سے وہ ذہنی مریض انکار کرتا ہے، وہ کمرہ اسپتال کی زیریں منزل پر واقع ہے، مریض کو کمرہ میں داخل کرنے کے لیے جو طریقہ اپنایا جاتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مریض کو اس کی پسندیدہ اور محبوب چیزیں اس کے ایسے فعل پر بطور انعام پیش کی جاتی ہیں جسے انجام دیتے ہوئے رفتہ رفتہ وہ مطلوبہ عمل پر آمادہ ہو جاتا ہے، مثلاً مریض جوں ہی اپنا سر اس دروازہ کی طرف موڑتا ہے جس سے گزر کر ایک زینہ زیریں منزل تک جاتا ہے، معالج فوراً ہی اس کی پسندیدہ شیرینی اسے پیش کرتا ہے، مریض پھر جلد ہی دوبارہ دروازہ کی طرف رخ کرتا ہے اور معالج بھی فوراً شیرینی اسے پیش کر دیتا ہے، چند بار کے اس طرح عمل کے بعد مریض دروازہ کے سامنے آ جاتا ہے، مشق کے اس مرحلہ کی تکمیل کے بعد معالج اس عمل پر شیرینی دینا بند کر دیتا ہے اور اسی وقت شیرینی اس کی طرف بڑھاتا ہے جب وہ دروازہ کی جانب ایک بار قدم اٹھاتا ہے۔ اس طرح دروازہ کی جانب ہر قدم پر شیرینی دینے کے چند بار کے عمل کے بعد معالج شیرینی روک لیتا ہے اور جب مریض زیریں منزل کو جانے والے زینہ کی طرف قدم بڑھاتا ہے تب وہ شیرینی پیش کرتا ہے، اس طرح چند دنوں تک علاج جاری رہنے کے بعد مریض بذات خود زینہ اتر جاتا ہے اور تجربہ گاہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ لہ

بچوں کو بعض دشوار قسم کی آمادگیاں سکھانے میں بھی یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے اور بتدریج ان کے اندر آمادگی پیدا کی جاتی ہے، مثلاً ایک بچہ جو صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتا اور ضرورت کے وقت استنجا خانہ کا استعمال نہیں کرتا، حالانکہ اب وہ عمر کے اس مرحلہ میں پہنچ چکا ہے جب عموماً بچے یہ چیز سیکھ چکے ہوتے ہیں، ایسے بچے کی تعلیم کا طریقہ ہم یوں اپنا سکتے ہیں کہ صرف ہاتھ روم چلنے پر اسے کوئی مٹھائی دی جائے اور ایسا کرنے پر پہلے سے زیادہ مٹھائی اسے دی جائے، اور والدین اس کی خوب تعریف کریں، پھر جب وہ

باتھ روم جانے کی ضرورت والدین سے بتائے تو اسے اور بھی اچھا تحفہ و انعام دیا جائے۔
 اسلئے یہ اسلوب علاج دراصل مطلوبہ آمادگی سے پہلے درمیانی درجہ کی متعدد آمادگیوں سے
 بتدریج گزار کر آخری مطلوبہ آمادگی تک لاتا ہے، علاج کا یہ اسلوب قرآن کے اس
 اسلوب سے مشابہ ہے جو شراب نوشی و سود خواری کے علاج کے لیے اپنایا گیا ہے۔
 Joseph Wolpe نے بھی مخصوص چیزوں سے خوف کے علاج میں اسی طریقہ تدریج کو
 اپنایا ہے، مثلاً جس چیز سے خوف ہے، اس سے ملتی جلتی چیزوں کو تدریجی سلسلہ میں پیش
 کر کے ان سے انسیت و بے خونی پیدا کی جاتی ہے، البتہ یہ سلسلہ وار چیزیں خوف کے
 درجہ میں بتدریج کم سے زائد کی طرف بڑھتی ہیں، سب سے کم درجہ کے خوف والی چیز
 سے آغاز کرتے ہوئے انتہاء میں خوف پیدا کرنے والی وہ اصل چیز لائی جاتی ہے، جس سے
 بے خونی کا علاج مقصود ہوتا ہے، چنانچہ ابتداء میں اس سلسلہ کی سب سے معمولی و ابتدائی
 چیز کا تصور فرد کے سامنے لایا جاتا ہے اور اس سے بے خونی و اطمینان اس کے اندر پیدا کیا
 جاتا ہے تاکہ اس کا خوف ختم ہو جائے پھر سلسلہ کی درمیانی چیز سے انسیت پیدا کرنے کے
 مرحلہ میں علاج آتا ہے، اور بار بار علاج کے ذریعہ اس سے بے خونی ہو جاتی ہے، اس
 طرح خوف پیدا کرنے والی اسی جیسی چیزوں کو تدریجی سلسلہ میں پیش کر کے ان سے بے
 خونی پیدا کرتے ہوئے سلسلہ کے آخر میں اصل اس چیز سے بے خوف بنایا جاتا ہے جو اس
 کے لیے خوفناک تھا۔ ۱۷

دشوار آمادگیوں کی تعلیم یا ناپسندیدہ و غلط عادات و رواج سے گلوخلاصی کے لیے
 نفسیاتی علاج میں اختیار کیا جانے والا یہ تدریجی اسلوب جس تک جدید ماہرین نفسیات نے
 اب رسائی حاصل کی ہے، قرآن کریم نے چودہ صدی پیشتر ہی شراب و سود سے علاج کے
 اندر اسے اپنایا تھا۔



۱۷ جولیان روتر، علم النفس الاکلیکی ترجمہ عطیہ محمود، دارالشرق، بیروت 1984،
 صفحہ 109-160

۱۸ ا۔ تشادرم شوین، علم الامراض النفسیة العقلیة، ترجمہ احمد عبدالعزیز سلامہ، دارالینفہ،
 اسویہ، قاہرہ 1979، صفحہ 846-854

علم لدنی اور قرآن

الہام اور خواب

حقائق کی معرفت اور علوم کی تحصیل کے باب میں انسانی عقل کی قدرت محدود ہے نہ وہ کائناتی حقائق کا ادراک کر سکتی ہے اور نہ اپنی ذاتی کاوشوں سے غیبی حقائق کی معرفت حاصل کر سکتی ہے۔

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ (اسراء-۸۵)

(مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔)

اس حقیقت کے علاوہ عقل انسانی فکری غلطی کا شکار بھی ہوتی ہے، جس پر قدرے تفصیلی گفتگو گذشتہ فصل چہارم میں ہو چکی ہے اور غفلت و نسیان سے بھی وہ دوچار ہو جاتی ہے، اسی لئے انسان و کما فو کما اللہ کی ہدایت اور خیر و صلاح کی جانب اس کی رہنمائی کا محتاج رہتا ہے، جو انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ یا الہام و خواب کے ذریعہ ہوتی ہے، تاریخ کے مختلف ادوار میں اللہ نے اپنے جو انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے لوگوں کی ہدایت، شعائر دین کی تعلیم اور راہ نجات کی رہنمائی ہی ان کا فریضہ تھا:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ وَ
مُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ (بقرہ-۲۱۳)

(ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے۔)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ
اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔ (نحل-۳۶)

(ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے
سب کو خبردار کر دیا کہ ”اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے
بچو۔“)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ
وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (حدید-۲۵)

(ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے
ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ
انصاف پر قائم ہوں۔)

علم لدنی لہ جو الہام اور خواب کے ذریعے حاصل ہوتا ہے کوئی انبیاء اور رسولوں
کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ دوسرے ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو صلاح و تقویٰ
صفائی قلب اور روحانی پاکیزگی کی مقررہ صفات سے آراستہ ہوں۔

الہام، علم کی ایک قسم ہے جس سے اللہ تعالیٰ انسان کو نوازتا ہے، وہ انسان کے
قلب میں ڈالتا ہے، جس سے کچھ اسرار و حقائق اس کے سامنے واشکاف ہو جاتے ہیں،
قرآن کریم میں متعدد آیات کے اندر اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسولوں
کو علم لدنی سے نوازا تھا، اس کی مثال سورہ انبیاء میں حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما
السلام کے تعلق سے ہے، ان کے پاس دو اشخاص فیصلہ کرانے آئے، ایک کی شکایت تھی
کہ دوسرے شخص کی بکریوں نے اس کے کھیت کو چر کر برباد کر دیا ہے، حضرت داؤد علیہ
السلام نے فیصلہ کیا کہ کھیت کا مالک بکریاں لے لے، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے دل
میں بات ڈالی کہ کھیت کا مالک بکریوں کے دودھ، بچوں اور اون سے اس وقت تک فائدہ
اٹھاتا رہے گا جب تک اس کی کھیتی تیار نہ ہو جائے پھر بکریاں ان کے مالک کو واپس کر
دے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی رائے حضرت داؤد علیہ السلام کو راجح محسوس ہوئی،
اور انہوں نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرتے ہوئے حضرت سلیمان کی رائے اختیار کر لی۔

لہ علم لدنی و علم ربانی ہے جو الہام کے ذریعہ انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ (دیکھئے العجم الویسط)

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ
فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا
سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آيَاتِنَا حُكْمًا وَعِلْمًا۔ (انبیاء-۷۸، ۷۹)

(اور اسی نعمت سے ہم نے داؤد کو سرفراز کیا، یاد کرو وہ موقع جب
کہ وہ دونوں ایک کھیت کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں
رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں، اور ہم ان کی
عدالت خود دیکھ رہے تھے اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھادیا
حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا۔)

دوسری مثال حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی تعلیم کی ہے، حضرت داؤد ہی
نے سب سے پہلے زرہ بنائی:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤْسٍ لَّكُمْ لِيُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ
فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ۔ (انبیاء-۸۰)

(اور ہم نے اس کو تمہارے فائدے کے لیے لباس (زرہ) بنانے کی
صنعت سکھادی تھی تاکہ تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائے، پھر کیا تم
شکر گزار ہو۔)

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ۔
(بقرہ-۲۵۱)

(اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن
چیزوں کا چاہا، اس کو علم دیا۔)

الہام کے ذریعہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر سکھائی گئی:

وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ
الْآحَادِيثِ۔ (یوسف-۶)

(اور ایسا ہی ہوگا (جیسا تم نے خواب میں دیکھا ہے کہ) تیرا رب
تجھے (اپنے کام کے لیے) منتخب کرے گا اور تجھے باتوں کی تہہ تک پہنچنا
سکھائے گا۔)

وَكَذَلِكَ فَكَنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ
الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُونَ وَكَمَا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ - (يوسف - ۲۱-۲۲)

(اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے اس سرزمین میں قدم جمانے کی صورت نکالی اور اسے معاملہ فہمی کی تعلیم دینے کا انتظام کیا، اللہ اپنا کام کر کے دیتا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے فیصلہ اور علم عطا کیا، اس طرح ہم نیک لوگوں کو جزاء دیتے ہیں۔)

قرآن ذکر کرتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دو قیدی ساتھیوں کو خواب کی تعبیر بتائی، غیب کے علم اور پیش آنے سے پہلے واقعہ کی اطلاع دینے کی قدرت کے بارے میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان چیزوں کی تعلیم دی ہے اور وحی کے ذریعہ سکھایا ہے:

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِيهِ إِلَّا نَبَأٌ كَمَا بَتَأْوِيلِهِ
قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي - (يوسف - ۳۷)
(یوسف نے کہا: ”یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا“ یہ ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کئے ہیں۔“)

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اپنے بھائیوں سے کہا کہ وہ ان کی قمیص لے کر جائیں اور ان کے والد کے چہرہ پر ڈال دیں، ان کی بینائی لوٹ آئے گی، تو وہ الہام الہی کے ذریعہ پہلے ہی سے واقف تھے کہ چہرہ پر قمیص ڈالنے کے بعد ان کی بینائی لوٹ آئے گی:

إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ
بَصِيرًا - (يوسف - ۹۳)

(جاؤ میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے منہ پر ڈال دو، ان کی بینائی پلٹ آئے گی۔)

اور حضرت یعقوب علیہ السلام بھی الہام الہی کے ذریعہ اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بہت کچھ وہ باتیں جانتے تھے جن سے ان کے بھائی ناواقف تھے:

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (یوسف-۸۶)

(اس نے کہا ”میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو۔)

فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ الْفَأَهُ عَلَى وَجْهِهِ فَأَرْتَدَّ بِصَبْرًا
قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔
(یوسف-۹۶)

(پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے یوسف کا کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا یکایک اس کی بینائی عود کر آئی تب اس نے کہا ”میں تم سے کہتا نہ تھا؟ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ۔ (یوسف-۶۸)

(بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا۔)

رسول کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ

تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔ (نساء-۱۱۳)

(اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا

ہے جو تمہیں علم نہ تھا اور اس کا فضل تم پر بہت ہے۔)

قرآن کریم کی متعدد آیات میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ انبیاء اور رسولوں کو علم و حکمت بتائی۔

علم لدنی کی بہت نمایاں مثال سورہ کہف میں اس صالح بندہ سے متعلق ہے جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رفاقت سفر کی درخواست کی تاکہ ان سے سیکھ سکیں:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ

عَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا، قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ
تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ (کہف- ۶۵-۶۶)

(اور وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا، موسیٰ نے اس سے کہا ”کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔“)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی اور رسول تھے لیکن اس کے باوجود انہیں ان چیزوں کا علم نہیں تھا جن سے اللہ تعالیٰ نے اس صالح بندے کو نواز رکھا تھا اور ان کے سامنے غیب کے بعض اسرار و اشکاف کر دیئے تھے جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نا آشنا تھے، اللہ تعالیٰ نے صالح بندہ کو بتا دیا تھا کہ دریا کی دوسری جانب ایک بادشاہ کشتیوں کی تلاش میں ہے اور ان پر قبضہ کر لیتا ہے، اس لیے غریب و مسکین شخص کی کشتی میں انہوں نے سوراخ کر دیا تاکہ معیوب ہو جانے کی وجہ سے ظالم بادشاہ کے دست برد سے محفوظ رہ جائے، انہیں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ جس لڑکے کو انہوں نے قتل کر دیا، آگے چل کر وہ اپنے نیک والدین کے لیے پریشان کن بنتا، اللہ تعالیٰ والدین کو اس لڑکے کے بدلہ دوسرا نیک لڑکا عطا کرنا چاہتا تھا، انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ جو دیوار عنقریب گرنے والی تھی، اس کے نیچے شہر کے دو غریب بچوں کی دولت دفن تھی، ان دونوں کے والد نیک انسان تھے، انہوں نے دیوار کھڑی کر دی تاکہ دولت محفوظ رہے اور بچے بڑے ہو کر انہیں نکال لیں، نیک بندہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے، اپنی جانب سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے:

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي۔ (کہف- ۸۲)

(میں نے کچھ اپنے اختیار سے نہیں کر دیا ہے۔)

قرآن کی متعدد آیات بتاتی ہیں کہ وحی اور الہام انبیاء اور رسولوں کے لیے علاوہ دوسروں کو بھی ہو سکتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہوا:

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مَا يُوحَىٰ أَنْ أَقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ

فَأَقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ۔ (طہ- ۳۸، ۳۹)

(یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے تیری ماں کو اشارہ کیا (ایسا اشارہ جو وحی

کے ذریعہ ہی سے کیا جاتا ہے) کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور
صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلَىٰ اُمِّ مُوسَىٰ اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ
فَالْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَاٰوَهُ اِلَيْكَ وَ
جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ - (قصص - ۷)

(ہم نے موسیٰ کی ماں کو اشارہ کیا کہ ”اس کو دودھ پلا پھر جب
تمہیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف
اور غم نہ کر، اسے تیرے ہی پاس لے آئیں گے اور اس کو پیغمبروں میں
شامل کریں گے۔)

حواریوں کو اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے
آئیں:

وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيْنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِى وَ بِرَسُوْلِيْ قَالُوْا
اٰمَنَّا وَ اَشْهَدُ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ - (مائدہ - ۱۱۱)

(اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول
پر ایمان لاؤ تب انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم
مسلم ہیں۔)

قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ ایمان، تقویٰ اور اللہ کی عبادت میں اخلاص اور ان کے
نتیجہ میں پیدا ہونے والی صفائی قلب اور پاکیزگی روح انسان کو اس لائق بنا دیتی ہے کہ وہ
اللہ کی جانب سے وحی و الہام حاصل کر سکے اور حق و خیر، فضیلت اور ہدایت کی راہ پر
گامزن ہو سکے:

وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادْهُمْ هُدًى وَ اِلْتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ -
(محمد - ۱۷)

(وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت
دیتا ہے اور انہیں ان کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔)

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فَاِنَّا لَنَهْدِيْهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ
الْمُحْسِنِيْنَ - (عنکبوت - ۶۹)

(جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکو کاروں کے ہی ساتھ ہے۔)
 وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ (بقرہ-۲۸۲)
 (اللہ کے غضب سے بچو۔ وہ تم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے۔)

حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کو الہام ہوتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم سے پہلی امتوں میں کچھ ایسے لوگ ہوتے تھے جن پر الہام ہوا کرتا تھا، اگر میری امت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمر ہے۔“ ۱۔ ایک دوسری حدیث جسے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے امام احمد اور بزاز نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے عمر کے قلب و زبان پر حق جاری کر دیا۔“ ۲۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ پاکیزگی قلب کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، جس نے انہیں الہامات الہی قبول کرنے کے قابل بنا دیا تھا۔

کبھی لوگوں کو الہام فرشتوں کے ذریعہ ہوتا ہے، جسے صوفیاء کرام ملکوتی خیال کہتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ ”قلب کے اندر دو اشارے ہوتے ہیں، ایک اشارہ فرشتہ کی جانب سے ہوتا ہے، وہ خیر کی رہنمائی اور حق کی تصدیق کرتا ہے، جو اپنے دل میں ایسا محسوس کر لے، سمجھ لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس پر اللہ کی حمد بجالائے، دوسرا اشارہ دشمن کی طرف سے ہوتا ہے، جو شرکی رہنمائی، حق کی تکذیب کرتا اور خیر سے رکاوٹ بنتا ہے، جو اپنے قلب میں ایسا محسوس کرے وہ شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرے۔“ ۳۔

جدید ماہرین نفسیات نے الہام الہی کو موضوع نہیں بنایا ہے، وہ انوکھی فکر و خیال کا مطالعہ کرتے وقت ”الہام“ یا ”اشراق“ کی اصطلاح وہ ایسے افکار کے لیے استعمال کرتے

۱۔ فتح الباری، بخاری، کتاب اصحاب النبی، حدیث 3689

۲۔ سعید حوی حوالہ سابق صفحہ 154

۳۔ حوالہ سابق صفحہ 155

ہیں جو بعض مسائل پر غور کرتے ہوئے اچانک کچھ مفکرین کے ذہن میں ابھر آتے ہیں، اس نوع کے الہام کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ خود مفکر کی عقل سے وہ نکلتا ہے، کسی خارجی سرچشمہ سے فیضان پانے والی کوئی چیز نہیں ہے، جب کوئی انسان کسی مسئلہ پر طویل عرصہ تک غور و فکر کرتا رہتا ہے، لیکن کسی حد تک رسائی نہیں ہوتی تو عموماً وہ کچھ عرصہ کے لیے ادھر سے ذہن ہٹا لیتا ہے اور ذہن کو آرام کے لیے چھوڑ دیتا ہے، پھر دوبارہ اس پر غور شروع کرتا ہے، آرام کے اس وقفہ، جسے ماہرین نفسیات و فقہ پرورش کا نام دیتے ہیں، میں فکری عمل کے اندر اہم تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اول تو فکر ان الجھنوں سے خالی ہو جاتی ہے جو حل تک پہنچنے میں رکاوٹ بن رہی ہوتی ہیں، دوم، مسلسل فکری عمل کی وجہ سے ذہن کو جو تکان لاحق ہو جاتی ہے، اس سے ذہن کو آرام مل جاتا ہے، اور جب وہ غور شروع کرتا ہے تو ذہن پوری طرح تروتازہ اور نکھرا ہوا ہوتا ہے۔ سوم، معلومات کے اندر ترتیب پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بعض ایسے تعلقات واضح ہو جاتے ہیں جو اب تک واضح نہیں تھے، نئے افکار سامنے آ جاتے ہیں اور مسئلہ کا حل نکل آتا ہے، کچھ ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ مسئلہ کے سلسلہ میں ایک قسم کی لاشعوری فکر پیدا ہو جاتی ہے اور بظاہر کچھ عقلی سرگرمی کسی طور جاری رہتی ہے۔ لہ

الہام کی سائنسی تشریح، جسے انوکھی فکر کی تشریح کرتے ہوئے ماہرین نفسیات اختیار کرتے ہیں اور دینی تشریح میں فی الواقع کوئی تعارض نہیں ہے، ماہرین نفسیات اس کی تشریح کرتے ہوئے دماغ کے عضویاتی اعمال اور ان سے وابستہ نفسیاتی اعمال کی سرحد پر ٹھہر جاتے ہیں جبکہ دینی نقطہ نظر ماہرین نفسیات کی بیان کردہ عضویاتی اور نفسیاتی کیفیات کو تسلیم کرتے ہوئے اس سرحد سے اور آگے بڑھتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ رب العزت جو کائنات کے ہر ذرہ پر کنٹرول رکھتا ہے اور ان کی تدبیر کرتا ہے، وہ اپنی مشیت سے کچھ لوگوں کے اندر فکری عمل کو اس طرح حرکت دیتا ہے کہ بعض وہ حقائق ان کے سامنے واشگاف ہو جاتے ہیں، جن کے تئیں اللہ تعالیٰ انہیں الہام کرنا چاہتا ہے، پھر وہ حقائق اس طرح نمایاں ہو جاتے ہیں گویا اچانک ان کے ذہن روشن ہو گئے ہوں، بسا اوقات اللہ اپنی

مشیت کے مطابق غور و فکر کے اوقات کے علاوہ بھی الہام کرتا ہے، جیسے انبیاء و رسول اور صالح بندوں کو جس وقت چاہتا ہے الہام وحی کرتا ہے۔

قدیم مسلم ماہرین نفسیات نے ”الہام“ کی جو تشریح کی ہے وہ اس کے دینی مفہوم اور قرآنی تفصیل سے ہم آہنگ ہے مثلاً ابن سینا، وحی و الہام جو بعض لوگوں کو بیداری یا نیند کی حالت میں خواب کی صورت میں ہوتا ہے، کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ نفس کے ساتھ ملکوت یا ملا اعلیٰ کے اتصال سے وجود میں آتا ہے، اور اسی کی طرف سے وحی و الہام حاصل ہوتا ہے۔ لہ

اللہ کی مشیت جس طرح کچھ لوگوں کی فکر کو وحی و الہام کے ذریعہ ہدایت یابی کی طرف پھیر دیتی ہے، اسی طرح بسا اوقات اس کی مشیت کچھ دیگر لوگوں کی فکر کو ان کی غفلت و سرکشی اور استکبار کے سبب حق سے دور بھی کر دیتی ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كَلَّآئَةً لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا
يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَلِكَ
بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ۔
(اعراف-۱۳۶)

(میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بنتے ہیں، وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے، اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروائی کرتے رہے۔)

لہ محمد عثمان نجاتی، الادراک الحس عند ابن سینا، بحث فی علم النفس عند العرب، دار الشروق

بیروت 1980، صفحہ 216

خواب

خواب لوگوں میں عام اور مانوس نفسیاتی کیفیت ہے۔ مفکرین اور اہل علم نے تاریخ کے ہر دور میں خواب کی تشریح اور اس کے اسباب کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ خواب کی مختلف تشریحات کی گئی ہیں، کچھ خواب ان احساسات کا نتیجہ ہوتے ہیں جو انسان نیند کے اندر محسوس کر رہا ہوتا ہے، اس طرح کے احساسات کبھی تو اس کے حواس پر اثر انداز ہونے والے خارجی اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں، کچھ خواب بیداری کی حالت میں مسلسل کسی فکر میں مشغولیت کا نتیجہ ہوتے ہیں جبکہ کچھ خواب گذشتہ واقعات کی یاد ہوتے ہیں، خواب کی تشریح میں ماہرین نفسیات کے درمیان فرائیڈ کا نظریہ سب سے زیادہ مشہور ہے جس کے مطابق خواب انسان کے لاشعوری محرکات کی تعبیر و اظہار کا رمزاتی طریقہ ہے۔

خواب سے متعلق ماہرین نفسیات کی تحقیقات بس انہیں اقسام کا تذکرہ کرتی ہیں جو اوپر بیان ہوئیں، خصوصاً نظریہ فرائیڈ کے مطابق لاشعوری محرکات کی تعبیر والی قسم کا ذکر ملتا ہے۔

جدید ماہرین نفسیات نے ان خوابوں پر گفتگو نہیں کی ہے جو پیشگوئی کی قسم سے ہوتے ہیں، یا سچے خواب ہوتے ہیں اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کو بتاتے ہیں، گرچہ خواب کی یہ قسم کچھ ہی لوگوں کو پیش آتی ہے جیسا کہ مذاہب کے اندر اس کا ذکر ملتا ہے۔

قرآن کریم نے خواب پریشاں کا ذکر کیا ہے، یہ خواب پریشاں پیچیدہ و الجھے ہوئے خواب ہوتے ہیں لہ۔ خواب پریشاں کا ذکر کر کے قرآن کریم نے غالباً خواب کی ان تمام اقسام کی جانب اشارہ کیا ہے، سچے خواب کے لیے قرآن کریم نے ایک خاص لفظ ”رویا“ کا استعمال کیا ہے، جو انبیاء و رسولوں اور دوسرے افراد کو وحی و الہام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دکھاتا ہے، یا آئندہ پیش آنے والے کسی واقعہ کی خبر ہوتی ہے، اس کی مثال حضرت

لہ ذکسری ”العجم الویسط“ کے مطابق الجھے ہوئے چیدہ خواب جن کی تعبیر دشوار ہو،
اَصْنَعَاتُ الْاِطْلَامِ ”کھلاتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرتے ہوئے دیکھنے کا خواب ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ
إِنِّي أَدْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا بَتَّ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ
سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ
يَلُوحِيْنٍ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا
كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ - (صافات- ۱۰۲، ۱۰۵)

(وہ لڑکا جب اس کے ساتھ دوڑدھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو
(ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا ”بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں
تھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا تیرا کیا خیال ہے؟“ اس نے کہا ”اباجان،
جو چھ آپ کو حکم یا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے آپ انشاء اللہ مجھے
صابروں میں سے پائیں گے۔“ آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر
دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا اور ہم نے ندا دی کہ اے
ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسے ہی جزا دیتے
ہیں۔)

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی ایسا ہی خواب دکھایا گیا تھا:

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا
تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْ دُونِكِ فَيُكِيدُوكَ كَيْدًا إِنَّ
الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ - (يوسف- ۵، ۴)

(اس وقت کا ذکر ہے جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا ”اباجان،
میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں
اور وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں“ جواب میں اس کے باپ نے کہا ”بیٹا، اپنا
یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں
گے، حقیقت یہ ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔“)

یہ خواب اس طرح حقیقت کی شکل میں ظاہر ہوا جب حضرت یوسف علیہ السلام

نے اپنے والدین اور بھائیوں کو بلایا تو وہ سامنے آ کر احترام و استقبال کے لیے سجدہ بجا لائے:

وَرَفَعَ أَبْوَيْهَ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا، وَقَالَ يَا
أَبْتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا.
(یوسف - ۱۰۰)

(شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے۔ یوسف نے کہا ”ابا جان یہ تعبیر ہے میرے اس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا۔“

اس قسم کا خواب رسول اللہ ﷺ نے بھی سفر حدیبیہ کے سال دیکھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا:

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ أَنْشَاءَ اللَّهِ أُمِينِينَ مُحَلِّقِينَ رُؤُوسِكُمْ وَ
مُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ۔ (فتح - ۲۷)

(فی الواقع اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق تھا۔ انشاء اللہ تم ضرور مسجد حرام میں پورے امن کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سر منڈواؤ گے اور بال ترشواؤ گے اور تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔)

قرآن نے ان دونوں جوانوں کا خواب بھی ذکر کیا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں داخل ہوئے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر بھی ذکر کی گئی ہے لہٰذا شاہ مصر کے خواب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَ سَبْعَ
مُنْبَلَاتٍ خَضْرَاءٍ وَأَخْرِيًا يَابِسَاتٍ۔ (یوسف - ۴۳)

(سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی گائیں کھا رہی ہیں اور

اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سوکھی۔)

حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر بھی۔ لہ

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رویا اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور خواب شیطان کی جانب سے“ آپ نے فرمایا: نیک شخص کو نظر آنے والا رویا صادقہ نبوت کا چھپالیسواں حصہ ہے لہ

رویا کی قرآنی تفصیلات کا مسلم مفکرین کی آراء پر بڑا اثر ہے اور انہوں نے قرآن کے مطابق رویا کی تشریح کی ہے، علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:

”ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے سلیم بن عامر سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: خواب بھی عجیب شے ہے، انسان رات کو ایسی چیزیں دیکھتا ہے جس کا خیال بھی اس کے دل میں نہیں گزرا ہوتا ہے، اور اس کا خواب حقیقت بن کر سامنے آ جاتا ہے، جب کہ ایک انسان خواب دیکھتا ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: اے امیر المومنین! کیا میں آپ کو اس کے متعلق بتاؤں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى۔ (زمر-۴۲)

(وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اس کو روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔)

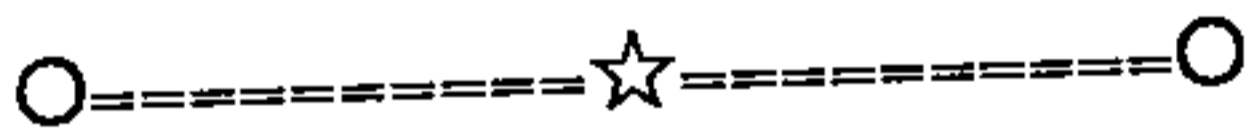
لہ یوسف 47-49

لہ محمد بن سیرین، منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام، حاشیہ بر کتاب معطیر الانام فی تعبیر المنام، عبدالغنی نابلسی مصر 1347ھ، صفحہ 2

اللہ تعالیٰ تمام نفوس کو بلا لیتا ہے، جو نفس اس وقت مشاہدہ کرتا ہے جب وہ آسمان میں اللہ کے پاس ہوتا ہے تو وہ رویائے صادقہ ہے، اور جو اپنے جسموں میں لوٹتے وقت دیکھتا ہے وہ جھوٹے خواب ہیں۔" ۱

رویاء کی تشریح میں مسلم فلاسفہ پر قرآن کا واضح اثر نظر آتا ہے، ابن سینا رویائے صادقہ کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ وہ نیند کے دوران نفس سے ملکوت یا ملا اعلیٰ کے اتصال اور اس سے حصول الہام و وحی کا نام ہے، پریشان خواب ان کی رائے میں جسمانی احساسات کی تاثیر سے پیدا ہوتے ہیں۔ ۲

انسانی کی روحانی قوت کے اسرار پر گفتگو کرتے ہوئے بعض اسکالروں نے یہ رائے دی ہے کہ نیند کے دوران انسان کی روح باہر نکل کر مختلف مقامات کی سیر و تفریح کرتی ہے، ان کے نزدیک دوران سیاحت روح جو کچھ دیکھتی ہے وہی خواب ہے ۳ یہ رائے مسلم مفکرین کی اس رائے کے تو موافق ہے کہ دوران نیند جسم سے روح نکل جاتی ہے لیکن آگے مسلم مفکرین کی اس رائے سے وہ مختلف ہے کہ روح نکل کر کبھی ملا اعلیٰ تک پہنچتی ہے اور رویائے صادقہ کی صورت میں وحی و الہام حاصل کرتی ہے، اور کبھی نہیں پہنچتی ہے، اس وقت جو کچھ دیکھتی ہے خصوصاً جبکہ وہ جسمانی احساسات سے متاثر ہو، وہ خواب پریشان ہے۔ مسلم مفکرین کی طرح روح کے جدید اسکالر رویائے صادقہ اور خواب پریشان کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں۔



۱ شہاب الدین آلوسی، روح المعانی، مطبعہ امیریہ بولاق مصر 1347ھ، صفحہ 2

۲ محمد عثمان نجاتی، الادراک الحسی عند ابن سینا، حوالہ سابق صفحہ 217

۳ عبدالرزاق نوفل القرآن والعلوم الحدیث دارالکتب العربی، بیروت 1973، صفحہ 96-99

قرآن اور تذکر و نسیان

انسانی زندگی میں تذکیر اور یاد دہانی کی بڑی اہمیت ہے، گذشتہ تعلیم اور سابقہ معلومات و تجربات کی یاد آئندہ پیش آنے والی نئی نئی مشکلات کے حل میں معاون بنتی ہیں، نیز نئی معلومات کی دریافت اور نئے حقائق کی تحقیق کے ذریعہ پیش گامی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جو تہذیبی و علمی ترقی کی اہم کلید ہے۔

انسان کی علمی اور عملی زندگی میں تذکر کی اہمیت کے ساتھ ساتھ دینی پہلو سے بھی اس کی عظمت شان ہے، زندگی کے اندر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نوبہ نونعت و فضل، آخرت، یوم حساب اور اس کے ثواب و سزا کی ہمیشہ یاد انسان کے لیے بہت ہی اہمیت رکھتی ہے، وہ اسے تقویٰ، عمل صالح اور حسن اوصاف سے آراستگی پر آمادہ کرتی ہے، تذکر انسان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں یکساں طور پر مفید ہے، قرآن کریم نے متعدد آیات میں اللہ کی یاد، مخلوقات میں بکھری اس کی نشانیوں کے تذکر، انبیاء کی لائی ہوئی ہدایت و روشنی کی یاد، ان کی بشارتوں اور ان کی وعیدوں کے تذکر کی ترغیب دی ہے، قرآن کریم میں بار بار نوع ذیل کے جملے آئے ہیں۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے) لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (شاید کہ وہ ہوش میں آئیں) قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ (تم نصیحت کم ہی مانتے ہو) اَفَلَا يَذَكَّرُونَ (کیا وہ لوگ سبق نہیں لیتے) لَعَلَّهُمْ يَذَكَّرُونَ (شاید کہ وہ نصیحت مانیں) قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (تم کم ہی نصیحت مانتے ہو) وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ (اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں) انما تَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ (عقل و فکر رکھنے والے ہی سبق لیتے ہیں) وَمَا يَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ (اور صرف عقل و فکر رکھنے والے ہی سبق لیتے ہیں)۔

قرآن کریم کی متعدد آیات میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ لوگوں کو عقیدہ توحید، دوبارہ زندگی، آخرت کا

حساب اور انبیاء سابقین کی بھولی ہوئی تعلیمات یاد دلائیں۔

اس طرح کی چند آیات درج ذیل ہیں۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ
لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ
رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ۔
(اعراف-۳۲)

(یہ ایک کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، بس اے نبی، تمہارے دل میں اس سے کوئی جھجک نہ ہو اس کے اتارنے کی غرض یہ ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے (منکرین کو) ڈراؤ اور ایمان لانے والے لوگوں کو نصیحت ہو۔ لوگو جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔)

هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ
وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرُوا أُولَئِكَ الْبَابِ۔ (ابراہیم-۵۲)

(یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لیے کہ ان کو اس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آ جائیں۔)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِنْ
رَبِّكَ لِنُنذِرَ قَوْمًا مَّا آتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُونَ۔ (قصص-۳۶)

(اور تم طور کے دامن میں بھی اس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو پہلی مرتبہ) پکارا تھا، مگر یہ تمہارے رب کی رحمت ہے کہ تم کو یہ معلومات دی جا رہی ہیں) تاکہ تم ان لوگوں کو متنبہ کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہوش میں آئیں۔)

فَإِنَّمَا يَسْرُنَاهٗ بِلِسَانِكَ كَعَلَّهٖمْ يَتَذَكَّرُونَ-

(دخان-۵۸)

(اے نبی! ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں سہل بنا دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔)

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعَبِيدِ- (ق-۳۵)

(بس تم اس قرآن کے ذریعہ سے ہر اس شخص کو نصیحت کر دو جو میری تنبیہ سے ڈرے۔)

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ- (ذاریات-۵۵)

(البتہ نصیحت کرتے رہو؛ کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کے لیے

نافع ہے۔)

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ- (غاشیة-۲۱)

(اچھا تو (اے نبی) نصیحت کئے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے

ہو۔)

نسیان

بھول انسان کی ایک دشواری ہے جو اس کے لیے نقصان دہ بھی ہے اور مختلف مواقع پر مشکلات زندگی کے تین صحیح موقف اپنانے میں رکاوٹ بھی بنتی ہے، قرآن کریم نے بہت ساری آیات میں نسیان کا ذکر کیا ہے، اگر ہم ان آیات پر نظر ڈالیں اور ان کے معانی پر غور کریں تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ نسیان کئی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ انہیں درج ذیل قسموں میں ہم رکھ سکتے ہیں۔

(۱) بھول جو واقعات، اشخاص کے نام، اور مختلف حاصل شدہ معلومات کے تین ذہن میں پیدا ہو جاتی ہے، یہ بھول کی عام قسم ہے، جو معلومات کے ٹکراؤ اور اختلاط کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے، ماہرین نفسیات نے بھول کی اس قسم کا بہت تفصیلی مطالعہ کیا ہے

۱۔ بی خولی، حوالہ سابق صفحہ 182-184

۲۔ سارنوت، الف مدنیک، ہواردر، یولیو، ایڈیٹ ف، 'نوفاتس' حوالہ سابق

صفحہ 152-157

اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ معلومات کے ٹکراؤ و اختلاط کا نتیجہ ہے، انہوں نے ایسے اختلاط کی دو قسموں کے درمیان فرق کیا ہے، ایک اختلاط رجعی دوسری اختلاط لاحق۔ اختلاط رجعی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب نئے امور سیکھنے کے نتیجہ میں پرانی سیکھی ہوئی چیزوں کی یاد کمزور پڑ جاتی ہے، اور نئی سیکھی ہوئی چیز کی یاد پر قدیم معلومات، عادات اور سرگرمیوں کی اثر اندازی کی صورت میں اختلاط لاحق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ سابقہ معلومات اور سرگرمیوں کی کثرت کسی نئی سیکھی ہوئی چیز کو یاد رکھنے میں دشواری پیدا کرتی ہے، اگر سابقہ سرگرمیاں اور معلومات قلیل ہوں تو جدید چیز کی یاد اچھی طرح رہتی ہے، اس لیے بڑوں کے مقابلہ میں چھوٹے بچے گذشتہ واقعات کی تفصیلات زیادہ اچھی طرح یاد رکھتے ہیں (۱) قرآن کریم نے اس نوع کے نسیان کی جانب اشارہ کیا ہے:

سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَنْسَى - (اعلیٰ - ۶)

(ہم تمہیں پڑھوادیں گے پھر تم نہیں بھولو گے۔)

(2) نسیان ذہن سے نکل جانے کے معنی ہیں، جیسے انسان کسی جگہ کوئی چیز بھول جاتا ہے، یا کسی شخص کے ساتھ چند امور پر گفتگو کرنا چاہتا ہے، کچھ پر گفتگو ہوتی ہے اور کچھ ذہن سے نکل جاتے ہیں، بعد میں یاد آتی ہے، اس کی مثال قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان سے متعلق ہے:

قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحَوْتَ
وَمَا أَنَسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي
الْبَحْرِ عَجَبًا - (کہف - ۶۳)

(خادم نے کہا ”آپ نے دیکھا! یہ کیا ہوا؟ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اس وقت مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا اور شیطان نے مجھے ایسا غافل کر دیا کہ اس کا ذکر (آپ سے کرنا) بھول گیا، مچھلی تو عجیب طریقہ سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عبد صالح سے جو بات کہی اس میں بھی اسی نسیان کا

ذکر ہے:

لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ - (کہف - ۷۳)

(بھول چوک پر مجھے نہ پکڑیے۔)

اس نوع کے نسیان کی تشریح ہم اختلاط لاحق سے بھی کر سکتے ہیں جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔

(3) بے اہتمامی کے معنی میں نسیان، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ - (توبہ-۶۷)

(یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا۔)

یہاں اللہ کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ احکام الہی کی تعمیل سے بے اہتمامی برتتے ہوئے اطاعت نہیں کی؛ اللہ ان کو بھول گیا، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا اور اپنا فضل ان سے ہٹا لیا۔

اس نوع کے نسیان کا ذکر قرآن کی درج ذیل آیت میں ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ -

(حشر-۱۹)

(ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں

خود اپنا نفس بھلا دیا۔)

اس معنی میں وہ نسیان بھی آتا ہے جو درج ذیل آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی جانب منسوب کیا گیا:

وَلَقَدْ عٰهَدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَكَمْ نَجِدْكَ

عَزْمًا - (طہ-۱۱۵)

(ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور

اس میں ہم نے عزم نہ پایا۔)

مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قلب اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے ایک لمحہ کے لیے کوتاہ ہو گیا، پھر اللہ کی ممانعت کو بھول گئے اور شیطان نے وسوسہ ڈال کر غلطی کا ارتکاب کرا دیا۔

وَمَا اَنْسَانِيَةَ اِلَّا الشَّيْطَانُ اِنَّ اِذْ كُرِهَ -

(اور شیطان نے مجھ کو ایسا غافل کر دیا کہ میں اس کا ذکر (آپ سے

کرنا) بھول گیا۔)

اس کی دیگر مثالیں درج ذیل آیات ہیں:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ
حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِبَنَّكَ الشَّيْطَانُ
فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ - (انعام - ۶۸)

(اور اے نبی، جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیوں کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں اور اگر کبھی شیطان تمہیں بھلاوے میں ڈال دے تو جس وقت تمہیں اس غلطی کا احساس ہو جائے اس کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھو۔)

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ
أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ
الضَّالُّونَ - (مجادلہ - ۱۹)

(شیطان ان پر مسلط ہو چکا ہے، اور اس نے خدا کی یاد کو ان کے دل سے بھلا دیا ہے، وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں، خبردار رہو شیطان کی پارٹی والے ہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔)

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ
فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ
سِنِينَ - (يوسف - ۳۲)

(پھر ان میں سے جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسف نے کہا کہ ”اپنے رب (شاہ مصر) سے میرا ذکر کرنا“ مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے رب (شاہ مصر) سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا اور یوسف کئی سال قید خانے میں پڑا رہا۔)

انسان کو گمراہ کرنے، اللہ کی یاد اور خیر و صلاح سے غافل بنانے کا شیطانی وسیلہ انسان کی خواہشات اور محرکات کی تکمیل کی راہ سے اثر اندازی ہے، یہی انسانی طبیعت کا کمزور پہلو ہے، محرکات کی تکمیل اور لذت و لطف کے حصول کی جانب اس کی طبیعت

مائل رہتی ہے، اسی راہ سے شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے نفس تک پہنچا تھا۔ لہٰذا انہیں درخت کھانے پر دوام اور لازوال ملکیت کی تمنا دلائی تھی، حضرت آدم علیہ السلام اللہ کی ممانعت بھول گئے اور غلطی کا ارتکاب ہو گیا، شیطان اسی راہ سے تمام انسانوں پر اثر انداز ہوتا ہے، ان کی مختلف خواہشات و شہوات کو بھڑکارتا ہے، اور وہ ان میں مشغول ہو کر اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں:

وَ اٰتٰلُ عَلَيْهِمْ نَبَا الَّذِي اٰتَيْنَاهُ اٰيٰتِنَا فَاَنْسَلَخَ مِنْهَا
فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ وَ كُوْشِنَا كَرَفَعْنَاهُ
بِهَا وَ لِيَكْنٰ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اَتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ
الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلُ عَلَيْهِ يَلْهَثُ اَوْ تَتْرٰكُهُ يَلْهَثُ۔
(اعراف- ۱۷۵، ۱۷۶)

(اور اے نبی، ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا، اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا لہٰذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے۔)

قرآن میں نسیان کا علاج

یاد خداوندی سے قلب کی غفلت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے نسیان کا علاج اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام، اس کی نشانیوں، آخرت اور یوم حساب کی مسلسل یاد ہے، اس نوع کے نسیان کے علاج میں ذکر خداوندی کی اہمیت قرآن نے بھی بتائی ہے، ذیل کی آیت ملاحظہ ہو:

وَ اذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيتَ۔ (کہف- ۲۴)

(اگر بھونے سے ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب

کو یاد کرو۔)

قرآن اللہ کی یاد کرنے والے مومنین کی تعریف کرتا ہے اور انہیں اہل عقل و

دانش بتاتا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ آيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ

النَّارِ - (آل عمران - ۱۹۰-۱۹۱)

(زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) ”پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔)

چونکہ ذکر الہی نسیان اور غفلت قلب کا علاج ہے، اس لیے شب و روز اور صبح و

شام کثرت سے ذکر الہی کا حکم دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ذُكِّرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا - (احزاب - ۴۱-۴۲)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام

اس کی تسبیح کرتے رہو۔)

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ - (نساء - ۱۰۳)

(پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے، ہر حال

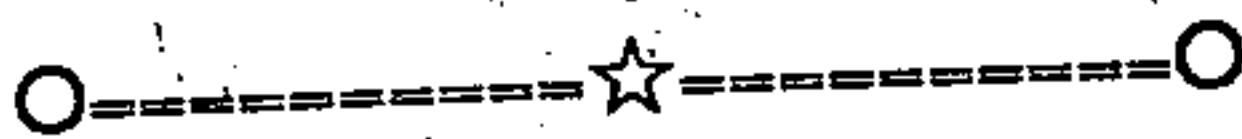
میں اللہ کو یاد کرتے رہو۔)

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن
فَضْلِ اللَّهِ وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔
(جمعہ۔ ۱۰)

(پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل
تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو شاید کہ تمہیں فلاح
نصیب ہو جائے۔)

اللہ کے نسیان اور آخرت کی غفلت کا علاج دائمی طور پر کثرت سے ذکر الہی ہے
تاکہ ہمیشہ دل میں اللہ کی یاد ہو اور ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت نہ ہو، تعلم کا ایک اصول
تکرار ہے جس پر گذشتہ صفحات میں گفتگو ہو چکی ہے، ذکر الہی کی تکرار سے انسان کے
اندر اللہ کے ذکر اور حمد و ثنا کی عادت پیدا ہو جاتی ہے، جو اندر راسخ ہو جاتی ہے، پھر زندگی
کا ہر لمحہ بغیر کسی جہد و مشقت کے ذکر الہی سے آراستہ ہو جاتا ہے، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ
ہمہ وقت دل میں حاضر ہوتا ہے، یہی وہ کیفیت ہے جس کے حصول کے لیے بہت سارے
صوفیاء مسلسل روحانی مشق و ریاضت کرتے رہتے ہیں۔

قرآن، عقیدہ کی کتاب ہے، علم و سائنس کی کتاب نہیں، اس لیے اللہ کی یاد اور
آخرت سے غفلت و نسیان کے موضوع کو قرآن نے اختیار کیا ہے، اور اس نوع کے
نسیان کا علاج بھی بتایا ہے، کہ انسان کی دنیاوی اور اخروی دونوں سعادت کی راہ میں اس
کی بڑی اہمیت ہے، چونکہ اس نوع کے نسیان کے علاج کا بنیادی اصول ذکر الہی کی تکرار
ہے، تاکہ وہ عادت بن کر کردار و عمل میں اتر آئے، اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں
کہ معلومات کی عام بھول چوک اور نسیان، یعنی نسیان کی وہ دونوں اقسام جن کا پہلے ذکر
ہوا ہے، کا علاج بھی ان معلومات کی تکرار، یعنی بار بار انہیں ذہن میں لانے اور مستحضر
کرنے کا عمل ہے، جدید ماہرین نفسیات اپنی تحقیقات میں اس نتیجہ تک پہنچے ہیں، جنہوں
نے نسیان کی صرف پہلی اور دوسری قسم ہی تک اپنی بیشتر توجہ محدود رکھی ہے، نسیان کی
تیسری قسم جس کا قرآن میں ذکر آیا ہے اور جس پر ابھی ہم نے گفتگو کی ہے، ان کی
تحقیقات میں نہیں آئی ہے۔



دماغ و اعصابی نظام اور قرآن

جدید عضویاتی اور جسمانی تحقیقات نے دماغ کے ان مقامات کو متعین کر لیا ہے جو متعینہ نفسیاتی اعمال انجام دیتے ہیں، ان مقامات میں سب سے اہم وہ حرکاتی حصہ ہے جو جسم کے تمام اجزاء کی حرکت پر حاوی ہوتا ہے، دوسرا وہ حسی مقام ہے جو احساس لمس، احساس الم کے بعض عناصر، درجہ حرارت میں تغیرات اور ذوق کے احساس کی منتہی ہے، اجزاء جسم کا ہر جز حرکاتی مقام اور حسی مقام دونوں میں نمائندہ ہوتا ہے اور پیشانی کے جوڑوں کا مقام جو پیشانی کے دونوں ٹکڑوں کے اگلے حصہ میں ہوتا ہے، جہاں جسم کے مختلف اجزاء سے آنے والے پیغامات با معنی احساسات کی شکل میں جمع ہوتے ہیں، جسم کے مختلف اجزاء کے لیے صادر ہونے والے حرکت کے پیغامات مرتب و منضبط ہوتے ہیں، اور ان تمام سرگرمیوں میں دخل انداز ہوتے ہیں جن پر دماغ کی حکمرانی ہے، نیز یہی مقام اعلیٰ عقلی اعمال مثلاً تعلم، غور و فکر، بول چال، تحریر اور پڑھنے کا مرکز ہے۔

دماغ انسان کی تمام سرگرمیوں پر حاوی و نگران ہوتا ہے، اور انسان کی سرگرمی دماغ کے خلیوں پر اثر انداز ہوتی ہے، اور وہ اثر دماغ کے خلیوں میں اس طرح محفوظ ہو جاتا ہے جس کی حقیقت تک ابھی علم کی رسائی نہیں ہوئی ہے، دماغ کے خلیوں میں محفوظ ہو جانے والے یہی اثرات اعلیٰ عقلی اعمال جیسے تعلم، تذکر، تخیل اور غور و فکر کے لیے بنیاد بنتے ہیں، اس حقیقت کی روشنی میں غالباً ہم قرآن کی ان آیات کی تشریح سمجھ سکتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کان، نگاہ، زبان اور جلد سب حساب کتاب کے دن لوگوں کے خلاف شہادت دیں گے، یہ شہادت کس طرح ہوگی، اللہ ہی جانتا ہے، لیکن چونکہ انسان کی تمام سرگرمیاں اس کے دماغ کے خلیوں میں ریکارڈ ہو جاتی ہیں، تو ہو سکتا ہے، حقیقت اللہ

کو معلوم، کہ اللہ تعالیٰ ان خلیوں کو قوت گویائی عطا کر دیں اور وہ اپنے ریکارڈ کی تمام چیزیں اسی طرح دہرا دیں جس طرح کیسٹ ریکارڈ کی ہوئی تمام باتیں دہرا دیتی ہے، جدید سائنسدانوں نے حافظہ کے معموں اور دماغ کے خلیوں میں انسانی تجربات کے ریکارڈ کا مطالعہ کیا، اس طرح کے ایک فرد کے دماغ کے ایک مرکز کو بجلی کی لہروں سے چھیڑا گیا تو اس نے ایک موسیقی و نغمہ کی آواز سنی جو پہلے کبھی سن رکھی تھی، پھر دوسرے مرکز کو کرنٹ لگایا گیا تو ایک مخصوص منظر اسے نظر آیا جو پہلے اس نے کبھی دیکھا تھا، اسے ان تجربات سے معلوم ہوا کہ انسانی تجربات اس کے دماغ کے خلیوں میں ریکارڈ ہوتے ہیں، اور ان خلیوں کو مخصوص انداز پر چھیڑ کر قدیم واقعات انسان کو یاد دلائے جاسکتے ہیں، اس بنیاد پر، حقیقت کا علم اللہ کے سپرد کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دماغ کے خلیوں کو گویائی عطا کر دیں گے اور وہ ریکارڈ شدہ افعال دہرا دیں گے، اور انسان کو اپنے افعال و اقوال اس طرح یاد آجائیں گے گویا اس کی نگاہوں کے سامنے زندہ مناظر ہوں، ممکن ہے کہ کچھ دیگر وسائل کے ذریعہ بھی انسان کے اقوال و افعال ریکارڈ کئے جاتے ہوں اور دماغ کے غلے متعدد وسائل میں سے ایک وسیلہ ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف اعضاء جسم کے نیجوں کے خلیوں میں بھی ریکارڈ کا عمل انجام پاتا ہو جس کی حقیقت سے ابھی ہم نا آشنا ہوں:

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ حَتَّىٰ
 إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعِهِمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ
 بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، وَقَالُوا لِمَ أَجْلُدُوهُمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا
 قَالُوا أَنْطَقْنَا اللَّهَ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ
 مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ - (حم السجدة - ۲۱، ۱۹)

(اورد اس وقت کا خیال کرو جب اللہ کے یہ دشمن دوزخ کی طرف
 جانے کے لئے گھیرائے جائیں گے ان کے اگلوں کو پچھلوں کے آنے
 تک روک رکھا جائے گا پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے
 کان اور آنکھیں اور ان کے جسم کی کھالیں ان پر گواہی دیں گی کہ وہ

دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں، وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے
 ”تم نے ہمارے خلاف گواہی دی؟“ وہ جواب دیں گے ”ہمیں اس خدا
 نے گویائی دی ہے جس نے ہر چیز کو گویا کر دیا ہے اس نے تم کو پہلی
 مرتبہ پیدا کیا تھا اور اب اسی کی طرف تم واپس لائے جا رہے ہو۔“

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلَيْسَتْهُمْ اَيْدِيُهُمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا
 كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - (نور- ۲۲)

(وہ اس دن کو بھول نہ جائیں جبکہ ان کی اپنی زبانیں اور ان کے
 اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔)

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيَهُمْ وَتَشْهَدُ
 اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ - (یس- ۶۵)

(آج ہم ان کے منہ بند کئے دیتے ہیں، ان کے ہاتھ ہم سے بولیں
 گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کیا کرتے رہے
 ہیں۔)

دماغ کے اندر اربوں کی تعداد میں اعصابی خلیے ایک نسبتاً تنگ جگہ یعنی کھوپڑی میں
 موجود ہوتے ہیں، دماغ کی جھلی بیٹھار نشیب و فراز پیدا کرتی ہے، دماغی جھلی کی سطح فی الواقع
 اس قدر بڑی ہوتی ہے کہ اگر مسطح کر کے اسے بچھا دیا جائے تو سولہ اسکوائر فٹ کی جگہ پر
 پھیل جائے گی، جھلی کا یہ رقبہ اور اس کے اندر اربوں کی تعداد میں اعصابی خلیے کیونکر نہ
 انسان کی ایک ایک حرکت و عمل و قول و سرگرمی کو ریکارڈ کر سکتے ہیں، دماغ کی جھلی
 درحقیقت بہت بڑا رجسٹر ہے جس میں انسان کا ہر عمل ریکارڈ ہوتا ہے اور غالباً یہ ان
 وسائل میں سے صرف ایک وسیلہ ہے جن میں اللہ نے اپنی حکمت سے انسانی اعمال و
 افعال کی ریکارڈنگ کا انتظام کر رکھا ہے، تاکہ قیامت کے دن انسان کے خلاف ثبوت ہو،
 جس کا انکار وہ نہ کر سکے:

وَ كُلِّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَةً فِى عُنُقِهِ وَ نُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا اِقْرَا كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ
 اَلْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا - (اسراء- ۱۳، ۱۴)

(ہر انسان کا شگون ہم نے اس کے اپنے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور

قیامت کے روز ہم ایک نوشتہ اس کے لیے نکالیں گے جو وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ پڑھ اپنا نامہ اعمال آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے۔)

يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بِصِيرَةٍ وَلَوْلَا لَقَىٰ مَعَاذِيرُهُ۔ (قیامتہ- ۱۳، ۱۵)

(اس روز انسان کو اس کا اگلا پچھلا کیا کرایا بتا دیا جائے گا بلکہ انسان

خود ہی اپنے آپ کو جانتا ہے چاہے کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔)

دماغ کے خلیوں میں انسانی اعمال کی ریکارڈنگ کے علاوہ دوسرا ایسا کوئی نظم بھی ہو سکتا ہے جو ایک بڑے اور عمومی رجسٹر کی مانند ہو اور تمام لوگوں کے اعمال اس میں ریکارڈ ہوتے ہوں، جیسا کہ بعض قرآنی آیات میں اس کی جانب اشارہ ملتا ہے۔

وَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتَابُ وَ جِئْتِ بِالنَّبِيِّنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ (زمر- ۶۹)

(زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی، کتاب اعمال لا کر رکھ دی جائے گی، انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیئے جائیں گے۔ لوگوں کے ساتھ ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔)

وَ وُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَيْلَتْنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَ وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَ لَا يُظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا۔ (کہف- ۴۹)

(اور نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت تم دیکھو گے کہ

مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے ڈر رہے ہوں گے اور

کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری

کوئی چھوٹی موٹی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہو گئی ہو، جو

جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا رب

کسی پر ذرا ظلم نہ کرے گا۔)

وَ لَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يَرْفَعُونَ-

(مومنون-۶۲)

(اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو (ہر ایک کلمہ) ٹھیک ٹھیک

بتا دینے والی ہے اور لوگوں پر ظلم بہر حال نہیں کیا جائے گا۔)

حسی اعضاء مختلف محسوسات سے پیدا ہونے والی حسی تنبیہات سے متاثر ہوتے ہیں اور عصبی نبضیں اعصاب سے ہو کر دماغ میں مرکز احساس تک پہنچتی ہیں جس سے ادراک حسی وجود میں آتا ہے، قرآن کریم نے متعدد آیات میں بعض اہم اعضاء حسی کی جانب اشارہ کیا ہے، گذشتہ تیسری فصل میں ادراک حسی پر گفتگو کے ضمن میں یہ آیات نقل کی گئی ہیں، چند درج ذیل ہیں:

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا
وَ جَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ- (نحل-۷۸)

(اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں

کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔ اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور
سوچنے والے دل دیئے اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔)

وَ هُوَ الَّذِي اَنْشَاَ لَكُمْ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ- (مومنون-۷۸)

(وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور

سوچنے کو دل دیئے مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔)

اس باب میں ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم نے انسان کی جلد میں الم کا احساس کرنے والے کچھ مخصوص اعضاء کے وجود کی طرف اشارہ کیا ہے، اس طرح انسانی جلد میں خصوصاً ہاتھ کی انگلیوں میں حاسہ لمس کے وجود کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نَصَلِيْهِمْ نَارًا كُّلَّمَا
نَضَجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوْا
الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا- (نساء-۵۶)

(جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں ہم

بالیقین آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔ اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔)

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَابٍ فَلَمَسُوهُ
بِأَيْدِيهِمْ لَقَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔

(انعام۔ ۷)

(اے پیغمبر! اگر ہم تمہارے اوپر کوئی کاغذ میں لکھی لکھائی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی جنہوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔)



شخصیت اور قرآن

عام لوگ جب شخصیت کے اوپر غور کرتے ہیں تو عموماً وہ اس اعتبار سے اسے دیکھتے کہ اس شخصیت کی اثر انگیزی دوسروں پر کتنی ہے، یا اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ دوسرے اس کے متعلق کیا تاثرات لے رہے ہیں، گویا اسے ظلم اور صلح کے روپ میں دیکھا جاتا ہے، لیکن علماء نفسیات جب شخصیت پر غور کرتے ہیں تو ان کی نظر ان ساخت اور ٹھوس نفسیاتی اعمال پر ہوتی ہے جو فرد کے تجربات کو منظم اور اس کے افعال نیز معاشرہ و ماحول کے تئیں اس کی آمادگیوں کی تشکیل کرتے ہیں، اور ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے ممتاز بناتے ہیں، دوسرے لفظوں میں شخصیت، فرد کے تمام جسمانی اور نفسیاتی ڈھانچوں کی تنظیم کا نام ہے جو ماحول کے ساتھ اس کی ہم آہنگی کی امتیازی پہچان طے کرتے ہیں، شخصیت کا مطالعہ کرتے وقت ماہرین نفسیات فرد کو ایک مکمل کلی کے طور پر دیکھتے ہیں جو ایک ایسی اکائی کے بطور عمل و رد عمل انجام دیتی ہے جس میں اس کے سارے جسمانی و نفسیاتی ڈھانچے شریک و ہم آہنگ ہوتے ہیں، اور اس کا کردار و عمل دوسروں سے ممتاز ہو کر سامنے آتا ہے۔ لہ

قرآن کریم میں انسانی شخصیت اور اس کی عمومی علامات جو اسے دوسری مخلوقات سے ممتاز بناتی ہیں، کا وصف بیان ہوا ہے، نیز انسانی شخصیت کے بعض عمومی طرز و نمونے بھی بیان ہوئے ہیں جو بنیادی علامتیں ہوتی ہیں، یہ طرز اس قدر عام ہیں جنہیں آج بھی ہم اپنے معاشرہ اور عام طور تمام انسانی معاشروں میں دیکھ سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں درست شخصیت اور نادرست شخصیت دونوں کا وصف بیان ہوا

لہ تفصیل کے لئے دیکھئے: ایٹھاردس، لازاروس، 'الشخصیت' ترجمہ سید محمد نعیم دارالشروق

بیروت 1981، صفحہ 19-12 محمد عثمان نجاتی: علم النفس فی حیاتنا الیومیہ صفحہ 393-396

ہے، نیز وہ عوامل بھی بتائے گئے ہیں جو شخصیت کے اندر درستی و نادرستی پیدا کرتے ہیں۔ انسانی شخصیت کو نہایت باریکی کے ساتھ اور صحیح طور پر سمجھنے کے لیے شخصیت کی تحدید کرنے والے مختلف عوامل کا باریک مطالعہ ضروری ہے، جدید علماء نفسیات جب ان عوامل کا مطالعہ کرتے ہیں تو عموماً وہ حیاتیاتی، سماجی اور ثقافتی عوامل پر غور کرتے ہیں، حیاتیاتی عوامل کے مطالعہ میں موروثی اثر، جسمانی ساخت اور نظام و اعصاب و غدود کی نوعیت کو موضوع تحقیق بناتے ہیں، سماجی اسباب کا مطالعہ کرتے ہوئے عموماً بچپن کے تجربات، خصوصاً خاندان کے اندر اور والدین کے طرز سلوک پر غور کرتے ہیں، اسی طرح جزوی ثقافت، سماجی طبقات، مختلف سماجی اداروں اور رفقاء و احباب کی جانب سے شخصیت پر مرتب ہونے والے اثرات کا مطالعہ کرتے ہیں، اس طرح شخصیت کی تحدید کرنے والے عوامل کو ہم دو بنیادی قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک موروثی عوامل جو خود فرد کی ساخت سے نکلتے ہیں، دوسرے ماحولیاتی عوامل جو خارج کے سماجی و ثقافتی ماحول سے وجود میں آتے ہیں، فرد کی ساخت سے وجود میں آنے والے عوامل کا مطالعہ جب جدید ماہرین نفسیات کرتے ہیں تو ان کی توجہ صرف جسمانی حیاتیاتی عوامل کے مطالعہ تک محدود ہوتی ہے، انسان کے روحانی پہلو سے وہ غافل ہوتے ہیں، یا اسے فراموش کئے ہوتے ہیں۔ اور یہی طریقہ سائنسی تجربہ گاہوں میں بحث و تحقیق کا موضوع بننے والی چیزوں کے مطالعہ تک محدودیت کے ان کے علمی اسلوب و نچ سے ہم آہنگ بھی ہے، اسی لئے انسان کے روحانی پہلو اور شخصیت پر اس کی اثر آفرینی کا مطالعہ جدید ماہرین نفسیات کے یہاں نہیں ملتا ہے۔

تجرباتی اور معروضی نچ کی اپنی تحقیقات میں پابندی کرنے والے ماہرین نفسیات انسان کے روحانی پہلو کے مطالعہ سے محرومی میں کچھ معذور سمجھے جاسکتے ہیں، کیونکہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ علمی اور معروضی انداز سے روحانی پہلو کا مطالعہ کس طرح کیا جائے لیکن تحقیقات کے اندر روحانی پہلو کے مطالعہ سے محرومی ایسی نہیں ہونی چاہئے کہ انسانی شخصیت اور اس کے درست و نادرست کردار کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش میں بھی روحانی پہلو کو وہ بالکل نظر انداز کر جائیں، شخصیت کے مطالعہ میں روحانی پہلو سے ماہرین نفسیات کے گریز کی وجہ سے انسان کے فہم اور درست و نادرست شخصیت کی تحدید کرنے

والے عوامل کی معرفت میں ان سے زبردست کوتاہی ہوئی، اور شخصیت کی بے راہ روی کے نفسیاتی علاج میں بھی بہترین راہ تک وہ نہیں پہنچ سکے، نفسیاتی تجزیہ نگار ”اریک فروم“ جدید علم النفس کی اس کمی و نقص کا اعتراف کرتا ہے جو روحانی پہلو کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے انسان کو صحیح صحیح سمجھنے میں پیش آیا ہے، اس کے درج ذیل اقتباس میں یہ اعتراف صاف نظر آتا ہے ”نفسیات میں انسانی روح اور اس کے فضائل و سعادت کے مطالعہ کا طریقہ بالکل ترک کر دیا گیا ہے، اور اکیڈمک علم النفس وزن اور حساب کے تجرباتی اسالیب اور طبیعیات کی نقل کی کوشش میں روح کے علاوہ ہر شے کا مطالعہ کرتا ہے، اس علم میں انسان کے ان ہی مظاہر کو سمجھنے کی کوشش کی گئی جنہیں تجربات کی کسوٹی پر پرکھا جاسکتا تھا، اور شعور، اقدار اور خیر و شر کی معرفت کو ایسے تصورات سمجھا گیا جو علم النفس کے موضوعات سے خارج ہوں، اور عام طور پر صرف ایسے امور میں دلچسپی لی گئی جو غیر اہم تھے، لیکن ان کے مزعومہ علمی منہج سے ہم آہنگ تھے، اس طرح علم النفس اپنے ایک بنیادی موضوع ”روح“ کے مطالعہ سے خالی ہو گیا اور مشینی اعمال، رد عمل کی ساخت اور شہوانی تقاضوں میں الجھ کر انسان کی اہم امتیازات جیسے محبت، عقل، شعور اور اقدام کے مطالعے سے دور رہا۔“

انسان کی شخصیت کو پوری باریکی اور مکمل وضاحت کے ساتھ ہم اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ شخصیت کی تحدید کرنے والے عوامل کی حقیقت خواہ مادی ہوں، یا روحانی، اور سماجی ہوں یا ثقافتی، ہم معلوم نہ کر لیں، جسمانی حیاتیاتی عوامل اور سماجی و ثقافتی عوامل کے مطالعہ تک محدودیت اور روحانی پہلو سے چشم پوشی شخصیت کا غیر واضح اور غیر نمایاں تصور پیش کرتی ہے۔

انسانی ساخت

قرآن بتاتا ہے کہ کس طرح اللہ نے مادہ اور روح سے انسان کی تخلیق فرمائی، تکوین کے متعدد مراحل، سوکھی مٹی سے، گیلی مٹی، پھر اسے کھنکھاتی ہوئی مٹی، پھر اسے ٹھوس پکی ہوئی حالت سے گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اپنی روح پھونکی اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عمل میں آگئی:

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا

سَوِيَّتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِيْنَ۔
(ص۔ ۷۱، ۷۲)

(جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا ”میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤ۔“)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ
مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُونٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِي
فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ۔ (حجر۔ ۲۸، ۲۹)

(پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ ”میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔“)

قرآن میں ”روح“ کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ جن آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر ہے، روح کا مفہوم وہاں ”اللہ کی طرف سے ایسی روح ہے، جس کے ذریعہ انسان کے اندر بلند صفات اور حق سے تعلق کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔“ ۲۔ ”وہ ایسا عالی عنصر ہے جن میں بلند امور اور پاکیزہ صفات سے آراستگی کی صلاحیت شامل ہوتی ہے۔ وہی حیوانی سطح سے اوپر اٹھنے کی صلاحیت انسان میں پیدا کرتی ہے، زندگی کے اندر بلند مقاصد و اعلیٰ منزل متعین کرتی ہے، طریقہ کار کے خدوخال طے کرتی ہے، اور اس کی بشریت کے اندر ان اقدار و معارف سے استفادہ کی رغبت پیدا کرتی ہے جو اسے انسان کی حقیقت عطا کرتے ہیں۔“ ۳۔

تکوین و تشکیل کی اس نوعیت کی وجہ سے دوسری تمام مخلوقات سے انسان ممتاز ہو

۱۔ دیکھئے ابن قیم کی کتاب ”الروح“ ہی خولی نے اپنی کتاب ”آدم علیہ السلام“

صفحہ 21-24 میں اس کی تشریح کی ہے۔

۲۔ ہی خولی، حوالہ سابق صفحہ 22

۳۔ حوالہ سابق صفحہ 32-33

جاتا ہے، بیشتر جسمانی خصوصیات اور حفظ و بقاء ذات کے محرکات و تاثرات اور تعلم و ادراک کی قدرت میں تو وہ حیوان کے ساتھ شریک ہوتا ہے، لیکن روح کی خصوصیات اس کا امتیاز ہے جو اللہ کی معرفت و عبادت اور کمال انسانی کے بلند معیاروں تک پہنچانے والے فضائل اور اعلیٰ اقدار کا شوق اس کے اندر پیدا کرتے ہیں۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے خلافت ارضی کا اہل اسے قرار دیا گیا، مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان کو حیوان سے ممتاز کرنے والی چیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے روح کی وہ روشنی ہے جس نے اس کے اندر اللہ کی معرفت، اس پر ایمان، اس کی عبادت، علوم کی تحصیل اور کائنات کی تعمیر میں ان کا استعمال اور اپنے انفرادی و اجتماعی سلوک و عمل میں اعلیٰ اقدار و فضائل کی پابندی کی خصوصیات سے نوازا ہے۔

انسان کے اندر روح اور مادہ دونوں ایک دوسرے سے جدا اور علاحدہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ دونوں مل کر ایک مکمل و ہم آہنگ اکائی بنتے ہیں اور اسی مکمل و ہم آہنگ امتزاج سے انسانی ذات و شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے، انسانی شخصیت کو پوری باریکی کے ساتھ سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مادہ اور روح کے عناصر کے امتزاج سے تشکیل پانے والے مکمل انسانی وجود پر ہماری نظر ہو۔

نفسیاتی کشمکش

انسان کی شخصیت میں جسمانی ضروریات کے قبیل کی حیوانی صفات بھی ہوتی ہیں، ذات کے تحفظ اور بقاء کے لیے ان ضروریات کی تکمیل ضروری ہوتی ہے ساتھ ہی اس کے اندر ملکوتی صفات بھی ہوتی ہیں جو معرفت خداوندی، ایمان و سراگندگی اور تسبیح و مناجات کا شوق اس کے اندر پیدا کرتی ہیں، انسانی شخصیت کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان بسا اوقات کشمکش پیدا ہو جاتی ہے، کبھی جسمانی و شہوانی ضروریات اپنی جانب کھینچتی ہیں اور کبھی روحانی شوق و ضروریات اپنی طرف آمادہ کرتی ہیں، انسان ان دونوں پہلوؤں کے درمیان کشمکش محسوس کرتا ہے، روحانی اور مادی پہلوؤں کے درمیان بھی اسی کشمکش کی جانب قرآن نے اشارہ کیا ہے:

فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ
الْمَأْوَىٰ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ

فِيَنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى - (نازعات - ۴۱، ۴۲)

(تو جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی،
دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے
ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا، جنت
اس کا ٹھکانہ ہوگی۔)

قارون کے اپنی جج دھج کے ساتھ لوگوں کے سامنے نکلنے پر کچھ لوگوں کی یہ تمنا کہ
ان کے پاس بھی قارون کی طرح دولت ہوتی اور دوسروں کا یہ جواب و احساس کہ اللہ جو
کچھ انہیں نوازے گا وہ زیادہ بہتر و پائدار ہے، کو بیان کرتے ہوئے بھی قرآن نے اس
کشمکش کی جانب اشارہ کیا ہے:

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ
الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ وَ
قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَ
عَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ - (قصص - ۷۹، ۸۰)

(ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ میں نکلا تو جو
لوگ حیات دنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے ”کاش ہمیں بھی
وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے، یہ تو بڑا نصیب والا ہے، مگر جو لوگ علم
رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے ”افسوس تمہارے حال پر“ اللہ کا ثواب بہتر
ہے اس شخص کے لیے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور یہ دولت
نہیں ملتی مگر صبر کرنے والوں کو۔“)

سامانوں سے لدے قافلوں کی مدینہ میں آمد کی خبر سن کر نبی کریم ﷺ کے پاس
کچھ مسلمانوں کے جمع ہو جانے کے واقعہ میں بھی قرآن نے انسان کی اس مادی اور روحانی
پہلوؤں کے درمیان کشمکش کی جانب اشارہ کیا ہے:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا
قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ
الرَّازِقِينَ - (جمعه - ۱۱)

(اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشہ ہوتے دیکھا تو اس کی

طرف چپک گئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا۔ ان سے کہو ”جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“

اللہ کی مشیت رہی کہ انسان اپنی زندگی کی مشکلات و مسائل میں جسمانی ضروریات اور روحانی تقاضوں کے مابین نفسیاتی کشمکش کے مسئلہ سے بھی دوچار رہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ - (بلد- ۴)

(در حقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔)

نیز اس کی یہ بھی مشیت رہی کہ اس کشمکش کو حل کرنے میں انسان کو وہ حقیقی اور بنیادی آزادی حاصل رہے، جو اس زندگی میں اللہ نے انسان کو عطا کر رکھی ہے، جو شخص ان دونوں پہلوؤں کے درمیان توافق قائم کرے اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کا توازن و ہم آہنگی پیدا کر لے وہ اپنے اختیار و آزادی میں کامیاب ہے، اور دنیا و آخرت کی سعادت کا سزاوار ہے، اس کے برعکس جو روحانی تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جسمانی شہوتوں کے پیچھے سرگرداں رہے وہ اپنے اختیار میں ناکام اور دنیا و آخرت کی شقاوت کا مستحق ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ -

(منافقون- ۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو ”تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔“)

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ -

(تغابن- ۱۵)

(تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے۔)

فَذِكْرُ رَانَ نَفَعَتِ الذِّكْرَى سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَى وَ
يَتَجَبَّبُهَا الْأَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَى ثُمَّ لَا يَمُوتُ
فِيهَا وَلَا يَحْيَى قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى

بَلْ تُؤْتِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ خَيْرًا وَأَبْقَى-

(الاعلیٰ - ۱۷۹)

(لہذا تم نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کر لے گا اور اس سے گریز کرے گا وہ انتہائی بد بخت جو اس بڑی آگ میں جائے گا پھر نہ اس میں مرے گا نہ جسے 'گاہ' فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔)

وَالَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ

عَمَلًا - (ملک - ۲)

(جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ لوگوں کو آزما دیکھے تم

میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔)

اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی رہی کہ اس کشمکش کو حل اور دشوار گزار گھائی کو پار کرنے کے لیے تمام لازمی امکانات سے انسان کو آراستہ کر دے، چنانچہ اسے ایسی عقل عطا کی گئی جو حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اسی طرح ارادہ و اختیار کی آزادی عطا کر کے اس کشمکش کے معاملہ میں فیصلہ کن موقف اپنانے اور اپنی پسند کی راہ منتخب کرنے کی استطاعت بخشی گئی، انسانی ارادہ کی آزادی، اور کشمکش کے حل کے لیے راہ منتخب کرنے کی آزادی، یہی دو اس کی ذمہ دارانہ حیثیت اور حساب و جواب دہی کی بنیاد بنتے ہیں:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ - (بلد - ۱۰)

(اور دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیئے؟)

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا-

(الدھر - ۳)

(ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے

والا۔)

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ

أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَكَذَّابٌ مَنْ دَسَّاهَا - (شمس - ۱۰۷)
 (اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا پھر
 اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔ - یقیناً فلاح پا گیا
 وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہو اوہ جس نے اسے دبا دیا۔)

قَدْ جَاءَكُمْ بِضَائِرُكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ
 عَمِيَ فَعَلَيْهَا - (انعام - ۱۰۳)

(دیکھو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی
 روشنیاں آگئی ہیں اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا بھلا کرے گا اور جو
 اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا۔)

وَقِيلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ
 فَلْيُكْفُرْ - (کہف - ۲۹)

(صاف کہہ دو یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا
 جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔)

مَنْ عَمَلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا
 رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ - (حم السجدة - ۴۶)

(جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے اچھا کرے گا جو بدی
 کرے گا اس کا وبال اس پر ہوگا اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں
 ظالم نہیں ہے۔)

كَلَّا وَالْقَمَرِ وَالْكَوْكِيزِ إِذْ أَدْبَرَ وَالصُّبْحِ إِذَا اسْفَرَّتْهَا
 لِأَحَدِي الْكُبْرِ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقَدَّمَ أَوْ
 يَتَأَخَّرَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ
 فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ الْمُجْرِمِينَ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ
 قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَكَمْ نَكُ نَطْعِمُ
 الْمُسْكِينِ وَكُنَّا تَخَوِّضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ
 بَيِّنَاتِ الدِّينِ حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ - (مدثر - ۳۲، ۳۷)

(ہرگز نہیں، قسم ہے چاند کی اور رات کی جبکہ وہ پلٹتی ہے اور صبح

کی جب کہ وہ روشن ہوتی ہے، یہ دوزخ بھی بڑی چیزوں میں سے ایک ہے، انسانوں کے لیے ڈراوا، تم میں سے ہر اس شخص کے لیے ڈراوا جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہ جانا چاہے۔ ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے، دائیں بازو والوں کے سوا، جو جنتوں میں ہوں گے وہ مجرموں سے پوچھیں گے ”تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟“ وہ کہیں گے ”ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ رہ کر ہم بھی باتیں بنانے لگتے تھے، اور روز جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آگیا۔“

انسان کی طبعی ساخت میں دونوں قسم کی استعداد موجود ہے۔ ہوائے نفسانی، شہوات جسمانی، حسی لذتوں اور دنیاوی خواہشات کی پیروی کر کے شر قبول کرنے کی، اور فضیلت و تقویٰ اور اعلیٰ اقدار و عمل صالح کے وسیع آفاق میں پرواز کر کے نفسیاتی سعادت و سکون سے ہمکنار ہونے کے لیے خیر قبول کرنے کی بھی، ان دونوں کے درمیان کشمکش پانا ہونا فطری بات ہے، خیر و شر، فضیلت و پستی اور اطاعت و معصیت کے درمیان ہی انسان کے ارادہ و اختیار کا امتحان ہے کہ وہ راہ خیر اپناتا ہے یا راہ شر، اللہ کی اطاعت کا قلابہ گلے میں ڈالتا ہے یا معصیت کا؟ خواہشات و شہوات اور دنیاوی لذتوں میں ڈوب کر اللہ کی یاد اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، یا اپنی خواہشات و شہوات کو نکیل دے کر جسمانی ضروریات اور روحانی تقاضوں دونوں کے درمیان بہترین توازن برقرار رکھتا ہے۔

انسانی جب دنیاوی لذتوں کو اپناتا ہے، اور خواہشات کے پیچھے دوڑنے لگتا ہے تو اپنے رب اور آخرت کو بھلا بیٹھتا ہے، اس کی زندگی حیوان کی سطح پر آ جاتی ہے، بلکہ حیوان سے ممتاز کرنے والی عقل استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اس کی سطح حیوان سے بھی پست ہو جاتی ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكْفُرُ عَلَيْهِ وَكَيْفَ
 أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا
 كَمَا لَا نِعَامَ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا۔ (فرقان - ۳۲، ۳۳)

(کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش
نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو؟ کیا تم ایسے شخص کو راہ راست پر لانے کا ذمہ
لے سکتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے
ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔)

جس انسان کی زندگی اس سطح پر گزرتی ہے، اس کی شخصیت ناپختہ رہ جاتی ہے، وہ
ایسے بچے کی مانند ہو جاتا ہے جسے صرف جسمانی ضروریات و خواہشات پوری کرنے کی فکر
ہو، نہ ارادہ میں پختگی آئی ہو، اور نہ خواہشات و شہوات پر کنٹرول کرنا آتا ہو، وہ اپنی
خواہشوں کے پیچھے بھاگتا چلا جاتا ہے اور اپنے ”برائی پر آمادہ کرنے والے نفس“ (نفس
امارہ) کا غلام ہو جاتا ہے:

وَمَا أُبْرَأُ مَجِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ
رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (یوسف - ۵۳)

(میں کچھ اپنے نفس کی برات نہیں کر رہا ہوں، نفس تو بدی پر
اکساتا ہی ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا
رب بڑا غفور و رحیم ہے۔)

ایک حدیث میں اسی مفہوم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

”تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان کا نفس ہے، جس

نے اسے درست بنایا اور کنٹرول میں رکھا وہ اس کے ظلم سے محفوظ رہے گا“۔

انسان جب کمال انسانی کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے، تب اس کا ضمیر بیدار ہوتا
ہے، جو اسے شہوات و خواہشات کی غلامی، دنیاوی لذتوں کی اسیری اور غلطی و جرم کا شکار
ہو جانے میں اس کے ارادہ کی کمزوری پر اسے متنبہ کرتا رہتا ہے۔ اسے گناہ کا احساس دلاتا
اور کوتاہی و غلطی پر ملامت کرتا ہے اور انسان تائب ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہ
کیفیت ”نفس لوامہ“ (ملامت کرنے والے نفس) کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے:

لَا أُقْسِمُ بِبَيْتِ الْقِيَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَامَةِ۔

(نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی، اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔)

جب انسان مخلص بن کر توجہ کر لیتا ہے، سچے دل سے عبادات و نیک اعمال بجالا کر تقرب الہی حاصل کرتا ہے، اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے گریزاں ہو ہے، اپنی خواہشات و شہوات پر بھرپور کنٹرول رکھتا ہے۔ اور شریعت کی طے کردہ رول میں رہ کر ان کی تکمیل کرتا ہے تو وہ اپنی جسمانی ضروریات اور روحانی تقاضوں کے درمیان مکمل توازن پیدا کر لیتا ہے اور کمال انسانی کے اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں نفس انسانی کو سکون و اطمینان کی کیفیت نصیب ہوتی ہے اور ”نفس مطمئنہ“ کا وصف اس پر راست آجاتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَ ادْخُلِي جَنَّتِي۔
(فجر - ۲۷-۳۰)

(دوسری طرف ارشاد ہوگا) اے نفس مطمئنہ، چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوف اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔)

نفس کے ان تینوں مفاہیم نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کا تصور ہم اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ یہ تین حالتیں ہیں جن سے انسانی شخصیت مادی و روحانی پہلو کی اندرونی کشمکش سے گزرتے ہوئے کمال انسانی کے مختلف معیاروں میں آراستہ ہوتی ہے، چنانچہ جب شخصیت انسانی اپنے ادنیٰ معیار پر ہوتی ہے جہاں خواہشات و شہوات اور دنیاوی لذات کا اس پر قبضہ ہوتا ہے، نفس امارہ کی حالت اس پر منطبق ہوتی ہے، جب کمال انسانی کے اعلیٰ معیار پر انسانی شخصیت پہنچ کر روح و جسم کے تقاضوں کے درمیان کمال، آہنگی و توازن قائم کر لیتی ہے تو نفس مطمئنہ کا وصف اس پر راست آتا ہے، ان دونوں معیاروں کے درمیان ایک متوسط معیار ہے جس میں انسان اپنی غلطیوں کا محاسبہ کرتا ہے اور اللہ کی غضب ناکیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن وہ اپنی کوشش میں

ہمیشہ کامیاب نہیں ہو پاتا ہے، بسا اوقات غلطی کا شکار بھی ہو جاتا ہے، اس معیار میں شخصیت پر نفس لوامہ کا وصف منطبق ہوتا ہے۔

یہاں پر اس بات کی جانب اشارہ مناسب ہے کہ نزول قرآن کے تقریباً چودہ سو سال بعد تجلیل نفسی اسکول کا بانی، فرائڈ نے شخصیت کے سلسلہ میں اپنا نظریہ پیش کیا جس میں نفس کی تین قسمیں علاحدہ علاحدہ بتائیں، اس نے تینوں قسموں کے جو کام بتائے قرآن میں مذکورہ نفس کی تینوں قسموں نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کے مفاہیم سے ان کی بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے، گرچہ قرآنی مفاہیم اور فرائڈ کے نظریہ کی تینوں قسموں کے درمیان کافی فرق بھی ہیں، آگے ان کی جانب ہم اشارہ کریں گے، فرائڈ کا کہنا ہے کہ نفس کی تین قسمیں ہیں "Ego, Id, Super Ego" لہ فرائڈ کے نزدیک Id نفس کا وہ حصہ ہے جو جسم کے تقاضوں اور "اصول لذت" کے تابع ہوتا ہے وہ منطق و اخلاق اور حالات سے آنکھیں بند کر کے صرف ان کی تکمیل میں ہمیشہ مصروف رہتا ہے اس تشریح کے لحاظ سے Id بڑی حد تک نفس امارہ کے مفہوم کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

Super Ego نفس کا وہ حصہ ہے جو والدین اور مدرسہ کی تعلیم اور ماحول کی ثقافتی اقدار سے وجود میں آتا ہے، اور داخلی نفسیاتی قوت بن کر فرد کا احتساب و نگرانی کرتا اور سزا کا خوف دلاتا رہتا ہے، اسے ہی عموماً ضمیر کہا جاتا ہے، فرائڈ کے خیال میں Super Ego انسانی طبیعت کی سب سے اعلیٰ و بلند قسم ہے، اس طرح یہ گویا نفس لوامہ کے مفہوم سے قریب ہو جاتا ہے۔

Ego فرائڈ کے مطابق نفس کا وہ حصہ ہے جو Id سے نکلنے والی نفسانی خواہشات کا زمام اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اور ان پر کنٹرول رکھتا ہے، جسے چاہتا ہے اس کی آسودگی کی اجازت دیتا ہے اور جسے مناسب سمجھتا ہے موخر کر دیتا ہے اور جسے ضروری سمجھتا ہے، دبا دیتا ہے، وہ حالات اور خارجی دنیا کے قوانین و اقدار اور اخلاق و دینی تعلیمات کی رعایت کرتا ہے، فرائڈ کے مطابق Id حالات یا خارجی دنیا اور Super Ego کے درمیان یہ Ego

لہ فرائڈ، اڈورانا، ترجمہ محمد عثمان نجاتی، دارالشروق بیروت 1982ء، ایڈیشن چہارم
فرائڈ، معالم التحلیل النفسی، ترجمہ محمد عثمان نجاتی، دارالشروق بیروت 1983، صفحہ 46-48،
ایڈیشن پنجم

تطبیق کا کام کرتا ہے، چنانچہ صرف ان حدود کے اندر نفسانی خواہشات کی تکمیل کی اجازت دیتا ہے جن کی حالات اجازت دیتے ہیں اور دوسری جانب Super Ego کی زیادتیوں پر بندش عائد کر کے کسی معقول سبب کے بغیر نقد و احتساب اور سزا کی وعید میں زیادتی سے روکتا ہے، ہم آہنگی و تطبیق کا یہ کام جب کامیابی کے ساتھ Ego انجام دے لیتا ہے تو انسان کے لیے توازن اور نفسیاتی صحت کا وجود ممکن ہو جاتا ہے، اس طرح اگر ہم دیکھیں تو Ego کے ذریعہ جو کام انجام پاتا ہے اور سعادت و توازن پیدا ہوتا ہے، اور نفس مطمئنہ کی کیفیت، جس تک خواہشات پر کنٹرول، جسمانی اور روحانی تقاضوں کے درمیان توازن، نیز اس کے لیے فرائض کی ادائیگی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، عمل صالح اور اخلاق حسنہ کی پیروی کے ذریعہ معاشرہ میں اسلامی نظام حیات کی حقیقت کی رعایت کر کے انسان رسائی حاصل کرتا ہے، ان دونوں کے درمیان مشابہت نظر آنے لگتی ہے۔

لیکن نفس کے قرآنی مفہیم اور فرائڈ کی پیش کردہ نفس کی تین قسموں کے درمیان متعدد اہم فرق بھی ہیں، جن کی وضاحت ضروری ہے، 'نفس امارہ'، 'نفس لوامہ' اور 'نفس مطمئنہ' یہ تینوں ایسی کیفیات ہیں، جو شخصیت کی مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان کی داخلی کشش کے دوران نفس کے اندر پیدا ہوتی ہیں، وہ نفس کی مختلف قسمیں نہیں ہیں، اور نہ ہی وہ انسانی نشوونما کے متعین مراحل میں وجود میں آتی ہیں لیکن Ego، Id اور Super Ego کا تصور فرائڈ کے نظریہ کے مطابق نفس کی مختلف قسمیں ہیں اور وہ بچہ کی نشوونما کے مختلف مراحل میں وجود میں آتی ہیں، ولادت کے فوری بعد بچہ کا نفس Id ہوتا ہے، کیونکہ وہ مکمل طور پر اپنے متبعی تقاضوں کے ماتحت ہوتا ہے، پھر خارجی عالم کی تاثیر کے تحت "Id" سے ایک نیا ممتاز جز وجود میں آنے لگتا ہے جو "Ego" ہوتا ہے، یہ Id سے پیدا ہونے والے متبعی تقاضوں پر حالات اور خارجی دنیا کی رعایت کرتے ہوئے کنٹرول رکھتا ہے، پھر والدین اور ماحول و معاشرہ کی تعلیمات و ہدایات سے Super Ego یعنی وہ ضمیر وجود میں آتا ہے جو احتساب و ملامت اور غلطیوں پر تنبیہ کرتا ہے، ان تین اقسام کے درمیان کشش قائم رہتی ہے، جس میں Ego دیگر دونوں قسمیں Id اور Super Ego کے تقاضوں اور خارجی عالم کے مابین تطبیق و ہم آہنگی کی کوشش کرتا رہتا ہے، یہ کوشش جب کامیاب ہو جاتی ہے تو درست اور نفسیاتی صحت سے آراستہ انسان

وجود میں آجاتا ہے۔

لیکن فرائڈ کے نظریہ کے مطابق نفس کی تینوں اقسام کے مابین جو نفسیاتی کشمکش پنا ہوتی ہے وہ انسانی شخصیت کے اندر مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان انسان کی تکوینی ساخت کی قرآنی تصویر کے مطابق ہوتی ہے، اور اسی کشمکش کے نتیجہ میں نفس کی تین حالتیں نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ ہیں۔

شخصیت کا توازن

ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ جسمانی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان قائم کشمکش کا سب سے بہترین حل دونوں کے درمیان توازن و تطبیق ہے، جسمانی ضروریات اسی دائرہ میں رہ کر پوری کی جائیں جو شریعت نے متعین کر دی ہے، اور ساتھ ہی روحانی ضروریات کی بھی تکمیل کی جائے، اگر انسان اپنی زندگی میں اعتدال و میانہ روی کی پابندی رکھے اور روحانی و جسمانی دونوں تقاضوں کی تکمیل میں کسی اسراف یا کوتاہی سے گریزاں رہے تو تقاضائے جسم اور ضروریات روح کے درمیان توازن و ہم آہنگی پیدا کرنا ممکن ہو جاتا ہے، اسلام نہ اس رہبانیت کو تسلیم کرتا ہے جو جسمانی محرکات کو کچلتی اور دبا دیتی ہے اور نہ بے لگام آزادی کی اجازت دیتا ہے کہ جسمانی تقاضوں کی جس طرح چاہے تکمیل کرتا پھرے، بلکہ جسم اور روح دونوں کے تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی قائم رکھنے اور اعتدال و میانہ روی کی پابندی کرنے کی دعوت دیتا ہے، انسانی شخصیت کے اس توازن کی جانب درج ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ
مِنَ الدُّنْيَا. (قصص - ۷۷)

(جو مال اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔)

نبی کریم ﷺ کی ہدایت بھی یہی مفہوم پیش کرتی ہے کہ ”بہتر وہ نہیں جو صرف دنیا کے لیے کام کرے اور آخرت کو چھوڑ دے، یا جو صرف آخرت کے لیے عمل کرے

اور دنیا چھوڑ دے بلکہ بہتر وہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے عمل کرے۔" ۱

روح اور جسم کے درمیان جب یہ توازن قائم ہو جاتا ہے تو انسانی ذات اپنی حقیقی و مکمل صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے، جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں جلوہ نما تھی، جہاں روحانی پاکیزہ قوت اور جسمانی فیاضانہ زندگی دونوں میں توازن قائم تھا، آپ اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت بھی مکمل خشوع اور پاکیزگی و یکسوئی کے ساتھ انجام دیتے تھے، اور دوسرے انسانوں کی طرح جسمانی تقاضے بھی شریعت کے بنا کردہ دائرہ میں پورا کرتے تھے، آپ کی ذات انسان کامل تھی، انسانی شخصیت کا مکمل ترین نمونہ، جہاں انسان کی جسمانی قوتیں اور روحانی تقاضے متوازن تھے۔ ۲

انسانی شخصیت میں روح اور بدن کے درمیان توازن پوری کائنات کے اندر قائم توازن کی ایک مثال ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ہر شے کو توازن اور صحیح اندازے سے پیدا کیا ہے۔ گذشتہ فصل اول میں جسم کے اندر توازن اور جسم کو متوازن حالت میں رکھنے میں فطری محرکات کے عمل کی جانب ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ ذات کے تحفظ اور بقاء کے لیے یہ توازن انتہائی ضروری ہے، البتہ اس کا دائرہ حیاتیاتی توازن ہی تک برقرار نہیں رہتا ہے، بلکہ وہ پوری انسانی شخصیت کو شامل ہے، وہ روح اور جسم کے درمیان توازن کو بھی شامل ہے۔

ہموار شخصیت

گذشتہ تفصیلات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی نظر میں درست و ہموار شخصیت وہ ہے جس میں روح اور جسم کا توازن قائم ہو، اور دونوں کی ضروریات پوری کی جا رہی ہوں، ہموار شخصیت جسم، جسمانی صحت اور جسمانی قوت پر بھی توجہ رکھتی ہے، اور شریعت کے دائرہ میں اس کی ضروریات کی تکمیل کرتی ہے، دوسری جانب ایمان باللہ کی رسی بھی مضبوطی سے تھامے رہتی ہے، عبادات بجالاتی ہے، اللہ کی مرضیات پر عمل پیرا و

۱۔ محمد جواد مغنیہ، فلسفہ الاخلاق فی الاسلام، دارالعلم للملایین بیروت ۱۹۷۷، صفحہ ۱۹۴-۱۹۵

۲۔ محمد قطب، فی النفس والجمع، مکتبہ وجہ قاہرہ، ایڈیشن دوم، صفحہ ۶۳-۶۴

منہیات سے گریزاں رہتی ہے، اس کے برعکس جو شخص اپنی خواہشات اور شہوات کے پیچھے سرگرداں رہتا ہے اس کی شخصیت ناہموار ہوتی ہے، اور اسی طرح جو اپنی جسمانی ضروریات کو کچل دیتا ہے انتہا پسند رہبانیت اور سخت محنت کے ذریعہ جسم کو کمزور دلاغر بنا دیتا ہے، اور صرف روحانی تقاضوں اور شوق کی تکمیل میں منہمک رہتا ہے وہ بھی معتدل و متوازن شخصیت سے دور ہوتا ہے۔ یہ دونوں کنارے اور دونوں انتہائیں انسانی طبیعت اور فطرت کے خلاف ہیں، ان میں کوئی رجحان بھی انسان کی حقیقی شخصیت کی تعمیر نہیں کر سکتے، اور اسے کمال انسانی کے مقام تک نہیں پہنچا سکتے ہیں۔

قرآن میں شخصیت کے خد و خال

تاریخ کے مختلف ادوار میں مفکرین اور موجودہ دور کے ماہرین نفسیات نے لوگوں کی شخصیتوں کے مابین مشابہت اور فرق کی جہتیں متعین کرنے کی کوشش کی ہیں، اور لوگوں کو شخصیت کے متعدد خانوں میں بانٹنے کی کئی کوششیں انجام دی گئی ہیں جن میں سے ہر خانہ کی اپنی مخصوص صفات اور علامتیں ہیں، کچھ لوگوں نے جسمانی ساخت کی خصوصیت کی بنیاد پر ایسی خانہ بندی کی ہے اور اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ جو لوگ ایک مخصوص خانہ کے تحت مشترک ہوتے ہیں ان کی نفسیاتی علامتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں، کچھ دوسرے لوگوں نے نفسیاتی علامتوں کے اندر مشابہت و یکسانیت کی بنیاد پر نفسیاتی خانوں میں تقسیم بندی کی ہے۔

لوگوں کی مختلف خانوں میں تقسیم بندی کہ ایک خانہ میں آنے والے لوگ اپنی علامتوں اور پہچان میں باہم تشابہ ہوتے ہیں، یہ لوگوں کے اوصاف اور کردار و عمل کی تشریح میں معاون بننے والی محض ایک کوشش ہے، مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ فلاں شخص فلاں مخصوص طرز و خانہ سے وابستہ ہے تو گویا ہم اس کے وصف اور عمل کی تشریح کرتے ہیں اور آئندہ مخصوص حالات میں اس سے صادر ہونے والے عمل و موقف کی نوعیت کی

۱۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے دیکھئے، 'تسا روس'، 'لازاروس'، 'الشخصیت'، حوالہ

سابق صفحہ 62-67

محمد عثمان نجائی، 'علم النفس فی حیاتنا الیومیہ'، حوالہ سابق صفحہ 398-405

توقع کر لیتے ہیں۔

قرآن کریم کے اندر عقیدہ کی بنیاد پر لوگوں کی تین قسمیں مذکور ملتی ہیں۔ ایک مومنین، دوسری کفار اور تیسری منافقین، ہر قسم کی اپنی مخصوص صفات اور علامتیں ہیں جو دیگر دو قسموں سے اسے ممتاز کرتی ہیں۔ عقیدہ کی بنیاد پر لوگوں کی تقسیم قرآنی مقاصد سے ہم آہنگ ہے، کیونکہ قرآن کتاب ہدایت و عقیدہ ہے، نیز یہ تقسیم انسانی شخصیت کی تشکیل اس کی امتیازی صفات و علامت کی تحدید اور امتیازی طرز عمل کی تعیین میں عقیدہ کی اہمیت بھی اجاگر کرتی ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہے کہ قرآن کی نظر میں شخصیت کی قدر و قیمت کی تعیین کا بنیادی معیار عقیدہ و تقویٰ ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ - (حجرات - ۱۳)

(در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے

جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔)

قرآن کریم نے متعدد مواقع پر مومنین، کافرین اور منافقین کی قسموں کی جانب اشارہ کیا ہے، مثال کے طور پر سورہ بقرہ کے آغاز میں چار آیات (۲ تا ۵) میں مومنین کا تذکرہ، دو آیات (۶-۷) میں کفار کا اور تیرہ آیات (۸-۲۰) میں منافقین کا ذکر ہے، دیگر متعدد سورتوں میں بھی اس تقسیم کی جانب اشارہ ہے، بلکہ ہر قسم کے نام سے علاحدہ علاحدہ سورت بھی لائی گئی ہے، سورہ مومنون، سورہ کافرون اور سورہ منافقون قرآن میں آئی ہیں۔ لہ

ہر قسم کے لیے قرآن نے کچھ ایسی صفات اور علامتیں بھی بتائی ہیں جو اس کی پہچان اور امتیاز ہیں، ذیل میں ہم ہر قسم کی مخصوص صفات اور علامتوں کا بیان کرتے ہیں جو قرآن میں آئی ہیں:

لہ اس موضوع پر مزید دیکھئے احمد محمد فارس، 'النماذج الانسانیة فی القرآن الکریم' دار الفکر، بیروت، صفحہ 61-85، عبدالغنی عبود، 'الانسان فی الاسلام و الانسان المعاصر' دار الفکر العربی،

قاہرہ 1978، صفحہ 152-155

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد سورتوں کی بیشتر آیات میں مؤمنین کا تذکرہ فرمایا ہے اور زندگی کے مختلف میدانوں، عقیدہ، عبادت، اخلاق، لوگوں کے ساتھ تعلقات، خاندانی تعلقات، حصول علم و معرفت کا شوق، عملی زندگی، تلاش معاش کی جدوجہد اور جسمانی صفات و علامات میں ان کے کردار و عمل کے اوصاف بتائے ہیں، قرآن میں مذکورہ صفات کو اگر ہم جمع کر لیں تو انہیں درج ذیل نو عمومی اور بنیادی خانوں میں تقسیم کر سکتے

ہیں:

- (۱) عقیدہ سے متعلق علامات
- (۲) سماجی تعلقات سے متعلق علامات
- (۳) عبادات سے متعلق علامات
- (۴) خاندانی تعلقات سے متعلق علامات
- (۵) اخلاقی علامات
- (۶) تاثراتی و جذباتی علامات
- (۷) عقلی اور عملی علامات
- (۸) عملی زندگی اور ملازمت سے متعلق علامات
- (۹) جسمانی علامات

مذکورہ بالا نو بنیادی و عمومی میدانوں میں سے ہر میدان کی اپنی علاحدہ جزوی صفات و علامات ہیں، جو کردار و عمل کے مخصوص گوشہ سے متعلق ہوتی ہیں، ذیل میں ہر قسم و میدان سے متعلق جزوی صفات و علامات کی فہرست دی جا رہی ہے:

۱۔ عقیدہ سے متعلق صفات

اللہ، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں، اس کے فرشتوں، یوم آخرت، دوبارہ زندگی اور حساب، جنت و دوزخ، غیب اور تقدیر پر ایمان۔

۲۔ عبادات سے متعلق علامات

اللہ کی عبادت، فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اللہ کی راہ میں مال و جان کے ساتھ جہاد کی ادائیگی، اللہ کا خوف و تقویٰ، ہمیشہ اس کا ذکر، استغفار، اللہ پر توکل اور تلاوت قرآن۔

۳۔ سماجی زندگی سے متعلق علامات

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، نوازش و احسان، تعاون و مدد، اتحاد و یکجہتی، بھلائی کا حکم، برائی سے ممانعت، عفو و درگزر، ایثار، لغو چیزوں سے دوری۔

۴۔ خاندانی تعلقات سے متعلق علامات

والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان، خانگی حسن معاشرت، خاندان کی دیکھ رکھ اور ان کی ضروریات پر خرچ۔

۵۔ اخلاقی صفات

صبر، بردباری، سچائی، عدل، امانت، اللہ اور لوگوں سے ایفائے عہد، پاک دامنی، تواضع، حق اور راہ خدا میں قوت، عزت نفس، قوت ارادی، خواہشات اور شہوات پر کنٹرول۔

۶۔ تاثراتی اور جذباتی صفات

اللہ کی محبت، عذاب الہی کا خوف، رحمت الہی کی امید، لوگوں سے محبت، ان کے لیے اچھا پسند کرنا، غصہ پر قابو اور تاثرات غضب پر کنٹرول، دوسروں پر عدم زیادتی، عدم ایذا رسانی، دوسروں سے عدم حسد، عدم خود پسندی، رحم دلی، کسی گناہ کے سرزد ہونے پر احساس ندامت اور اپنے آپ کو ملامت۔

۷۔ عقلی اور علمی صفات

کائنات اور مخلوق خداوندی پر غور و فکر، حصول علم و معرفت، ظن و گمان کی عدم پیروی اور حقیقت کی تلاش، آزادی فکر و عقیدہ

۸۔ عملی زندگی اور ملازمت سے متعلق علامات

کام میں خلوص اور اچھائی، کسب معاش کی راہ میں سرگرمی کے ساتھ جہد و

۹۔ جسمانی صفات

قوت، صحت، نظافت، طہارت۔

اگر ہم ان مجموعی صفات پر غور کریں جو قرآن نے مومنین کے لیے بتائی ہیں تو ہمارے ذہنوں میں زندگی سے بھرپور ایسے فرد مومن کی باریک تصویر آجاتی ہے جو اپنے رب پر سچا ایمان رکھتا ہے، کماحقہ عبادت کرتا ہے، اپنی انفرادی و سماجی اور خاندانی زندگی میں اور اپنے کاروبار و ملازمت میں اعلیٰ انسانی اقدار اور بلند و حسین اخلاق کا نمونہ پیش کرتا ہے، اور اخلاص، امانت داری اور خوبی و اچھائی کی مثال قائم کرتا ہے۔ مرد مومن کی جو تصویر قرآن پیش کرتا ہے وہ اس زندگی کے اندر انسانی امکانات کے مطابق انسان کامل کی تصویر ہے اور اس تصویر کے سانچے میں خود کو ڈھال لینے کا مطالبہ اللہ تعالیٰ ہم سے کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اہل ایمان کی پہلی کھیپ کی تربیت انہی صفات کی بنیاد پر فرمائی تھی۔ ان کی شخصیتوں میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی اور ایسے سچے فرزند راہ مومن بنا دیا جنہوں نے اپنی شخصیتوں کی قوت، اخلاق کے حسن، ہمتوں کی بلندی اور قرآن و حدیث سے حاصل کردہ صفات و اقدار کی خوبی سے تاریخ کا رخ پھیر دیا۔

مومنین کے وصف میں قرآن میں بیان ہونے والی ان مجموعی صفات سے ہمارے ذہنوں میں انسان کی جو تصویر ابھرتی ہے، اسی نمونہ کو ہمیں اپنی حقیقی زندگیوں میں اتارنا چاہئے اور اس نچ پر اپنے بچوں کی تربیت و کردار سازی کرنی چاہئے تاکہ ہماری شخصیات کے اندر ان صفات و علامات کی جڑیں پیوستہ ہو جائیں، اس طریقہ سے بہترین اسلامی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

یہ ساری صفات باہم علاحدہ نہیں ہیں، بلکہ سب ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں، اور سب مل کر زندگی کے تمام میدانوں میں مومن کے کردار و عمل کی رخ بندی کرتی ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مومن کا کردار و عمل خواہ اپنے رب کے ساتھ تعلقات ہوں، لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوں، یا اپنی ذات کے ساتھ تعلقات، ہر جگہ یکساں و متوازن رہتا ہے، اور عقیدہ سے متعلق صفات و علامات زندگی کے تمام میدانوں کے اندر اس کے عمل کی رخ بندی میں بنیادی اور مرکزی رول ادا کرتی

ہیں۔ عقیدہ توحید اور دوبارہ زندگی و حساب پر ایمان کی صفات و علامات پر اثر انداز رہتی ہیں، جو مومن اپنے رب کے ساتھ تعلقات میں امانت دار ہوتا ہے، وہ اپنے کاموں میں بھی امانت دار ہوتا ہے، جو مومن اپنے رب کی خشیت و تقویٰ دل میں رکھتا ہے، اور اخلاص کے ساتھ عبادات بجالاتا ہے، وہ اپنی ذات اور لوگوں کے ساتھ کے تمام تعلقات میں بھی اللہ کی خوشنودی کو مد نظر رکھتا ہے، اس کے ثواب کے لیے پر امید اور اس کے غضب و عقاب سے لرزاں رہتا ہے، اس طرح اللہ پر اس کا ایمان اور عبادت کی اثر انگیزی زندگی کے تمام میدانوں تک پھیلی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے اپنی ذات پر توجہ بھی عبادت بن جاتی ہے، دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، محبت اور بھلائی بھی عبادت ہو جاتی ہے، اور اپنے کاموں کو اچھے اور مخلصانہ طریقہ پر انجام دہی بھی عبادت قرار پاتی ہے۔

پھر تمام مومنین تقویٰ کے یکساں معیار پر نہیں ہوتے، تقویٰ کے اندر بھی ان کے مختلف مراتب ہوتے ہیں، قرآن کریم نے مومنین کے تین درجے بتائے ہیں، ایک اپنے اوپر ظلم کرنے والے، دوسرے راہ اعتدال پر چلنے والے، تیسرے نیک کاموں میں پیش پیش رہنے والے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ
بِالْخَيْرَاتِ يُأْتِنُ اللَّهُ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ۔
(فاطر- ۳۲)

(پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے (اس وراثت کے لیے) اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ اب کوئی ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور کوئی بیچ کی راہ میں ہے، اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔)

اس آیت کی تشریح میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: ”(اپنے آپ پر ظلم کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو بعض واجبات و فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور بعض حرام امور کا ارتکاب کرنے والے ہوتے ہیں۔ (درمیانہ رو لوگ) وہ ہیں جو واجبات کی ادائیگی کرتے

ہیں اور حرام امور سے گریز کرتے ہیں بسا اوقات بعض مستحبات کو ترک کر دیتے ہیں اور بعض مکروہات کو اپنا لیتے ہیں، نیک کاموں میں پیش پیش رہنے والے وہ لوگ ہیں جو واجبات اور مستحبات کی ادائیگی کرتے ہیں، محرمات اور مکروہات اور بعض مباحات سے بھی گریزاں رہتے ہیں۔^۱ علامہ قرطبی فرماتے ہیں ”اپنے آپ پر ظلم کرنے والا وہ ہے جو چھوٹے موٹے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، درمیانہ رو وہ ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کے حقوق ادا کرتا ہے اور نیک کاموں میں پیش پیش وہ ہیں جو تمام لوگوں سے آگے رہتے ہیں۔“^۲ تفسیر جلالین میں ہے کہ عمل میں کوتاہی کرنے والا ظالم نفسہ ہے، اور بیشتر اوقات عمل انجام دینے والا درمیانہ رو ہے، اور عمل کے ساتھ تعلیم و رہنمائی انجام دینے والا سابق بالخیرات ہے۔^۳

کفار

متعدد آیات میں قرآن کریم نے کفار کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی امتیازی صفات و علامات بتائی ہیں، ان صفات کو ہم درج ذیل خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) عقیدہ سے متعلق رکھنے والی صفات:

توحید، رسالت، آخرت، دوبارہ زندگی اور حساب پر عدم ایمان۔

(۲) عبادات سے متعلق صفات:

اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پرستش جو نفع یا نقصان کی مالک نہیں ہیں۔

(۳) سماجی تعلقات سے متعلق صفات:

ظلم، مومنوں کے ساتھ اپنے معاملات میں سرکشی، ان کا استہزاء، ان پر زیادتی،

برائی کی ترغیب اور بھلائی سے رکاوٹ۔

(۴) خاندانی تعلقات سے متعلق صفات:

قطع رحمی

^۱ تفسیر ابن کثیر جلد 3، صفحہ 554-555

^۲ تفسیر قرطبی جلد 14، صفحہ 346

^۳ تفسیر جلالین صفحہ 367

(۵) اخلاقی صفات:

وعدہ خلافی، برائی، خواہشات و شہوات کی تکمیل، غرور، تکبر

(۶) تاثراتی و جذباتی صفات:

مومنوں سے نفرت، کینہ، ان کی نعمتوں پر حسد۔

(۷) عقلی و عملی صفات:

فکری جمود، فہم و تعقل سے تہی دامن، دلوں پر مہربانپ دادا کے رواج و عقائد

کی اندھی تقلید، خود فریبی۔

کفار کی شخصیت کی جو تصویر قرآن پیش کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ نہ عقیدہ توحید پر

ایمان رکھتے ہیں، نہ رسولوں پر اور آسمانی کتابوں پر، نہ آخرت اور حساب پر، نہ جنت و

دوزخ پر، وہ اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہوئے ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو کسی

نفع و نقصان کے مالک نہیں، نہ سنتے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ سمجھتے ہیں۔ کفار ایسے اشخاص

ہیں جن کی فکر جمود کا شکار ہے، جو قرآن کی دعوت توحید کی حقیقت کا ادراک نہیں کر

پاتے ہیں۔ اسی لیے قرآن ان کے متعلق بتاتا ہے کہ:

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَ عَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَ عَلَىٰ

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ (بقرہ-۷)

(اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان

کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔)

وہ مومنین سے ان کی نعمتوں پر حسد کرتے ہیں، ان سے کینہ و نفرت رکھتے ہیں،

ان کا استہزاء کرتے ہیں اور ایذا رسانی کرتے ہیں۔ ان کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں

اپنی دولت خرچ کرتے ہیں، مومنوں سے نفرت و عداوت کی راہ میں وہ صلہ و رشتہ کی بھی

پرواہ نہیں کرتے۔ وعدہ خلافی کرتے ہیں، غرور گھمنڈ میں سرشار ہوتے ہیں۔ مادیت اور

مفاہ پرست ہوتے ہیں، دنیاوی عیش و لذت کوشی منتہائے آرزو ہوتی ہے اور فسق و فجور،

عیش پرستی اور خواہشات و شہوات کی تکمیل میں زندگی صرف کر دیتے ہیں۔

گذشتہ سطور میں بات آئی تھی کہ عقیدہ توحید اور دوبارہ زندگی و حساب پر ایمان

مومن کی سب سے نمایاں پہچان ہوتی ہے جو اس کی دیگر تمام صفات و علامات پر اثر انداز

رہتی ہے، بلکہ وہ مومنوں کے امتیازی سلوک و عمل کو وجود بخشنے والی بنیادی قوت محرکہ ہوتی ہے، کفار چونکہ توحید، حساب اور دوبارہ زندگی پر ایمان سے محروم ہوتے ہیں، اس لیے ان کی شخصیات کی دیگر صفات و علامات کی تنظیم و ترتیب کرنے والی قوت سے وہ خالی ہوتے ہیں جو زندگی کے ایک واضح اور متعین مقصد یعنی اللہ کی عبادت، ہر فعل و عمل میں اس کی رضا جوئی، اس کی مغفرت و خوشنودی کی امید اور دنیا و آخرت کے ثواب کی توقع سے انہیں وابستہ کرتی، کردار و عمل کی تجدید و رخ بندی کرنے والی اس قوت سے محرومی کی وجہ سے کفار کی شخصیتوں میں توازن باقی نہیں رہتا، اور وہ برگشتہ ہو کر دنیاوی لذت کوشیوں اور جسمانی عیش پرستیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس محرومی کی وجہ سے تاثراتی توازن بھی بگڑ جاتا ہے، اور وہ مسلمانوں سے نفرت و حسد کرنے لگتے ہیں، ان سے تعلقات میں سرکش اور ایذا رساں بن جاتے ہیں، شخصیت کی بے اعتدالی اور توازنی بگاڑ ان کی فکر میں جمود پیدا کر دیتی ہے، اور دعوت توحید کو قبول کرنے سمجھنے اور اپنانے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔

منافقین

منافقین لوگوں کا ایسا طبقہ ہے جو کمزور شخصیت اور تردد و عدم ٹھہراؤ کا شکار ہوتا ہے وہ ایمان کے تئیں کوئی واضح اور ٹھوس موقف نہیں اپناتے ہیں، قرآن کریم نے ان کی امتیازی علامات بتائی ہیں اور انہیں سخت سزاؤں کی دھمکی دی ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الذِّكْرِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ

لَهُمْ نَصِيرًا۔ (نساء۔ ۱۳۵)

(یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور

تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔)

قرآن میں بیان ہونے والی صفات و علامات کی درج ذیل تقسیم کی جاسکتی ہے:

۱۔ عقائد سے متعلق صفات:

توحید کے تئیں وہ دو ٹوک موقف نہیں اپناتے ہیں، مسلمانوں کے درمیان اسلام کا

اظہار کرتے ہیں، اور مشرکین کے مابین شرک و کفر ظاہر کرتے ہیں۔

۲۔ عبادات سے متعلق صفات:

دکھاوے کے لیے اور بے دلی کے ساتھ عبادات ادا کرتے ہیں، نماز کے لیے جاتے ہیں تو ست ہوتے ہیں۔

۳۔ سماجی تعلقات سے متعلق صفات:

برائی کا حکم دیتے اور بھلائی سے روکتے ہیں، مسلمانوں کی صفوں میں فتنہ و انتشار پھیلاتے ہیں غلط افواہیں اڑاتے ہیں، لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، سامعین پر اثر اندازی کے لیے باتیں بناتے ہیں، خوب قسمیں کھا کر لوگوں کو اپنی سچائی کا یقین دلاتے ہیں، ظاہری حسن و آرائش اپنا کر اپنی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرتے اور ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۴۔ اخلاقی صفات:

خود اعتمادی کی کمزوری، وعدہ خلافی، ریاکاری، بزدلی، جھوٹ، بخل، نفع پرستی، موقع پرستی، خواہشات کی پیروی۔

۵۔ تاثراتی و جذباتی صفات:

خوف، مشرکین اور مومنین دونوں سے انہیں خوف رہتا ہے، بزدلی اور موت کے ڈر کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ شریک جہاد ہونے سے پہلو بچاتے ہیں، مسلمانوں سے کینہ و نفرت رکھتے ہیں۔

۶۔ عقلی و علمی صفات:

تردد، شک و شبہ، قوت فیصلہ کی کمی، صحیح سوچ سے محرومی، اسی لیے قرآن کریم نے بتایا کہ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہیں، اپنے غلط کاموں کو صحیح بتا کر اپنا دفاع کرتے ہیں۔

یہ تمام صفات و علامات جو منافقین کے لیے قرآن نے بتائی ہیں، منافق کی شخصیت کی واضح تصویر سامنے لاتی ہیں، شخصیت منافق کی بنیادی علامتیں ایمان و کفر کے درمیان تردد اور عقیدہ توحید کے تئیں واضح دو ٹوک موقف اپنانے کی قوت سے محرومی ہے، اس کی وجہ غالباً یہ ہوتی ہے کہ منافق چونکہ بزدل اور خود اعتمادی کی قوت سے محروم ہوتا ہے، وہ مومنوں سے بھی خوف کھاتا ہے اور کفار سے بھی ڈرتا ہے، اس لیے ڈانواں ڈول پوزیشن میں رہتا ہے، کسی ایک جانب اپنے میلان کا واضح دو ٹوک فیصلہ نہیں کر پاتا ہے،

اس کمزور موقف کی وجہ سے منافق کو جھوٹ، ریا اور دھوکہ کا سہارا لینا پڑتا ہے، مسلمانوں سے نفرت و حسد کے حقیقی جذبات کو پوشیدہ رکھنا پڑتا ہے، جس وجہ سے غلط افواہوں کا سہارا لے کر وہ خاموشی کے ساتھ فتنہ انگیزی کرتا ہے، منافق موقع و مفاد پرست ہوتا ہے، مسلمانوں کے ہاں کوئی فائدہ دیکھتا ہے تو خود کو ان سے وابستہ ظاہر کرتا ہے، اور جب مشرکوں کے یہاں کوئی فائدہ نظر آتا ہے تو ان میں شامل ہو کر اپنا حصہ حاصل کرتا ہے، منافق بزدل ہوتا ہے، جہاد کے نام پر مارے خوف کے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور طرح طرح کے بہانے تراش کر میدان جنگ سے پیچھا چھڑاتا ہے، منافق ہمیشہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، اس لیے چرب زبانی اور حسن آرائی سے لوگوں پر اپنا اثر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اپنے دل میں وہ کمزوری محسوس کرتا رہتا ہے، اس لیے اپنے کو سچا و صحیح بتا کر اپنے دفاع کی کوشش میں رہتا ہے۔

قرآن کریم نے منافق کی جو تصویر پیش کی ہے، وہ نہایت باریک اور زندہ تصویر ہے، جو تمام انسانی معاشروں میں پائے جانے والے ایک خاص قسم کے لوگوں پر پوری طرح راست آتی ہے، اور ان امتیازی علامات سے ہم واضح طور پر ان کو پہچان سکتے ہیں۔

قرآن میں عقلی حیلے

جب انسان کے اندرون میں پوشیدہ حقیقی جذبات و محرکات جان لئے جاتے ہیں تو اندر میں ابھرنے والے احساس قلق کو چھپانے کے لیے انسان جو دفاعی طرز عمل اختیار کرتا ہے وہی عقلی حیلے کہلاتے ہیں۔

گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا کہ منافقین کی شخصیت کا امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ شک و تردد میں ہوتے ہیں، خود اعتمادی نہیں ہوتی، اپنی فضیلت و رسوائی کا خوف لگا رہتا ہے، اور اندیشہ رہتا ہے کہ مسلمان ان کی حقیقت سے واقف ہو کر ان کی گرفت نہ کر لیں، ان کی شخصیت کی یہ ساخت و کیفیت انہیں عقلی حیلے بطور دفاعی طرز عمل اپنانے پر کثرت سے مجبور کرتی رہتی ہے، قرآن کریم نے تین قسم کے عقلی حیلے بتائے ہیں جنہیں منافقین اپنایا کرتے تھے، بدگمانی، اپنی برات اور برعکس عمل۔

بدگمانی: بدگمانی ایسا عقلی حیلہ ہے جس میں انسان اپنی نفسیاتی کیفیت، اپنے عیوب و محرکات اور اپنی غلطیوں کو دوسروں پر ڈال کر اپنی ذات میں ان امور کو محسوس کرنے

کے بجائے دوسروں میں وہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے کسی دوست کے تئیں دل میں دشمنی رکھتا ہے، وہ اپنے احساس دشمنی کو دوست پر ڈال کر یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کا دوست ہی اس سے دشمنی کا معاملہ کر رہا ہے، منافقین اپنے دلوں میں مسلمانوں کی دشمنی رکھتے تھے، ان سے خفیہ نفرت و حسد کرتے تھے، اور اپنے احساس دشمنی و نفرت کو مسلمانوں پر ڈال کر یہ گمان کرتے تھے کہ مسلمان ہی ان کی گرفت کرنا چاہتے ہیں، منافقین کی اس کیفیت کی قرآن نے کیسی سچی تصویر پیش کی ہے کہ مسلمانوں کی جو آواز بھی وہ سنتے ہیں اپنے خلاف ہی محسوس کرنے لگتے ہیں:

وَإِذْ رَأَيْنَهُمْ تَعْجَبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهِمْ خُشْبٌ مُّسْنَدَةٌ، يَحْسَبُونَ كُلَّ صَبِيحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ فَاتَّلَهُمْ اللَّهُ أَنَّى يُرْفَكُونَ۔

(منافقون - ۴)

(انہیں دیکھو تو ان کے مجھے تمہیں بڑے شاندار نظر آئیں گے۔ بولیں تو تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ مگر اصل میں یہ گویا لکڑی کے کندے ہیں جو دیوار کے ساتھ چن کر رکھ دیئے گئے ہوں، ہر زور کی آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں، یہ بچے دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہو، اللہ کی مار ان پر، یہ کدھرائے پھرائے جا رہے ہیں۔)

جو پکار بھی وہ سنتے ہیں، اپنے خلاف ہی گمان کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مسلمان ان کی گرفت کرنے والے ہیں، یہ خود ان کے دلوں میں پوشیدہ مسلمانوں کے خلاف احساس عداوت کا نتیجہ ہوتا ہے، اپنے احساس عداوت کو وہ مسلمانوں پر ڈال دیتے ہیں، یہ بھی قابل غور ہے کہ آیت کریمہ کے اندر ”ہر پکار کو وہ اپنے خلاف سمجھتے ہیں“ کے فوری بعد کہا گیا کہ ”وہ خود دشمن ہیں، تم ان سے ہوشیار رہو“ یہ دوسرا جملہ بتا رہا ہے کہ درحقیقت خود ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف عداوت بھری ہے، اور ہر پکار و آواز کو اپنے خلاف سمجھنا بدگمانی کے نتیجہ کا وہم ہے۔

برائے: یہ بھی ایک دفاعی عقلی حیلہ ہے، جس کے ذریعہ انسان

اپنے ناپسندیدہ محرکات و افعال کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کی ایسی توجیہ و تشریح کرتا ہے کہ وہ پسندیدہ قرار پا جائیں، منافقین بہت سارے مواقع پر اپنے افعال کی پسندیدہ تشریح کرنے کے لیے اس اسلوب کا سہارا لیتے تھے۔ زمین میں بگاڑ پیدا کر دیتے اور کہتے کہ وہ تو اصلاح و بہبودی چاہ رہے ہیں، اور اس طرح اپنے افعال کی ایسی توجیہ و جواز پیش کرتے کہ وہ درست و پسندیدہ ظاہر ہونے لگیں، اس اسلوب کی جانب درج ذیل آیت میں قرآن نے اشارہ کیا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ۔
(بقرہ-۱۱، ۱۲)

(جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مُفْسِدُونَ ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ بِخَلْفُونَ بِاللَّهِ إِنَّ آرْدُنَا إِلَّا أَحْسَانًا وَتَوْفِيقًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا۔ (نساء-۶۱، ۶۲)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں، پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں سے لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ اس وقت یہ تمہارے پاس تسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں

ہے، ان سے اعراض مت کرو انہیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔)

عقلی حیلے ایسا طرز عمل ہے جسے انسان لاشعوری طریقہ پر انجام دیتا ہے، چنانچہ جب انسان مثال کے طور پر اپنا احساس عداوت دوسرے پر ڈال دیتا ہے تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دوسرا شخص ہی اس کے تئیں دشمنی رکھتا ہے، اور اس طرح وہ اپنے کسی شعور و احساس کے بغیر دوسروں پر ڈالنے کا عمل انجام دے جاتا ہے، اسی طرح جب کوئی انسان اپنی برات و جواز پیش کرتا ہے تو اس وقت وہ اس احساس سے خالی ہوتا ہے کہ وہ اپنے لیے اظہار برات کا عمل انجام دے رہا ہے، بلکہ فی الواقع وہ یہی سمجھ رہا ہوتا ہے کہ جو غلط اعمال اس سے انجام پا رہے ہیں وہ اچھے اور مفید اعمال ہیں، یا وہ ان اعمال سے خیر و بھلائی اور اصلاح چاہ رہا ہے، عقلی حیلوں کے اسی لاشعوری پہلو کی جانب قرآن اس جملہ میں اشارہ کرتا ہے کہ ”در حقیقت وہ خود ہی فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن وہ اس کا احساس و شعور نہیں رکھتے“ یہ جملہ ”وہ احساس و شعور نہیں رکھتے“ ان کی اس بے شعوری کی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ جو کچھ وہ انجام دے رہے ہیں وہ اصلاح و خیر نہیں بلکہ فساد و بگاڑ ہے۔

برعکس عمل: یہ ایک ایسا عقلی دفاعی حیلہ ہے جس میں فرد اپنے جس طرز کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے اس کے برعکس عمل کا اظہار کرتا ہے، مثلاً ایک فرد کسی شخص کے ساتھ ظاہر داری، ادب اور احترام و محبت کا اظہار کرتا ہے، لیکن درحقیقت اس طرح وہ اس کے تئیں اپنے دل کی نفرت و عداوت کو پوشیدہ رکھتا ہے، منافقین بھی مسلمانوں کے تئیں اپنی نفرت و عداوت کی حقیقت کو چھپانے کے لیے اسی دفاعی عقلی حیلہ کا سہارا لیتے تھے، مسلمانوں سے اچھی طرح باتیں کرتے، ان سے اپنی محبت اور احترام و عقیدت کا اظہار کرتے، لیکن ان سب سے مقصود اپنی عداوت و نفرت کا اخفاء ہوتا تھا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
يُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ وَإِذَا تَوَلَّىٰ
سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ
اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ۔ (بقرہ- ۲۰۳، ۲۰۵)

(انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے، جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں، اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ

ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب اسے
اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے
ہوتی ہے کہ فساد پھیلانے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ
کرے۔ حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ
لِقَوْلِهِمْ - (منافقون - ۴)

(انہیں دیکھو تو ان کے جٹے تمہیں بڑے شاندار نظر آئیں، بولیں تو

تم ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔)

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی کے منافقین کا طرز عمل بتاتے ہوئے قرآن
نے چند وہ عقلی حیلے بھی بتائے جنہیں منافقین اختیار کرتے تھے، اس کے چودہ صدی بعد
فرائڈ نے اپنے زیر علاج مریضوں پر تحقیق کرتے ہوئے ان عقلی حیلوں کی دریافت کی۔

قرآن میں شخصی و انفرادی فرق

لوگوں کی استعداد: جسمانی، نفسیاتی اور عقلی صلاحیتوں کے اندر بہت سارے فرق
پائے جاتے ہیں، جو خاندان اور ماحول کے عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں، قرآن نے متعدد
مقامات پر ایسے فرق کی جانب اشارہ کیا ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ خَلِيفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ - (انعام - ۱۱۴)

(وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور تم میں سے بعض کو
بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیئے، تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے
اس میں تمہاری آزمائش کرے۔)

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ
مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا - (زخرف - ۳۲)

(کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں یا دنیا کی زندگی
میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں،

اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں، اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔)

أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ - (اسراء-۲۱)
(مگر دیکھ لو، دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے۔)

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ
كَذَلِكَ - (فاطر-۲۸)

(اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی

مختلف ہیں۔)

ان آیات میں لوگوں کے درمیان پائے جانے والے انفرادی فرق کی جانب واضح اشارے موجود ہیں۔ نیز آیات یہ بھی بتا رہی ہیں کہ یہ فرق خاندان و ماحول کے عوامل کا نتیجہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ جملہ ”تم میں سے بعض کے درجات بعض سے اونچے بنائے“ لوگوں کے درمیان ہر قسم کے فرق و اختلاف، خواہ وہ موروثی ہوں، یا اکتسابی، جسمانی ہوں، نفسیاتی ہوں یا عقلی، دولت و جائداد میں ہوں یا اثر و رسوخ میں، کو ہمہ گیر ہے، اور دوسرا جملہ ”تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لیں“ دولت و ثروت، علم اور پیشہ کے اندر لوگوں کے فرق کی جانب اشارہ کر رہا ہے، کہ غریب شخص اجرت پر مالدار کا کام انجام دیتا ہے، اور مختلف پیشہ و ملازمت سے وابستہ لوگ اجرت پر دوسروں کے کام انجام دیتے ہیں، اور اس طرح باہمی تعاون اور افراد و معاشرہ کے درمیان تقسیم کار کے ذریعہ تمام لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اور زندگی میں درکار تمام لوازمات فراہم ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ، ”رنگ و زبان کا فرق اللہ کی نشانی ہے، انفرادی فرق کے اندر ماحول و خاندان کی اثراندازی کی جانب اشارہ کر رہا ہے کیونکہ رنگوں کے فرق خاندانی عوامل کا واضح نتیجہ ہوتے ہیں، اور زبان و اسلوب اور لہجوں کا فرق بھی سماجی و ثقافتی عوامل

اور ماحول کے اسباب سے پیدا ہوتا ہے۔

علم و حکمت کے اندر بھی لوگوں میں فرق ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عقلی صلاحیتوں اور ذہانت میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ مذکورہ آیات سے بھی اس مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے اور درج ذیل آیت صراحت کے ساتھ یہی حقیقت پیش کر رہی ہے:

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّسَاءٍ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ

(یوسف - ۷۶)

(ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں اور ایک علم رکھنے

والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔)

علامہ ابن کثیر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہے اور یہ سلسلہ اللہ رب العزت پر ختم ہوتا ہے، حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس کے پاس تھے، انہوں نے ایک عجیب بات بتائی، اس پر ایک شخص کو تعجب ہوا اور کہنے لگا: الحمد للہ۔ ہر صاحب علم کے اوپر ایک علم والا ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا: تم نے غلط کہا، ہر جاننے والے کے اوپر اللہ جاننے والا ہے، ایک شخص دوسرے سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے، اور تیسرا اس سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے اور اللہ ہر جاننے والے کے اوپر ہے۔

چونکہ لوگ استعداد و صلاحیت، سماجی و ثقافتی حالات اور شخصی تجربات کے اندر مختلف ہوتے ہیں، اس لیے لوگوں کے عمل میں۔ یقیناً نمایاں فرق پایا جانا چاہئے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ۔ (اسراء - ۸۴)

(اے نبی، ان سے کہہ دو کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا

ہے۔)

جسمانی اور عقلی استعداد و صلاحیت کا فرق لوگوں کے عمل و کردار کے حصول علم اور حق و عدل کی جستجو کے اندر بھی فرق پیدا کر دیتا ہے۔

اور نتیجتاً ان کے فرائض اور ذمہ داریوں میں بھی فرق پیدا ہو جاتا ہے:

لَا يَكْفِيُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا رُسْعُهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ
عَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ۔ (بقرہ - ۲۸۶)

(اللہ کسی تنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ

نہیں ڈالتا، ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔)

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَكَدَيْنَا كِتَابًا يَنْطِقُ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ (مومنون- ۶۲)

(ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے، جو (ہر ایک کا حال) ٹھیک ٹھیک بتا دینے والی ہے، اور لوگوں پر ظلم بہر حال نہیں کیا جائے گا۔)

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَّا آتَاهَا۔ (طلاق- ۷)

(اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف

نہیں کرتا۔)

لوگوں کے شخصی فرق کی جانب اور ہر شخص کو اس کی طاقت و وسعت کے بقدر ذمہ دار بنائے جانے کی جانب قرآن کریم کا واضح اشارہ وہ بنیادی فکر ہے جس کے مطابق جدید علم النفس افراد کی استعداد و صلاحیت کے فرق کو نظام تعلیم کی تنظیم میں ملحوظ رکھتا ہے، اور ہر شخص کو اس کی استعداد و صلاحیت کے مناسب علم کے حصول کا مشورہ دیتا ہے، جدید تربیتی نظام کے اندر بھی تربیتی رہنمائی کے عمل سے یہی مقصود ہوتا ہے، جدید ماہرین نفسیات انہی انفرادی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے تکنیکی و پیشہ ورانہ کاموں کے اندر ہر فرد کو اس کے مناسب و لائق کام ہی میں لگاتے ہیں۔

حدیث نبوی کے اندر بھی موروثی عوامل کی اثر اندازی کی جانب اشارہ موجود ہے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”اچھی نسل میں شادی کرو، نسل کا اثر رہتا ہے۔“ دوسری حدیث میں فرمایا ہے ”اپنے نطفہ کے لیے انتخاب کرو، خواتین اپنے ماموں اور اپنی بہنوں کی شکلوں کے بچے جنتی ہیں“ ماحول کے عوامل کی اثر انگیزی کی جانب اس فرمان نبوی میں اشارہ ملتا ہے کہ ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔“ لہ

قرآن میں انسانی نشوونما

علم النفس کے اندر ان مختلف مراحل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو بچہ کی نشوونما کے دوران پیش آتے ہیں، ان مراحل کی امتیازی عمومی خصوصیات اور ان پر اثر انداز ہونے والے مختلف عوامل کو بھی زیر مطالعہ لایا جاتا ہے اس کے نتیجہ میں بچہ کی شخصیت کو پوری طرح سمجھنے اور اس کی رہنمائی و تربیت اچھی طرح انجام دینے کا موقع ملتا ہے۔

علم النفس کے اندر نہ صرف پیدائش کے وقت سے اس کی نشوونما کے مراحل کا مطالعہ کیا جاتا ہے بلکہ ما قبل ولادت جب وہ اپنی ماں کے بطن میں جنین ہوتا ہے، اس کے نشوونما کے مراحل اور جنین کی تشکیل و نشوونما پر اثر انداز ہونے والے مختلف موروثی و ماحولیاتی عوامل کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے، ما قبل ولادت مرحلہ کی نشوونما کے مطالعہ میں علم جنین کی تحقیقات کے نتائج سے علم النفس کے اندر بہت مدد ملی جاتی ہے۔

ما قبل ولادت نشوونما

قرآن کریم نے ایجاز و تفہیم کے اپنے معجزانہ اسلوب میں استقرار حمل کے وقت سے ولادت تک جنین کی نشوونما کے مراحل کی جانب درج ذیل آیات میں اشارہ کیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ
نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا
الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَّوْنَا
الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ
الْخَالِقِينَ - (مومنون - ۱۲، ۱۳)

(ہم نے انسان کو مٹی کے سلالت سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لو تھڑے کی شکل دی، پھر لو تھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر ہے۔)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا
خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِّنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ
مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقَرِّفِي الْأَرْحَامِ

مَا نَسَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا
 أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ
 لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ (حج-۵)

(لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو
 تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر
 خون کے لو تھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی
 ہے اور بے شکل بھی، (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت
 واضح کریں، ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک خاص وقت تک رحموں
 میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں
 (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے
 کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا
 جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔)

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي
 ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ۔ (زمر-۶)

(وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک تاریک پردوں کے اندر
 تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔)

ان آیات میں قرآن کریم نے آغاز حمل کے وقت رحم کے اندر جنین کی نشوونما
 کے مراحل کی جانب اشارہ کیا ہے، جس وقت باپ کے مادہ منویہ کا ایک خلیہ ماں کے پختہ
 انڈے سے بار آوری کے ذریعہ ^{تلقیح} کو وجود بخشتا ہے جسے قرآن نے ”نطفہ“ کا نام بتایا
 ہے، پھر بار آور انڈا تقسیم ہو کر متعدد ہونے لگتا ہے اور اس کے خلیوں کی تعداد بڑھ جاتی
 ہے، لیکن ابتدائی دو ہفتوں کے دوران حجم کے اندر کوئی محسوس تبدیلی رونما نہیں ہوتی
 لہٰذا اس وقت قرآن کی زبان میں ”فلقہ“ وجود میں آتا ہے۔ ۱۷

۱۷ مستقدا از فواد بی سید، الاس النفسیہ للنمو، دار الفکر العربی قاہرہ ۱۹۷۵، صفحہ ۹۰-۱۰۰

ایڈیشن چہارم، حامد عبدالعزیز فقی، دراسات فی سیکولوجیہ النمو، کویت ۱۹۷۷، صفحہ ۴۱-۶۸

۱۸ دیکھئے فواد بی، حوالہ سابق صفحہ ۹۱، محمد اسماعیل ابراہیم، حوالہ سابق صفحہ ۱۰۷

پھر بار آور انڈا بیضہ دانی سے نکل کر رحم کی جانب آتا ہے اور اس کی دیواروں میں نصب ہو جاتا ہے اب جنین کی جھلیاں بنی شروع ہوتی ہیں اور ناف کی رسی دراز ہو کر بار آور انڈے کو ماں سے وابستہ کر دیتی ہے تاکہ ماں کے خون سے غذا کا حصول ہونے لگے، مقلہ اس مرحلے میں آکر مقلہ بن جاتا ہے، اس کے بعد جسم کے ڈھانچہ کی تشکیل و تخلیق شروع ہوتی ہے، قرآن نے اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے ”مقلہ سے مخلقہ اور غیر مخلقہ“

جنین کی زندگی کا یہ دور دوسرے ہفتہ کے اختتام سے شروع ہو کر دوسرے ماہ کی انتہا تک جاری رہتا ہے، جس کے بعد شروع ہونے والا مرحلہ ماہرین جنین کے نزدیک مرحلہ جنین کہلاتا ہے ۱۔ جو پچھلے مرحلہ مقلہ سے ممتاز ہوتا ہے ۲۔ جنین کا مرحلہ تیز رفتار نشوونما کا مرحلہ ہوتا ہے، اس دوران جنین کا حجم تیزی سے بڑھتا ہے، اعضاء کے تناسب میں تبدیلی آتی ہے، یہاں تک کہ انتہائے حمل تک نشوونما مکمل ہو جاتی ہے ۳۔ مرحلہ جنین کے آغاز میں ہڈیاں بنی شروع ہوتی ہیں جو سابقہ مرحلہ نمو کے دوران سے موجود غضروفی خلیوں کی جگہ لے لیتی ہیں۔

رحم کے اندر جنین ایک جھلی سے گھرا ہوتا ہے۔ جسے امنونی جھلی The Amnion کہتے ہیں وہ سائل مادہ سے بھری ہوتی ہے، اور جنین کے لیے متعدد اہم کام انجام دیتی ہے: مثلاً سخت جھنکوں سے اور تاثیر جاذبیت و کشش سے جنین کی حفاظت کرتی ہے ۴۔ اس کی جانب قرآن کریم نے سورہ مومنون کی ان آیات میں اشارہ کیا ہے جو پیچھے ذکر ہو چکی ہیں، سورہ مرسلات میں بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا:

اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ فَجَعَلْنَا فِيْكُمْ قَرَارًا مَّكِيْنٍ
اِلٰى قَدْرٍ مَّعْلُوْمٍ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ۔ (مرسلات - ۲۰-۲۳)

۱۔ Fetus Stage

۲۔ Embryonic Stage

۳۔ فواد بی، حوالہ سابق صفحہ 91-93

۴۔ حامد عبدالعزیز فقی، حوالہ سابق صفحہ 51

(کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا اور ایک مقرر مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ ٹھہرائے رکھا؟ تو دیکھو ہم اس پر قادر تھے پس ہم بہت اچھی قدرت رکھنے والے ہیں۔)

مفسرین کہتے ہیں کہ سورہ زمر کی پچھلی آیت میں قرآن نے جن تین تاریکیوں کا ذکر کیا ہے ان سے بطن کی تاریکی، رحم کی تاریکی اور مشیمہ کی تاریکی کی جانب اشارہ ہے (۱) ایک جدید تشریح کے مطابق ان سے بیضہ دانی (allopan Tube) رحم کی تاریکیوں کی جانب اشارہ ہے۔ (۲)

ولادت کے بعد نشوونما

بچہ پیدائش کے بعد انتہائی کمزور اور دوسروں کی نگہداشت کا محتاج ہوتا ہے، زندگی کے ابتدائی ایام میں نومولود کی نشوونما بڑی تیزی کے ساتھ ہوتی ہے، عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ نشوونما کی رفتار بھی بتدریج دھیمی ہوتی جاتی ہے اور مراہقت سے پہلے زندگی ٹھہری ہوئی محسوس ہوتی، مراہقت کا مرحلہ شروع ہوتے ہی اعضاء بدن اور نفسیات کے اندر بڑی تیز رفتار اور طاقتور تبدیلیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں، مراہقت کا مرحلہ ختم ہونے اور پختگی کا مرحلہ شروع ہونے، جس میں نشوونما کا عمل مکمل ہو جاتا ہے، کے ساتھ ان تبدیلیوں کی تیزی میں ٹھہراؤ آ جاتا ہے اور زندگی میں ٹھہراؤ و سکون پیدا ہو جاتا ہے، پختگی کی عمر کو پہنچنے تک جسمانی نشوونما مکمل ہو چکی ہوتی ہے اور عقلی صلاحیتوں کی نمو بھی مکمل ہو جاتی ہے لیکن نئے تجربات اور علم و معرفت کے حصول کا سلسلہ مرحلہ پیری تک جاری رہتا ہے، اس کے بعد جسمانی قوت میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے، عقلی صلاحیتوں میں کمزوری آنے لگتی ہے، پیدائش کے بعد مرحلہ طفولیت سے پیری تک جن مراحل سے انسان گزرتا ہے، قرآن نے ذیل کی آیات میں ان کی جانب اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا

۱۔ تفسیر قرطبی 15/235-236

۲۔ محمد اسماعیل ابراہیم، حوالہ سابق صفحہ 105

شَبُوحًا وَمِنْكُمْ مَّنْ يَتُوفَّىٰ مِنْ قَبْلٍ وَلْيَبْلُغُوا أَجَلَ مُّسَمًّى
وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (المؤمن - ۶۷)

(وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لو تھڑے سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے، پھر تمہیں بڑھاتا ہے تاکہ تم اپنی پوری طاقت کو پہنچ جاؤ، پھر اور بڑھاتا ہے تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تم اپنے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور اس لیے کہ تم حقیقت کو سمجھو۔)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعِيفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ
ضَعِيفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا
يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ۔ (روم - ۵۴)

(اللہ ہی تو ہے جس نے ضعف کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتداء کی، پھر اس ضعف کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔)

کچھ بوڑھے لوگوں کے اندر ستر سال کی عمر کے ارد گرد عقل و عمل میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے، خصوصاً حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، ذہنی توجہ میں کمی آ جاتی ہے، ماضی اور حال میں اور حقیقت اور خیال میں اختلاط ہونے لگتا ہے، عقلی فیصلوں کی صلاحیت نہیں رہتی، اسی طرح اپنے تاثرات اور انفعالات پر کنٹرول کی قوت ختم ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے بیشتر اوقات ان کے کاموں میں بچکانہ پن جھلکنے لگتا ہے، عقلی و عملی اضطراب کی اس حالت کو ”ذہنی پیرانہ سالی“ کہا جاتا ہے، جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ عمر کے اس مرحلہ میں آ کر دماغ کے نیسجوں میں ایک قسم کی گراوٹ آ جاتی ہے، اس گراوٹ کا ایک سبب شریانوں میں سختی و شدت بھی ہے۔ جس کی وجہ سے دماغ کے اعصابی نیسجوں میں پہنچنے والی آکسیجن کم ہو جاتی ہے اور دماغ کے اندر اپنے کاموں کو انجام دینے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔

بڑھاپے کی کمزوری کے اثرات مختلف لوگوں پر مختلف ہوتے ہیں، لوگوں کے

درمیان انفرادی فرق یہاں بھی ہوتا ہے، کچھ بوڑھے لوگوں کے اندر اس مرحلہ میں بھی عقلی صلاحیت کا بڑا حصہ محفوظ و برقرار ہوتا ہے، اور کچھ کے اندر عقلی صلاحیت بڑی حد تک کمزور ہو چکی ہوتی ہے، اور بڑھاپے کی علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں، بظاہر ایسا لگتا ہے کہ بعض موروثی عوامل، خون کی رگوں اور ٹھوس غدود کی حالت سے متعلق عوامل امراض بڑھاپے کے اظہار میں معاون بنتے ہیں، بعض تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ بعض عمر دراز لوگوں کے دماغ کا بڑا حصہ ضائع ہو جانے کے بعد صحیح منطقی سوچ و فکر کی صلاحیت باقی رہی ہے، ان تحقیقات کے پیش نظر بعض ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ بڑھاپا بظاہر عقلی صلاحیت کے زوال کو قبول کرنے اور دباؤ کے حالات سے خود کو ہم آہنگ کر لینے کی فرد کی صلاحیت و مہارت پر منحصر ہوتا ہے، جو شخص بڑھاپے کے امراض و آثار کو قبول کر لیتا ہے وہ بڑھاپے میں پیش آنے والی تبدیلیوں سے خود کو اچھی طرح ہم آہنگ کر لینے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے، لیکن جو اپنی عقلی صلاحیت اور یادداشت کی کمزوری سے پریشان رہتا ہے وہ غیر متوازن اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہ

قرآن کریم نے درج ذیل آیت میں اس عقلی اور عملی اضطراب و خلل کی جانب اشارہ کیا ہے، جس سے بڑھاپے کے مرحلہ میں بعض افراد دوچار ہوتے ہیں:

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لَتَبَلَّغُوا أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ
يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ
بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ (حج- ۵)

(پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں) (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔)

اس آیت میں ما قبل ولادت مراحل نشوونما، نطق سے ملکہ، پھر مضغ کی جانب اشارہ کرنے کے بعد مابعد ولادت مراحل نشوونما، یعنی طفولیت سے پختگی جب انسان کی نشوونما

مکمل ہو جاتی ہے، اور کمال پختگی کو وہ پہنچ جاتا ہے، پھر بڑھاپے میں جب انسان کے جسم و عقل میں کمزوری آتی شروع ہو جاتی ہے، کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بڑھاپے کی عمر میں بعض لوگوں کی عقلی صلاحیتوں میں خلل اور آثار درازی عمر کا ظہور ہو جاتا ہے۔

بڑھاپے میں بعض لوگوں کو پیش آنے والے عقلی و جسمانی خلل کی جانب دیگر مواقع پر بھی قرآن نے اشارہ کیا ہے، مثلاً:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ اِلَىٰ سَوْدِ
الْعُمْرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ قَدِيْرٌ۔
(نحل - ۷۰)

(اور دیکھو، اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر وہ تم کو موت دیتا ہے، اور تم میں سے کوئی بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے، حق یہ ہے کہ اللہ ہی علم میں بھی کامل ہے۔)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ
اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ
اَجْرٌ غَيْرٌ مَّمْنُوْنٍ۔ (تین - ۶۴)

(ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا پھر اسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نچوں سے بچ کر دیا، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔)

وَمَنْ تُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ۔
(یس - ۶۸)

(جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی مسافت کو ہم الٹ ہی دیتے ہیں۔ کیا انہیں یہ حالت دیکھ کر عقل نہیں آتی۔)

بچہ کی حسی نشوونما

جدید عضویاتی تحقیقات بتاتی ہیں کہ پیدائش کے وقت پردہ چشم کی حساسیت کمزور ہوتی ہے، اور آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی ایک سال کی عمر پوری ہونے تک تقریباً اپنی پختگی کو

پہنچ جاتی ہے، ولادت کے فوری بعد بچہ تیز روشنی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے، دوسرے دن سے وہ مختلف روشنیوں کا سامنا کرنے کا عمل بتدریج سیکھنا شروع کر دیتا ہے اور تیز روشنی سے بچنے کے لیے آنکھیں بند کرتا یا سر کو پیچھے کی جانب موڑ لیتا ہے، چونکہ نومولود کی آنکھ کا پردہ کمزور ہوتا ہے اس لیے چھ ماہ کی عمر تک اشیاء کی تصویر اس کے سامنے پوری طرح واضح نہیں ہوتی، چھ ماہ کے بعد اس کی آنکھوں کے پردے کی نشوونما مکمل ہو جاتی ہے لہذا ابتداء میں بچہ کی آنکھیں ساکن اور متحرک اشیاء کو دیکھ کر غیر ہم آہنگ حرکت کرتی ہیں، داہنی آنکھ ایک چیز دیکھ رہی ہوتی ہے، اور بائیں آنکھ کوئی دوسری چیز دیکھ رہی ہوتی ہے، جس سے بسا اوقات دیکھنے والوں کو یہ اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ بچہ کی آنکھوں میں کمی ہے، پھر بتدریج ہم آہنگ حرکت کی قدرت آنکھوں میں پیدا ہونے لگتی ہے اور کسی چیز پر نظر ڈالتے وقت دونوں آنکھیں ایک سمت میں ایک ساتھ حرکت کرتی ہیں۔

لیکن چیزوں کو پوری وضاحت کے ساتھ دیکھنے کی قدرت پہلے سال کے نصف آخر میں پیدا ہوتی ہے، اسی لئے تیز اور اونچی آواز پر وہ چونکتا ہے، لیکن آہستہ و کمزور آواز کی جانب متوجہ نہیں ہوتا ہے، ادراک سماعت نشوونما کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے اور مختلف آوازوں میں فرق کرنے کی قدرت بتدریج پیدا ہوتی ہے، جو آہستہ آہستہ نشوونما پاتی ہے، ولادت کے بعد تین سال کی عمر سے یہ تبدیلی و ترقی شروع ہو کر تیرہ سال کے کچھ دنوں بعد اپنی پختگی کو پہنچ جاتی ہے۔

جدید عضویاتی تحقیقات سے حاصل ہونے والی ان معلومات، کہ بچہ اپنی عمر کے ابتدائی مراحل میں چیزوں کو پوری طرح دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے، لیکن تیز آواز کو سن سکتا ہے، کی روشنی میں اس حکمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ درج ذیل آیت کریمہ کے اندر ”بصارت“ سے پہلے ”سماعت“ کا لفظ کیونکر لایا گیا:

۱۔ فواد بی، حوالہ سابق صفحہ 122

۲۔ حوالہ سابق صفحہ 121-123

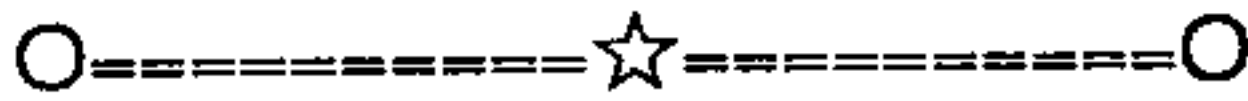
۳۔ حوالہ سابق صفحہ 124

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا
 وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ
 تَشْكُرُوْنَ۔ (نحل-۷۸)

(اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ
 تم کچھ نہ جانتے تھے، اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں، اور
 سوچنے والے دل دیئے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔)

نیز جدید عضویاتی تحقیقات کے اس نتیجہ، کہ چیزوں کو دیکھتے وقت بچہ کی آنکھیں غیر
 ہم آہنگ حرکت کرتی ہیں، سے ہم یہ بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرآن حاسہ سماعت کا ذکر
 مفرد لفظ سے اور حاسہ بصارت کا تذکرہ صیغہ جمع کے ساتھ کیوں کرتا ہے، ان کے علاوہ
 سماعت کا ذکر مفرد لفظ اور بصارت کا جمع کے لفظ سے کرنا دیگر متعدد حقائق کی جانب بھی
 اشارہ کرتا ہے، جنہیں ہم گذشتہ فصل ”قرآن اور ادراک حسی“ کے اندر ”قرآن میں
 حواس کا تذکرہ“ پر گفتگو کرتے ہوئے بتا چکے ہیں۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں سماعت و بصارت کے بعد دل کا تذکرہ
 ہے۔ غالباً اس لیے کہ بچہ کے اندر عقلی ادراک اور تمیز کی صلاحیت، سماعت و بصارت
 کے حاسے اور دیگر حواس کی نشوونما شروع ہو جانے کے بعد والے مرحلہ میں ظاہر ہونی
 شروع ہوتی ہے۔



نفسیاتی علاج اور قرآن

قرآن کا نزول بنیادی طور پر لوگوں کی ہدایت، عقیدہ توحید کی دعوت، زندگی اور فکر و نظر کے نئے اسالیب اور نئے اقدار کی تعلیم، انسان اور معاشرہ کے لیے فلاح و بہبود کی ضامن کردار و عمل کی رہنمائی، اور نفس انسانی کی ان خطوط پر تربیت و نشوونما کے لیے ہوا ہے جو کمال انسانی کے بام عروج پر پہنچا کر دنیا اور آخرت کی سعادت سے انسان کو ہمکنار کر دیں:

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمٌ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ
الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا۔
(سین اسرئیل-۹)

(حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن کریم وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے، جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْمٌ مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ
لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ (یونس-۵۷)
(لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے
یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے اور جو اسے قبول کر لیں ان
کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔)

وَنُنزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا
يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (سین اسرئیل ۸۲)

(ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو
ماننے والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لیے خسارے

کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں لرتا۔)

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَ شِفَاءً - (حم)

(السجدة-۲۲)

(ان سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا

ہے۔)

هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ -

(جاثیہ-۲۰)

(یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور

رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔)

قرآن کریم نے اہل عرب کے نفوس پر زبردست اثر ڈالا، ان کی شخصیتوں میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دیں، اخلاق و کردار بدل دیئے، زندگی کا رخ پھیر دیا اور ان سے ایسی جماعت تیار کر دی جو بلند و شریفانہ انسانی اخلاق و اقدار کے علمبردار تھے، ایک ٹھوس، متحد اور تعاون پسند معاشرہ برپا کر دیا، جنہوں نے اپنے وقت کی دو عظیم سلطنتوں روم و فارس کو سرنگوں کر دیا، اور دنیا کے بیشتر حصوں میں پھیل گئے، جہاں گئے دعوت اسلامی کا پرچم اٹھائے رہے، دنیا کی مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والے ان مومنوں اور اہل عرب کے نفوس میں قرآن کریم نے جو انقلاب پیدا کر دیا اس کی مثال تاریخ کی کسی دعوت عقیدہ و مذہب کے اندر نہیں ملتی۔

بلاشبہ قرآن کے اندر زبردست روحانی قوت ہے، نفس انسانی پر اس کی اثر انگیزی بہت طاقتور ہے، وہ پورے وجود کو جھنجھوڑ دیتا ہے، احساس و شعور میں زلزلہ پیدا کر دیتا ہے، روح کو شفاف بنا دیتا ہے، فکر و ادراک کو بیدار کر دیتا ہے، بصیرت میں جلا پیدا کر دیتا ہے، قرآن کی اثر انگیزی کے بعد ایک نیا انسان سامنے آتا ہے، گویا اس کی نئی تخلیق ہوئی

ہو۔

روز اول سے تاریخ اسلام اور دعوت اسلامی کے مختلف مراحل کا مطالعہ کرنے والا بخوبی دیکھ سکتا ہے کہ مدرسہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اسلام کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے اندر کیسی زبردست تبدیلی پیدا ہو جاتی تھی، اور قرآن اور دعوت اسلامی ان کے نفوس میں کیسی انقلابی اثر انگیزی رونما کر دیتی تھی۔

جدید معاشروں کے اندر اچھے شہری تیار کرنے کے لیے تعلیم و تربیت اور رہنمائی کے میدانوں میں باوجودیکہ زبردست کوششیں صرف کی جا رہی ہیں، لیکن اچھے شہریوں کی تیاری میں ان کی کوششوں سے مطلوبہ نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں، تمام معاشروں کے اندر بڑھتے ہوئے جرائم اور پھیلتی ہوئی انارکی و بے راہ روی اچھے شہریوں کی تیاری میں جدید اسالیب تربیت کی ناکامی کی واضح دلیل ہیں۔

نفسیاتی امراض اور شخصی خلل و اضطراب کے شکار لوگوں کے نفسیاتی علاج کے میدان میں بھی ادھر کافی کوششیں کی جا رہی ہیں، اور نفسیاتی علاج کے مختلف طریقے سامنے لائے جا رہے ہیں، لیکن نفسیاتی امراض کے خاتمہ اور ان سے تحفظ میں یہ سارے علاج مطلوبہ کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں، بعض تحقیقات و مطالعات سے واضح ہوا ہے کہ تحلیل نفسی کے ذریعہ نفسیاتی مریضوں کے علاج میں کامیابی کی شرح ۶۰% سے ۶۳% ہے، اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ بغیر علاج کے نفسیاتی امراض سے نجات پالنے والوں کی شرح ۴۴% سے ۶۶% کے درمیان ہے، تو مذکورہ کامیابی کی شرح اطمینان بخش نہیں رہتی ہے، ساتھ یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ بعض مریضوں کی حالت نفسیاتی علاج کے بعد مزید خراب ہو جاتی ہے، بعض دوسری تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نفسیاتی مریض کی درج شدہ مجموعی تعداد میں سے کسی بھی قسم کا نفسیاتی علاج نہ اختیار کرنے والے مریضوں نے جس بہتری و اچھائی کا اظہار کیا وہ نفسیاتی علاج حاصل کرنے والوں کی بہتری و اچھائی کے برابر تھی، بلکہ تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفسیاتی علاج حاصل کرنے والے بعض مریضوں کی حالت مزید خراب ہو گئی، لہٰذا ان تمام تحقیقات و مطالعات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نفسیاتی علاج سے شفا یابی کی شرح اب تک اطمینان بخش معیار تک نہیں پہنچ سکی ہے۔

ان کے علاوہ نفسیاتی امراض پیدا ہو جانے کے بعد ان کا علاج کرنا ہی محض اہم نہیں ہے بلکہ ان امراض سے تحفظ اور ان کے پیدا ہونے سے حفاظت، یا کم از کم حتی الامکان ان میں تخفیف کی کوشش زیادہ اہم و افضل ہے، ادھر کچھ اسکالروں نے انارکی و بے راہ روی سے تحفظ کے پہلو میں دلچسپی لی ہے اور مختلف معاشرتی ماحول میں انسانی

تعلقات کے اندر پیدا ہونے والے بحرانوں کا حل نکال کر غلط روش کو روکنے کی کوششیں انجام دی گئی ہیں، لیکن یہ کوششیں انتہائی محدود اور بہت ہی تنگ دائروں میں انجام دی گئی ہیں، جیسے امریکی معاشرہ کے بعض بڑے شہروں کے بعض محلوں میں ابھرنے والے خانگی بحرانوں میں پولیس کی دخل اندازی سے غلط روش اور انارکی سے تحفظ کا موضوع اب تک ماہرین نفسیات و سماجیات کے لیے بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میدان میں ان کی کوششیں بہت ہی معمولی ہیں۔

پھر نفسیاتی علاج کے موجودہ مختلف اسکولوں کے درمیان، کردار کا محرک بننے والے بنیادی محرکات کی نوعیت اور قلق پیدا کر دینے اور عقلی و نفسیاتی امراض کا سبب بننے والی تہدیدات کی نوعیت کے سلسلہ میں پائے جانے والے بے شمار اختلاف کی وجہ سے شخصیت کی درستگی و اعتدال، بے اعتدالی کے اسباب اور نفسیاتی علاج کے اسالیب کے تئیں کسی مکمل نقطہ نظر پر ان اسکولوں کا اتفاق بڑا دشوار ہو جاتا ہے، ہر اسکول انسان کو اپنے مخصوص و محدود زاویہ سے دیکھتا ہے، وسیع و ہمہ گیر اور بھرپور نظر کوئی نہیں ڈالتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کا درست و دقیق فہم حاصل نہیں ہوتا ہے، البتہ ادھر ماہرین نفسیات اور نفسیاتی معالجین کے درمیان ایک نیا رجحان ظاہر ہو رہا ہے جس میں شخصیت کے اندر سماجی و ثقافتی عوامل کی اثر انگیزی کی جانب زیادہ توجہ دی جا رہی ہے، اور جس کی وجہ سے شخصیت کے اعتدال و بے اعتدالی کے اندر انسانی تعلقات کی اہمیت ان کی نظر میں واضح ہونے لگی ہے Sheldon Cashdan اس سلسلہ میں کہتا ہے: ”مستقبل کا نمونہ لوگوں کے باہمی ربط اور ایک دوسرے پر اعتماد کو زیادہ تسلیم کرے گا، بلکہ مستقبل کا نمونہ ایک جدید مفہوم کو بھی شامل ہے جو محبت کا مفہوم ہے“^۱

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ رجحان، ماہرین نفسیات اور نفسیاتی معالجین کو آخر کار انسانی طبیعت اسباب انحراف اور اسالیب علاج سے متعلق دینی نقطہ نظر اپنانے یا کم از کم اس سے قریب تر نقطہ نظر اپنانے تک پہنچا دے گا۔

^۱ شیلڈون کاشدان، علم نفس الشواذ، ترجمہ احمد عبدالعزیز سلامہ، نظر ثانی محمد عثمان نجاتی،

دار الشروق بیروت 1984، صفحہ 221-226

^۲ حوالہ سابق صفحہ 266

بلکہ بعض جدید ماہرین نفسیات کے یہاں ادھر کچھ ایسے رجحانات بھی ابھر رہے ہیں جو نفسیاتی صحت اور نفسیاتی امراض کے علاج میں دین و مذہب کی اہمیت کا اعلان کر رہے ہیں، اور ان کا خیال ہے کہ اللہ پر ایمان کے اندر ایسی غیر معمولی طاقت ہے جو دیندار شخص کو روحانی طاقت عطا کرتی ہے، جو مشکلات زندگی کو برداشت کرنے میں معاون بنتی ہے اور اس اضطراب سے محفوظ رکھتی ہے جو مادیت کے دور دورہ والے اس زمانہ میں بیشتر لوگوں کو پیش آتے ہیں، جہاں مادی تغذی کے لیے سخت تنافس و تگ و دو پیدا ہو گئی ہے اور روحانی غذا بالکل مفقود ہے، جس کے نتیجہ میں موجودہ انسان کے اندر سخت تناؤ اور دباؤ پیدا ہو گیا ہے، وہ بے چینی و اضطراب کا شکار ہے، اور مختلف نفسیاتی امراض سے دوچار ہے، اس آوازہ کو بلند کرنے والے جدید ماہرین نفسیات میں سے امریکی فلسفی و ماہر نفسیات ولیم جیمس William James بھی ہے، اس نے اعلان کیا کہ: ”قلق و اضطراب کا بلاشبہ سب سے اچھا علاج ایمان ہے“ اس نے یہ بھی کہا کہ: ”ایمان وہ عظیم طاقت ہے جو زندگی میں انسان کی معاونت کے لیے بے حد ضروری ہے، اور اس کا فقدان زندگی سے نبرد آزمائی میں بے بسی کی علامت ہے۔“ اس کا جملہ ہے کہ: ”ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے اگر ہم اپنے آپ کو اس ذات کی نگرانی میں دے دیں تو ہماری تمام طاقتیں اور آرزوئیں مکمل ہو جائیں“ وہ کہتا ہے: ”سمندر کی پرشور تلاطم خیز موجیں اس کی گہری تہ کے سکون کو بھی درہم برہم نہیں کرتیں، اسی طرح جس انسان کا ایمان اللہ پر مضبوط ہوتا ہے سطحی اور وقتی گردشیں اس کے اطمینان کی فضا کو پرانگندہ نہیں کرتیں، دیندار شخص یقیناً قلق و اضطراب پر مضبوط ہوتا ہے، اپنے اعتدال کو تھامے رہتا ہے، اور مصائب زمانہ کا سامنا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔“

Carl G. Jung کہتا ہے: گذشتہ تیس سالوں کے دوران دنیا کی مختلف تہذیب یافتہ اقوام سے تعلق رکھنے والے اشخاص نے مجھ سے مشورے لیے، اور میں نے سینکڑوں مریضوں کا علاج کیا، میرے زیر علاج مریضوں، جو اپنی عمر کے نصف آخری حصے یعنی پینتیس سالوں سے تجاوز کئے ہوئے تھے، میں سے کسی کو میں نے ایسا نہیں پایا جس کا مسئلہ بنیادی طور پر

۱۔ دیل کارنیجی: دواع القلق و بد الحیاة، ترجمہ عبدالمنعم الزیادی، مکتبہ خانجی، قاہرہ 1952ء

زندگی کے اندر دینی نقطہ نظر سے محرومی کا نہ رہا ہو، اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر شخص مرض کا شکار اسی وجہ سے تھا کہ وہ اس قوت سے محروم تھا جو ہر دور میں دینی مذاہب اپنے پیروکاروں کو عطا کرتے ہیں، اور ان میں کسی کو حقیقی معنوں میں مکمل شفا یابی اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ اس نے زندگی کے اندر اپنے دینی نقطہ نظر کو اپنا نہ لیا۔^۱ لے محلل نفسی A.A.Brill کہتا ہے: ”دیندار شخص بلاشبہ کبھی بھی نفسیاتی مرض کا شکار نہیں ہوتا۔“ لے امریکی ماہر نفسیات ہنری لینک Henry Link اپنی کتاب ”ایمان کی جانب واپسی“ میں ذکر کرتا ہے کہ ملازمت کے انتخاب و رہنمائی کے عمل میں مزدوروں پر نفسیاتی تحقیقات کے اپنے طویل تجربہ کا نتیجہ اس کے سامنے یہ آیا کہ دیندار اور عبادت گاہوں میں حاضر ہونے والے اشخاص ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ طاقتور و اچھی شخصیت رکھتے تھے جو کوئی عبادت نہیں انجام دیتے اور نہ دین سے وابستہ ہوتے ہیں۔ لے ماہرین نفسیات اور نفسیاتی محللین کے علاوہ عصر حاضر کے بے شمار مغربی مفکرین اس بات کا اعتراف و اعلان کر چکے ہیں کہ موجودہ انسان کا بحران دراصل بنیادی طور پر دین اور روحانی اقدار سے محرومی کا نتیجہ ہے، مور A.Toynbee نے بتایا کہ موجودہ دور میں اہل یورپ جس بحران سے دوچار ہیں وہ بنیادی طور پر روحانی افلاس کا نتیجہ ہے اور اس تنگنائی سے نکلنے کی واحد راہ دین کی طرف واپسی ہے۔ لے ایمان نفس انسانی پر زبردست اثر ڈالتا ہے، خود اعتمادی، قوت صبر اور مشکلات زندگی کے تحمل کی قوت کو دوبالا کر دیتا ہے، نفس کے اندر اطمینان و امن پیدا کرتا ہے، دل کو راحت و سکون پہنچاتا ہے، اور خوشی و کامرانی کے احساس سے لبریز کر دیتا ہے، آخر کس طرح یہ خوبیاں انسان کے اندر ایمان پیدا کر دیتا ہے؟

۱ لے Carl.G.jung:ModernManinsearchof A soul,London

RoutledgeandkeganPul.Ltd.1966p.264

۲ لے دیل کارنجی، حوالہ سابق صفحہ 286

۳ لے یوسف قرضاوی، الایمان والحمیة، مکتبہ وہبہ قاہرہ، ایڈیشن ششم 1978، صفحہ 342

۴ لے انور جندی، مفاہیم العلوم الاجتماعیہ والنفس والاخلاق فی ضوء الاسلام، دارالاعتصام

قاہرہ، 1977، صفحہ 195

ایمان اور احساس امن و سکون

نفسیاتی علاج کے سارے اسکول اس بات پر متفق ہیں کہ نفسیاتی امراض پیدا ہونے کا بنیادی سبب قلق ہے، لیکن قلق پیدا ہونے کے اسباب کی تحدید میں ان میں باہم اختلاف ہے، اس بات پر بھی سب متفق ہیں کہ نفسیاتی علاج کا بنیادی مقصد قلق سے گلو خلاصی ہے، لیکن اس مقصد کی تکمیل کے لیے مختلف طریق ہائے علاج اختیار کئے جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں، یہ تمام طریقے نفسیاتی امراض سے مکمل شفا یابی دلانے میں ہمیشہ کامیاب نہیں رہے ہیں۔

مذہب کی تاریخ اور بالخصوص دین اسلام کی تاریخ کا مطالعہ پورے دلائل کے ساتھ بتاتا ہے کہ اللہ پر ایمان امراض نفس سے شفا یابی، امن و سکون کا احساس پیدا کرنے اور شعور قلق سے تحفظ عطا کرنے میں پوری طرح کامیاب رہا ہے، یہ بات بھی قابل غور ہے کہ نفسیاتی علاج عموماً اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب نفسیاتی مرض پیدا ہو چکا ہوتا ہے، لیکن ایمان باللہ بچپن کے جس لمحہ سے انسان کے نفس میں آتا ہے، نفسیاتی امراض سے تحفظ اور دفاع کی قوت عطا کر دیتا ہے، ذیل کی آیت میں قرآن بتاتا ہے کہ ایمان باللہ نفس انسانی کے اندر امن و سکون کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ
الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ۔ (انعام-۸۳)

(حقیقت میں تو امن انہی کے لیے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا۔)

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ
اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔ (عد-۲۸)

(ایسے ہی یہ لوگ ہیں وہ جنہوں نے (اس نبی کی دعوت کو) مان لیا ہو اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہو۔ خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔)

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ

يَهْدِي قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ - (تغابن- ۱۱)

(کوئی مصیبت کبھی نہیں آتی ہے مگر اللہ کے اذن ہی سے آتی ہے۔)

جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔)

مومن کے دل میں سکینت، طمانیت اور امن پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ پر سچا ایمان اس کے اندر اللہ کی مدد، حمایت اور پناہ کی امید پیدا کر دیتا ہے، مومن ہر عبادت میں اور ہر قول و عمل میں رضائے الہی تلاش کرتے ہوئے اللہ کی جانب ہمیشہ متوجہ رہتا ہے، اس لیے اسے یہ احساس رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی مدد کر رہا ہے، اس کے دل میں طمانیت و امن کا شعور پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔

اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا مومن دنیا کی کسی چیز سے خوف نہیں کھاتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ کوئی بھی تکلیف، یا نقصان اللہ کی مشیت ہی سے پہنچ سکتا ہے، اللہ کی مشیت کے بغیر دنیا کا کوئی انسان یا کوئی طاقت اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے اور نہ اس کے نفع کو روک سکتی ہے۔ اس لیے ایسے سچے مومن کے اندر خوف یا قلق اپنی جگہ ہی نہیں بنا سکتا ہے:

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ - (بقرہ- ۱۱۲)

(حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سوپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشُرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ، نَحْنُ أَوْلِيَاكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ - (حم سجدہ- ۲۱، ۲۰)

(جن لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے۔ یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا

تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھ ہیں اور آخرت میں بھی وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔

إِنَّ الْغٰثِيْنَ قَالُوْا رَبَّنَا اللّٰهَ نُمُّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (احقاف-۱۳)

(یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا اللہ ہی ہمارا رب ہے، پھر اس پر جم گئے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔)

سچے مومن کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کا رزق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے لوگوں کے مابین رزق کی تقسیم اور تعین فرمادی ہے، اس لئے اسے فقر کا اندیشہ نہیں رہتا، اگر اللہ نے اس کے لیے تھوڑا رزق ہی مقدر و مقرر فرما رکھا ہے تو اللہ کے اس فیصلہ پر وہ راضی رہتا ہے، اپنے تھوڑے ہی پر وہ قانع و مطمئن رہتا ہے، اور دیگر بے شمار نعمتوں، نعمت زندگی، نعمت ایمان، نعمت صحت، نعمت سکون قلب پر اس کی زبان شکر و حمد پاری تعالیٰ میں مصروف رہتی ہے، سچا مومن رزق کے تئیں کوئی خوف و اندیشہ نہیں رکھتا ہے، کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ زبردست قوت والا رزاق ہے:

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزّٰقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ (ذاریات-۵۸)

(اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔)

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ مِمَّا تُوعَدُوْنَ۔ (ذاریات-۲۲)

(آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے

وعدہ کیا جا رہا ہے۔)

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلٰى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (ہود-۶)

(زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے

ذمے نہ ہو۔)

وَكَآئِنٌ مِّنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاَيَّاكُمْ وَ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (عنکبوت-۶۰)

(کتنے ہی جانور جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ان کو رزق دیتا

ہے اور تمہارا رزق بھی وہی ہے، وہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔)

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ۔ (رعد-۲۶)

(اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے پنا

تلا رزق دیتا ہے۔)

سچے مومن کو موت کا خوف نہیں ہوتا، وہ موت کو حقیقت واقعہ کے طور پر دیکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ موت ایک حقیقت ہے، جس سے کوئی مفر نہیں ہے، ہر انسان کا ایک وقت مقرر ہے، وہ لمحہ آجائے تو پھر کوئی بھی اسے ٹال نہیں سکتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ (آل عمران-۱۸۵)

(آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے۔)

إِنَّمَا تَكُونُوا يُدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ

مُشِيدَةٍ۔ (نساء-۷۸)

(رہی موت، تو جہاں بھی تم ہو بہر حال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم

کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔)

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ۔ (زمر-۳۰)

(تمہیں بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔)

وَكُلِّلِ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا

يَسْتَقْدِمُونَ۔ (اعراف-۳۳)

(ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب کسی قوم

کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں

ہوتی۔)

وَلَكِنْ يُؤَخِّرِ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا۔ (منافقون-۱۱)

(حالانکہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو

اللہ کسی شخص کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا۔)

وَمَا يَعْمَرُ مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ۔

(فاطر-۱۱)

(کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی

ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔)

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذَا لَا تُمْتَعُونَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (احزاب-۱۶)

(اے نبی، ان سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے لیے کچھ بھی نفع بخش نہ ہوگا اس کے بعد زندگی کے مزے لوٹنے کا تھوڑا ہی موقع تمہیں مل سکے گا۔)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهُ مُلَاقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (جمعہ-۸)

(ان سے کہو، جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو تمہیں آکر رہے گی پھر تم اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جو پوشیدہ و ظاہر کا جاننے والا ہے، اور وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔“)

سچا مومن جانتا ہے کہ دنیا ایک گزر گاہ ہے، جہاں سے جلد ہی گزر کر آخرت کی زندگی میں داخل ہو جانا ہے، اس لیے وہ دنیا کے اندر اسی تناظر میں عمل کرتا ہے، اور ایمان، عبادت اور عمل صالح کے ذریعہ آخرت کے لیے اپنی تیاری کرتا رہتا ہے، سچے مومن کو موت کا اس طرح خوف نہیں ہوتا جیسا دوسرے بیشتر لوگوں کو رہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ موت ہی اسے جوار الہی میں پہنچائے گی جہاں رب العزت کی خوشنودی، انبیاء و صدیقین کی ملاقات اور اللہ کی بنائی ہوئی جنت کی نعمتوں سے وہ شاد کام ہوگا۔

سچا مومن مصائب زندگی اور مشکلات ایام سے نہیں ڈرتا ہے، اسے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ امراض کے شکنجے سے دیوچ لیں گے، یا حادثات اس کو شکار بنا لیں گے، یا آفات کے پہاڑ اس پر ٹوٹ پڑیں گے کیونکہ قضا و قدر پر اس کا ایمان ہوتا ہے، اور یقینی طور پر اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی نفع و نقصان اسے پہنچ سکتا ہے وہ اللہ کی جانب سے آزمائش ہوتی ہے کہ کون اس کی نعمتوں پر شکر گزار اور نقصان و ضرر پر صبر شعار ہوتا ہے، اسی لئے کسی مصیبت و نقصان کے وقت وہ واہلًا نہیں مچاتا ہے، بلکہ تحمل اور صبر کرتا ہوا اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہے اور نقصان و مصیبت کے ازالہ کے لیے اس سے دعا کرتا ہے۔

وَتَبْلُوْكُمْ بِالسَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔

(اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں اور آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔)

سچا مومن اپنے غموں سے ٹوٹتا نہیں رہتا ہے، ماضی کی یادوں میں تصویر غم بنا نہیں رہتا، کھوئی ہوئی چیزوں پر حسرت و افسوس میں ڈوبا نہیں رہتا، اسی لئے اسے ایسا غم نہیں ہوتا جو ماضی کے غم و الم کو سوچنے والے بہت سارے لوگوں کے دوش کو گرانبار بنائے رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی نفع و فائدہ پر وہ خوشی سے اتراتا نہیں ہے، نہ تکبر و سرکشی اپناتا ہے، بلکہ ہر نعمت پر شکر الہی بجالاتا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَاهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ - (حدید-۲۲، ۲۳)

(کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو، ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔) (یہ سب کچھ اس لیے ہے) تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اسے بھول نہ جاؤ۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُرًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ - (آل عمران-۱۵۶)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں

(اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے، اور اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت و اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے، ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگرہاں ہے۔)

بچے مومن کو وہ قلق نہیں ہوتا جو گناہ کے لاشعوری احساس سے پیدا ہوتا ہے اور جس سے بہت سارے نفسیاتی مریض دوچار رہتے ہیں، اس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں: اول: مومن جو عہد طفولیت سے اسلامی تربیت کی آغوش میں پرورش پاتا ہے، آسانی سے ورغلاہٹوں اور گمراہیوں میں آکر ان معاصی و گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا جو ضمیر کو قلق زدہ اور حقارت نفس و پستی کا احساس پیدا کرتے ہیں، اور احساس گناہ اور ملامت ضمیر کا شکار اسے بنا دیتے ہیں۔

دوم: مومن سے جب غلطی ہو جاتی ہے اور غلطی سے کوئی نہیں بچتا، ہر انسان سے غلطی کا خطرہ رہتا ہے، تو وہ فوراً اپنی غلطی کو یاد کرتا اور اس کا اعتراف کرتا ہے اور اپنی غلطی پر اللہ تعالیٰ سے استغفار و توبہ کرتا ہے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے:

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ
اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا۔ (نساء۔ ۱۱۰)

(اگر کوئی شخص برا فعل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا۔)

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
اهْتَدَى۔ (طہ۔ ۸۲)

(البتہ جو توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھا چلتا رہے، اس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔)

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ

(اے نبی! کہہ دو کہ اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور و رحیم ہے۔)

گناہ کا اعتراف، اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرنے کی وجہ سے مومن خیال گناہ کو اپنے ذہن سے دور کرنے کی کوشش سے محفوظ رہتا ہے، جو نفسیاتی تکلیف و الم پیدا کرتی ہے، ذہن سے گناہ کا خیال ہٹانے کی کوشش بالآخر خیال گناہ کو لاشعور میں کچلنے تک پہنچاتی ہے، لیکن خیال گناہ کو کچل دینے کے بعد بھی وہ انفعالی و تاثراتی طاقت یعنی احساس پستی ختم نہیں ہوتی جو خیال گناہ کے ساتھ ہوا کرتا ہے، اور یہ انفعالی طاقت پوشیدہ و مبہم قلق کی صورت میں ظاہر ہو کر انسان کو پریشان اور شدید نفسیاتی تناؤ کا شکار بنائے رکھتی ہے، ان حالات میں نفسیاتی معالج کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ لاشعور میں بیٹھے قدیم کچلے ہوئے الم ناک تجربات کو معلوم کر کے مریض کو وہ یاد دلائے اور از سر نو اس کے سامنے لائے، اور پھر اس کا انکار کرنے یا اس خیال سے بھاگنے کے بجائے مریض کے ذہن میں اس کے تئیں دوسرا تصور بٹھائے، مومن اپنے گناہوں کی یاد، ان کا اعتراف، اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کر کے احساس گناہ کو اپنے لاشعور میں کچلنے سے محفوظ رہتا ہے، جو قلق اور نفسیاتی امراض کا سبب بنا کرتا ہے۔

گذشتہ تفصیلات سے واضح ہو جاتا ہے کہ سچا مومن ان چیزوں سے خوف نہیں کھاتا ہے جن سے عموماً بیشتر لوگ ڈرتے ہیں، یعنی موت، فقر، اور مرض، اسی طرح اسے نہ لوگوں کا ڈر ہوتا ہے، نہ مصائب زمانہ کا اندیشہ، مصائب انگیز کرنے کی بھرپور صلاحیت اس کے اندر ہوتی ہے کیونکہ وہ انہیں اللہ کی جانب سے آزمائش تصور کرتا ہے، جن پر صبر اس کا شعار ہونا چاہئے، وہ اپنے احساس گناہ کو کچلتا نہیں ہے بلکہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے، اس کے بعد پھر کیا تعجب ہے کہ سچا مومن نفسیاتی امن و سکون، اطمینان قلب اور مسرت و فرحت و راحت سے شاد کام نہ ہو:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (نحل۔ ۹۷)

(جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ
ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت
میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں
گے۔)

ایمان سے محرومی اعلیٰ معانی اور بلند انسانی اقدار سے زندگی کو عاری بنا دیتی ہے،
اور انسان زندگی میں اپنے عظیم پیغام کا احساس کھو بیٹھتا ہے جو خلیفہ اللہ فی الارض کی
حیثیت سے اس پر عائد ہوتا ہے، جس کے بعد زندگی کے اہم ترین مقاصد یعنی اللہ کی
عبادت، اس کا تقرب اور مجاہدہ نفس کے ذریعہ کمال انسانی کے بام عروج تک رسائی حاصل
کر کے دنیا و آخرت کی سعادت سے ہمکناری کے تئیں واضح تصور ختم ہو جاتا ہے۔ ایمان
سے محرومی کے نتیجہ میں قلق و حیرت، اور اضطراب و نقصان کی جس کیفیت سے انسان
دوچار رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسی حالت سے تشبیہ دیتا ہے کہ جیسے کوئی انسان آسمان سے
گر رہا ہو اور پرندہ اسے اچک لے جائے یا ہوا اسے دور مقام پر پھینک دے:

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخَطَفُہُ
الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِہِ الرِّيحُ فِی مَكَانٍ سَحِیْقٍ۔ (حج۔ ۳۱)

(اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا
اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اسے ایسی جگہ لے جا
کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔)

قرآن قسم کھا کر اس حالت ناکامی و تباہی کا ذکر کرتا ہے جس سے کفار دوچار ہوتے

ہیں:

وَالْعَصْرَانَ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (سورہ
عصر۔ ۳۱)

(زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان
لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک

دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔
 اللہ پر ایمان اور قرآن و حدیث کی بتائی ہوئی راہ کی پیروی ہی قلق و رنج سے
 گلو خلاصی کی تہا راہ ہے لہ اور اسی طریقہ میں انسان کی سعادت و امن پوشیدہ ہے،
 ایمان سے محرومی اور منہاج ایمانی سے زندگی میں دوری رنج و قلق اور شقاوت کا سبب
 ہے:

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا
 يَاتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ وَ
 مَنْ اَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ اَعْمًى۔ (طہ- ۱۲۳، ۱۲۴)

(اور فرمایا ”تم دونوں (فریق‘ یعنی شیطان اور انسان) یہاں سے اتر
 جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے‘ اب اگر میری طرف سے
 تمہیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ
 نہ بھٹکے گا نہ رو بختی میں مبتلا ہوگا اور جو میرے ”ذکر“ (درس نصیحت)
 سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت
 کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔“)

ایمان اور جماعت سے وابستگی کا احساس

قرآن کریم مومنوں کو اپنے مومن بھائیوں سے محبت کرنے‘ ان کے ساتھ حسن
 سلوک کرنے اور ان کی مدد و تعاون کرنے کی ترغیب دیتا ہے:

لَا تَمَّا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوا بَيْنَ اٰخْوَانِكُمْ وَاَتَّقُوا
 اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (حجرات- ۱۰)

(مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں‘ لہذا اپنے بھائیوں کے
 درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو‘ امید ہے کہ تم پر رحم
 کیا جائے گا۔)

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن خزیم بن غالب‘ الاخلاق والسیر فی
 مداواة النفوس دارالافتاح الجدیدة‘ بیروت ۱۹۷۸، صفحہ ۱۵-۱۶

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ
هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا
وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ
نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - (حشر-۹)

(اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچائے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔)

قَوْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ
الَّذِينَ هُمْ يَرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ - (مَاعُونَ-۷)

(پھر تب ہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں (لوگوں کو) دینے سے گریز کرتے ہیں۔)

قرآن کریم باہمی تعاون و ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے اور ایسا متحدہ معاشرہ تشکیل دینے کا حکم دیتا ہے جس میں ہر مومن خود کو مکمل عمارت کی ایک اینٹ تصور کرتا ہو:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ
الْعُدْوَانِ - (مائدہ-۲)

(جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔)

مسلمانوں کے اندر اسی روح اجتماعیت کو بیدار رکھنے کے لیے جمعہ کی نماز جماعت فرض کی گئی جہاں سارے مسلمان مسجدوں میں نماز اور باہمی تعارف کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں، اسی طرح نبی کریم ﷺ نے نماز جماعت کا حکم دیا اور انفرادی نماز سے جماعت کی نماز کو افضل بتایا۔

مسلمانوں کو آپس میں محبت رکھنے کے حکم اور اتحاد و صف کی ترغیب دے کر قرآن ان کے دلوں میں دوسروں کی محبت کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اسی سے ان کے اندر ایثار پسندی اور لوگوں و معاشرہ کے لیے خیر پسندی کا رجحان طاقتور ہوتا ہے، نفرت و حسد، ظلم و سرکشی اور خود غرضی و خود پسندی کے جذبات کمزور ہوتے ہیں، دوسروں کی محبت، ان کے لیے خیر پسندی اور معاشرہ کے لیے اچھے و مفید کاموں کی انجام دہی بلاشبہ جماعت سے وابستگی کے احساس کو مضبوط بناتا ہے، اور اس احساس تنہائی و علیحدگی کو مٹاتا ہے جس سے نفسیاتی مریض دوچار ہوتے ہیں، جماعت سے وابستگی کا احساس اور معاشرہ میں اس کا فعال رول انسان کی نفسیاتی صحت کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے، بہت سارے نفسیاتی معالجین نے بھی نفسیاتی علاج کے اندر انسانی تعلقات کی اہمیت کو محسوس کیا ہے، الفرڈ اڈلر Alfred Adler اپنے نفسیاتی مریضوں کو دوسرے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے، ان سے دل بہلانے اور محتاج لوگوں کی مدد کرنے کا مشورہ خصوصیت کے ساتھ دیتا تھا، اس کا خیال تھا کہ نفسیاتی مریض اگر معاشرہ میں گھل مل جائے اور لوگوں کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کر لے تو نفسیاتی مرض سے شفا یاب ہو سکتا ہے، اڈلر کہتا ہے: ”ان تمام امور سے میرا مقصد یہ ہے کہ اپنے مریضوں کو دوسروں میں گھلا ملا دوں، اگر مریض اپنی جماعت سے گھل مل جائے گا دیگر افراد کے ساتھ مساوات کی راہ پر آکر ان کے لیے معاون اور مددگار بن گیا تو وہ اپنے مرض سے شفا یاب ہو گیا، میرے نزدیک مذہب کی سب سے بڑی ہدایت پڑوسیوں سے محبت اور ان کی مدد ہے، جو شخص دوسروں کی مدد سے گریزاں رہتا ہے، مصائب و مشکلات کا شکار اسے ہونا ہی چاہئے، فرد سے زندگی کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے لیے وہ عمل کرنے والا، پیداواری اضافہ کرنے والا اور ان سے محبت کرنے والا ہو، محبت اور شادی میں فعال ہو۔“ اڈلر کا خیال ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش کے لوگوں اور عمومی طور پر انسانی معاشرہ کے ساتھ مفید سماجی عمل اور لوگوں سے محبت و دوستی کی راہ سے اپنے تعلقات کو خوشگوار و مضبوط بنا کر دوسرے لفظوں میں انسانیت کے ساتھ اپنی وابستگی پیدا کر کے اپنے احساس قلق سے گلو خلاصی حاصل کر سکتا

بلاشبہ فرد کی جماعت کے ساتھ وابستگی اور باہمی محبت اور بہترین انسانی تعلقات کی استواری دو ایسے بنیادی عوامل ہیں جو شخصیت کی درست تشکیل اور نفس انسانی میں امن و سکون کو پیدا کرنے میں معاون بنتے ہیں۔

نفسیاتی علاج کا قرآنی طریقہ

اگر آپ کسی انسان کی شخصیت اور اس کے کردار میں ترمیم یا تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے افکار اور رجحانات کے اندر تبدیلی لانا ضروری ہے، کیونکہ انسان کا عمل اس کے افکار اور رجحانات سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے، اسی لیے نفسیاتی علاج کے اندر بنیادی طور پر اپنی ذات لوگوں اور زندگی سے متعلق نیز ان مشکلات سے متعلق جنہیں حل کرنے میں ناکامی ہوئی تھی اور جو قلق کا سبب بنی ہیں، نفسیاتی مریضوں کے افکار و خیالات میں تبدیلی لائی جاتی ہے، اور علاج کے ذریعہ جب نفسیاتی مریض کے افکار میں تبدیلی آ جاتی ہے، تب وہ اپنی مشکلات کا سامنا کرنے اور انہیں حل کرنے کی قدرت حاصل کر لیتا ہے، بلکہ اکثر و بیشتر اسے خیال ہونے لگتا ہے کہ ماضی میں جو مشکلات اس کے لیے پریشان کن و قلق انگیز بن رہی تھیں اور جن کی وجہ سے مرض پیدا ہوا وہ فی الحقیقت ایسی اہم نہیں تھیں جیسا اسے وہم ہوتا رہا تھا، اور ان کے سبب شدید قلق پیدا ہو جانے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔

تعلیم کا عمل بھی بنیادی طور پر افکار و رجحانات اور عادات و اطوار کی تبدیلی سے مکمل ہوتا ہے اور نفسیاتی علاج میں بنیادی طور پر اس سابق غیر درست تعلیم کی تصحیح کی جاتی ہے جس میں مریض اپنی ذات، دوسرے لوگوں اور حیات و مشکلات سے متعلق غلط یا وہمی تصورات حاصل کر لیا ہوتا ہے، اور ان خیالات سے چھٹکارا پانے کے لیے یا اس کی شدت میں کمی لانے کے لیے مخصوص قسم کے دفاعی طریقے سیکھ چکا ہوتا ہے، نفسیاتی معالج مریض

1927 p.239, Alfred Adler: Understanding Human Nature. New

of Anxiety, New York The Ronald. york Greenberg Publishers, Inc

Rollo May: The meaning

Press, Co, 1950 PP.128-130

کے افکار کی تصحیح کرتا ہے اور اس کو اپنی ذات، لوگوں اور مشکلات زندگی کو سچی حقیقت واقعہ کے بطور دیکھنے، ان سے راہ فرار ڈھونڈنے کے بجائے ان کا سامنا کرنے اور حل کی تلاش نہ ہونے کی صورت میں مستقل نفسیاتی کشمکش کا شکار رہنے کے بجائے حل دریافت کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اپنی ذات، لوگوں اور زندگی کے تئیں مریض کے نقطہ نظر کی یہ تبدیلی اسے مشکلات سے نبرد آزما ہونے اور حل نکالنے کی قدرت سے نواز دیتا ہے، جس کی وجہ سے نفسیاتی کشمکش اور اس سے پیدا ہونے والے قلق و اضطراب سے گلو خلاصی حاصل ہو جاتی ہے، دوسری جانب مریض کے اندر نئی تازگی اور زندگی کا احساس پیدا ہو جاتا ہے، وہ اپنی طبعی زندگی میں ولولہ تازہ کے ساتھ سرگرم ہو جاتا ہے اور زندگی میں لطف و لذت، نفسیاتی خوشی، قلبی سکون اور سعادت سے وہ شاد کام ہونے لگتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ۔

(رعد-۱۱)

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ

خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی۔)

قرآن کریم کا نزول لوگوں کے افکار و رجحانات اور طرز عمل میں تبدیلی، ان کی ہدایت، جہالت و ضلالت کا خاتمہ، خیر و بھلائی کی رہنمائی اور انسانی طبیعت اور زندگی میں اس کے پیغام سے متعلق نئے افکار، نئے اخلاق و اقدار اور زندگی کے اعلیٰ نمونوں سے نوازنے کے لیے ہوا، شخصیات پر اثر اندازی میں قرآن نے عظیم کامیابی حاصل کی، اور ان میں ایسی زبردست تبدیلی پیدا کر دی جس نے انسان کی انفرادی زندگی کے نظام اور انسانی تعلقات خواہ خاندانی سطح پر ہو یا پورے معاشرہ کی سطح پر، کے نظام کی نئی بنیادیں فراہم کرنے میں دور رس اثرات مرتب کئے، مختصراً یہ کہ مسلمانوں کی شخصیات اور اسلامی معاشرہ کے اندر عظیم اثر انگیزی اور تبدیلی پیدا کرنے میں جو کامیابی قرآن نے حاصل کی، تاریخ کے تمام ادوار میں کسی دینی دعوت کو ایسی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی، قرآن کریم نے انتہائی مختصر عرصہ میں مکمل ترین، ہم آہنگ و متوازن، امن و طمانیت سے آراستہ ایسی شخصیت پیدا کر دی جس کی طاقت نے دنیا کو جھنجھوڑ دیا اور تاریخ کا رخ بدل دیا، قرآن نے

عربوں کے نفوس کا کس طرح علاج کیا؟ اور ان کی شخصیات میں کیوں تبدیلی پیدا کر دی؟ اگلی سطروں میں اسی کی کچھ تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔

عقیدہ توحید پر ایمان

قرآن نے عربوں کے نفوس میں سب سے پہلے جس چیز میں تبدیلی پیدا کی وہ عقیدہ تھا، اس لیے دعوت اسلامی کے ابتدائی مراحل میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہونے والی آیات بنیادی طور پر عقیدہ توحید سے متعلق تھیں۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت عربوں کے لیے بھی بے مثال تھی، اور مسائل و احکام کو پیش کرنے کا عقلی استدلال بڑا اطمینان بخش ہوتا تھا، قرآن کے قصص اور امثال مفہیم کو واضح کرتے اور ذہنوں میں اتار دیتے تھے، سامعین کے اندر اہتمام و توجہ پیدا کر دیتے تھے، قرآن نے معلم کے محرک کو ابھارنے کے لیے ترغیب و ترہیب کے اسالیب اور مفہیم و معانی کو ذہنوں میں بٹھانے کے لیے تکرار کا اسلوب اپنانے وغیرہ کے جو مبادی و اصول معلم دیئے ان پر گذشتہ پانچویں فصل میں تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے، نئے دین اور نئے عقیدہ کو قبول کرنے میں ان تمام چیزوں کا زبردست اثر رہا، عقیدہ توحید پر ایمان شخصیت کے اندر زبردست تبدیلی پیدا کرنے کا پہلا قدم تھا، عقیدہ ہی انسان کے اندر وہ عظیم روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے جو اس کی ذات، لوگوں، زندگی اور پوری کائنات سے متعلق اس کے مفہوم و تصور ہی کو بدل دیتی ہے، عقیدہ اسے زندگی اور اس کے پیغام کا نیا تصور عطا کرتا ہے، اس کے دل کو اللہ، رسول اور گرد و پیش کے لوگوں اور پوری انسانیت کی محبت سے بھر دیتا ہے، اس کے اندر امن و طمانیت کا شعور پیدا کر دیتا ہے، جس پر پچھلی سطروں میں گفتگو ہو چکی ہے۔

تقویٰ

اللہ پر ایمان کے ساتھ اس کا خوف اور تقویٰ بھی پیدا ہوتا ہے، تقویٰ گناہوں سے دوری اور منہاج خداوندی و رسالت کی پیروی کر کے اللہ کے عذاب و غضب سے حفاظت کا نام ہے۔

اپنے تاثرات اور محرکات و جذبات پر کنٹرول اور اپنی خواہشات و شہوات پر ضبط بھی تقویٰ کے مفہوم میں شامل ہے، تاکہ شریعت کے حدود و دائرہ میں ان کی تکمیل کی

جائے، فطری محرکات کو کچلنے کا نام تقویٰ نہیں ہے، بلکہ محض ان پر کنٹرول اور مقررہ دائرہ میں ان کی آسودگی تقویٰ کی حقیقت ہے، فصل اول میں اس موضوع پر تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے، تقویٰ کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان اپنے تمام کاموں میں حق، عدل، امانت اور صداقت کی پاسداری کرے، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک رکھے، ظلم اور سرکشی سے گریز کرے، تقویٰ کا مفہوم اس پر بھی دراز ہے کہ جو کام انسان کے سپرد کیا جائے، اسے اچھی طرح انجام دے، کیونکہ مومن اپنے تمام کاموں میں رضائے الہی کا جو یا ہو کر اللہ کی جانب متوجہ رہتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اپنی ذات کی تحسین اور اپنی صلاحیت و معلومات کی افزائش کرتا ہے تاکہ اپنا کام بہتر طریقہ پر انجام دے سکے، تقویٰ اس مفہوم میں انسان کو بہتر اور افضل کردار و عمل پر آمادہ کرنے والی ایک طاقت بن جاتا ہے، ذات کی ترقی و افزائش اور غلط کردار سے گریز پر آمادہ کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی شہوات و خواہشات پر کنٹرول کرے اور ان کا لگام خود اپنے ہاتھ میں رکھے، پس تقویٰ شخصیت کو پختگی، کمال اور توازن عطا کرنے والا ایک بنیادی عامل ہے، اور کمال انسانی تک رسائی کا شوق عطا کر کے ذات کو عروج بخشتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ
كَفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَ
يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ - (حدید- ۲۸)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں وہ نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمہارے قصور معاف کر دے گا، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا
يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا - (احزاب- ۷۰، ۷۱)

(اے ایمان لانے والو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہا کرو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا، جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے

بڑی کامیابی حاصل کی۔)

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا۔ (طلاق - ۴)
(جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملے میں وہ سہولت پیدا کر

دیتا ہے۔)

عبادات

کردار و عمل کی تبدیلی کے لیے افکار کی تبدیلی پہلا اور لازمی قدم ہے، لیکن جدید کردار و عمل کے معلم کے لیے طویل و مسلسل مشق کی ضرورت بھی ہوتی ہے، تاکہ بار بار انجام دہی کے نتیجہ میں مضبوطی و استحکام پیدا ہو جائے، گذشتہ پانچویں فصل میں ہم بتا چکے ہیں کہ معلم کے اندر خود سیکھنے والے کی فعال شرکت کس قدر اہمیت رکھتی ہے، اور تجربات بتاتے ہیں کہ جو لوگ الفاظ کو سنتے اور ساتھ ساتھ اپنی زبانوں سے دوہراتے جاتے ہیں وہ جلد سیکھ لیتے ہیں، جبکہ صرف سننے اور نگاہوں سے دیکھنے پر اکتفا اور خود اپنی زبانوں سے نہ دوہرانے والے دیر میں ان الفاظ کو سیکھتے ہیں، مختلف صنعتی مہارتوں اور پیشوں کو سیکھنے میں عملی شرکت اہمیت رکھتی ہے، عملی شرکت اور مشق کے بغیر تو انہیں سیکھا ہی نہیں جاسکتا ہے۔

نفسیاتی علاج کے اندر بھی مریض کی شفا یابی کے لیے صرف اس قدر کافی نہیں ہے کہ وہ اپنی مشکلات سے آگاہی حاصل کر لے، مشکلات کے تئیں اس کے افکار بدل جائیں، زندگی، لوگوں اور اپنی ذات پر اس کی نظر میں تبدیلی آجائے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ نفسیاتی مریض زندگی میں نئے تجربات سے گزرے، اپنی ذات اور لوگوں کے تئیں نئے تجربات کو عملاً برتے، اور ذاتی طور پر یہ دیکھے کہ اس کا نیا طرز عمل کس طرح اس کے انسانی تعلقات میں کامیابی دلاتا ہے، اور اس کے تئیں لوگوں کے طرز عمل میں واضح تبدیلی آتی ہے، اور لوگ اس سے محبت و احترام اور دوستی کا معاملہ کرنے لگتے ہیں، نئے افکار سے پیدا ہونے والے نئے طرز عمل کی عملی مشق اور اس کے خوش کن نتائج مریض کی شخصیت میں بڑی تبدیلی اور کامیابی کی جانب تیز گامی عطا کرتے ہیں۔

قرآن نے بھی لوگوں کی شخصیات اور کردار و سلوک میں جو تبدیلی مطلوب تھی،

اسے برپا کرنے کے لیے مشق و تکرار کا اسلوب اپنایا، اور اسی لیے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسی مختلف عبادات فرض فرمائیں، مخصوص اوقات میں ان عبادات کی ادائیگی مومن کو اللہ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اور اس کی جانب توجہ و دائمی سرگمندی کی تعلیم دیتی ہے، اسے صبر، مصائب انگیزی، مجاہدہ نفس اور خواہشات و شہوات پر ضبط سکھاتی ہے، لوگوں سے محبت اور حسن سلوک کی صفت پیدا کرتی ہے، اور باہمی تعاون و ہمدردی کی روح بیدار کرتی ہے، یہ ساری صفات انتہائی اعلیٰ و ستودہ ہیں، جو مکمل و متوازن شخصیت کو آراستہ کرتی ہیں، جب مومن پورے اخلاص اور کمال کے ساتھ ان عبادات کو بجالاتا ہے تو مذکورہ خصال حمیدہ پیدا ہوتی ہیں جو نفسیاتی صحت کے اسباب فراہم کرتی ہیں، اور نفسیاتی امراض سے تحفظ عطا کرتی ہیں، اس کی مزید تفصیل و توضیح ذیل کی گفتگو سے ہوگی جو شخصیت مسلم پر عبادات کے اثرات سے متعلق کی جا رہی ہے۔

الف: نماز (صلوٰۃ)

لفظ ”صلوٰۃ“ خود یہ اشارہ کر رہا ہے کہ اس میں انسان اور اس کے رب کے درمیان صلہ اور تعلق ہوتا ہے، نماز میں انسان پورے خشوع اور فروتنی کے ساتھ ساری کائنات کے خالق اور اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، انسان کا نحیف و ناتواں وجود اس عظیم ہستی کے روبرو ہوتا ہے جو ہر شے پر قادر ہے، کائنات کے ہر ذرہ پر حاکم ہے، آسمانوں و زمین کی تدبیر کی باگ اس کے قبضہ میں ہے، موت اور زندگی جس کے ہاتھ میں ہے، جو لوگوں میں رزق تقسیم کرتا ہے، جس کے حکم سے قضا و قدر کے فیصلے ہوتے ہیں، اور زندگی میں خیر یا شر کا معمولی حصہ بھی جس کے فرمان کے تابع ہوتا ہے، ایسی عظیم و مقدس ہستی کے در پر کمال خشوع و خضوع کے ساتھ انسان کی جبہ سائی اس کے اندر ایسی روحانی قوت پیدا کر دیتی ہے، جو اسے روحانی پاکیزگی، قلبی اطمینان اور نفسیاتی امن کے احساس سے آراستہ کرتی ہے، جب نماز اس طرح ادا کی جائے جیسی ادا کی جانی چاہئے تو اس میں انسان تمام اعضاء و جوارح اور سارے حواس کے ساتھ اللہ کی جانب متوجہ ہوتا ہے، دنیا کے تمام مشاغل اور مسائل سے کٹ چکا ہوتا ہے، اس کی ہر سوچ و فکر کا مرکز ذات رب العالمین ہوتی ہے، اور لب پر آیات قرآنی جاری ہوتی ہیں، یہ زندگی کے تمام مشاغل و مسائل سے یکسوئی اور کمال خشوع کے ساتھ اس کے سامنے

حاضری انسان کے اندر مکمل آرام کی حالت لے سکون نفس اور راحت قلب پیدا کر دیتی ہے، اور نماز سے پیدا ہونے والا یہ سکون نفس اور مکمل آرام روزمرہ زندگی کے دباؤ سے پیدا ہونے والے اعصابی تناؤ کی اور قلق موت کی تخفیف میں اہم معالجاتی اثر رکھتا ہے، معالج ٹومس بائیسلوب کہتا ہے: ”میں اپنے طویل ترین تجربات کے ذریعہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ نیند کا سب سے اہم سبب نماز ہے، میں یہ بات ایک معالج ہونے کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں، میں نے سمجھا ہے کہ نماز انتہائی اہم ذریعہ ہے جو نفوس کے اندر طمانیت اور اعصاب میں سکون و ٹھہراؤ پیدا کرتا ہے۔“ ۱۷

استرخاء (مکمل آرام) ان وسائل میں سے ایک ہے جسے نفسیاتی امراض کے علاج میں بعض موجودہ نفسیاتی معالجین اختیار کر رہے ہیں، استرخاء کو عام طور پر مشق کے ذریعے انسان سیکھ سکتا ہے مسلمانوں کو روزانہ پانچ اوقات کی نمازوں کی اچھی طرح ادائیگی مسلمانوں کو استرخاء کی مشق کرنے اور سیکھنے میں معاون بنتی ہے، اور جب انسان استرخاء کی عادت سیکھ لیتا ہے تو وہ زندگی کے غموں اور دباؤ سے پیدا ہونے والے اعصابی تناؤ سے گلو خلاصی حاصل کر سکتا ہے، جب نماز کا وقت آتا تو حضرت رسول کریم ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے: ”اے بلال! نماز کے ذریعہ مجھے آرام پہنچاؤ۔“ ۱۸ ایک حدیث میں ہے کہ ”جب کوئی واقعہ پیش آتا تو رسول کریم ﷺ نماز ادا کرتے۔“ ۱۹ آپ علیہ السلام نے مزید فرمایا: ”میرے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔“ ۲۰

استرخاء اور سکون نفس کی جو حالت نماز سے پیدا ہوتی ہے بعض نفسیاتی مریضوں کو درپیش قلق سے گلو خلاصی میں معاون بنتی ہے، کیونکہ استرخاء اور سکون نفس ادائیگی نماز کے کچھ دیر بعد تک برقرار رہتا ہے، استرخاء اور سکون نفس کی حالت میں بسا اوقات انسان

۱۷ مزید دیکھئے: جمال ماضی ابوالعزائم، حوالہ سابق، اسامہ محمد الراضی، الاسلام و امراض

العصر، ندوة علم النفس والكلام کلیہ التریبیہ، جامعہ الریاض، جلد اول 1978ء

۱۸ دلیل کارنجی، حوالہ سابق صفحہ 359-360

۱۹ مختصر تفسیر ابن کثیر 1/142

۲۰ ابوداؤد، حدیث 1319-2/35

۲۱ نسائی، احمد، حاکم

کو بعض قلق انگیز امور پیش آتے اور یا پرانے امور یاد آتے ہیں، جب نماز کے بعد استرخاء اور سکون نفس کی حالت میں بار بار اس طرح کے امور پیش آتے یا یاد آتے رہتے ہیں تو قلق و اضطراب بتدریج ختم ہو جاتا ہے اور ایسے قلق انگیز امور استرخاء اور سکون نفس کی حالت سے مربوط ہو جاتے ہیں، اور اس طرح فرد کو قلق سے نجات مل جاتی ہے جو ان امور سے پیدا ہو جایا کرتا تھا۔

قلق کے علاج میں نماز سے پیدا ہونے والا یہ اہم اثر اس اثر کے مشابہ ہے جو قلق کے علاج میں بعض جدید نفسیاتی معالجین کے اپنائے ہوئے طریقہ سے پیدا ہوتا ہے، ایسے نفسیاتی معالجین مثلاً جوزیف ولبی وغیرہ قلق کے علاج میں جو طریقہ اپناتے ہیں وہ Reciprocal Inhibition کہلاتا ہے۔ اسے ”استرخائی علاج“ بھی کہا جاتا ہے، یا ”تاثراتی و انفعالی حساسیت میں تخفیف کے ذریعہ علاج“ بھی کہا جاتا ہے، اس طریقہ علاج میں معالج سب سے پہلے نفسیاتی مریض کو عمیق استرخاء کی مشق کراتا ہے، اور حالت استرخاء کے دوران معالج مریض کو قلق انگیز امور اور چیزوں کو تصور میں لانے کی ہدایت کرتا ہے، اس کے اندر مخصوص نظام کو اپناتے ہوئے معالج ایسی چیزوں سے آغاز کرتا ہے جو معمولی قلق انگیز ہوں، اور بتدریج آگے بڑھتے ہوئے شدید قلق انگیز امور کا تصور کراتا ہے، قلق انگیز امور کا تصور کرتے وقت اگر مریض کے اوپر قلق کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو معالج مریض کو اپنے ذہن سے وہ چیز دور کر دینے اور دوبارہ استرخاء کی حالت میں لوٹ آنے کی ہدایت کرتا ہے، جب مریض پر سکون ہو جاتا ہے اور استرخاء کی حالت میں لوٹ آتا ہے تو پھر دوبارہ اسے اسی قلق انگیز چیز کا تصور کراتا ہے، اسی طریقہ پر علاج چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مریض استرخاء کی حالت کے ساتھ ہی اس چیز کا تصور بغیر کسی احساس قلق کے کر لیتا ہے، پھر مریض کو پہلے کچھ زیادہ وجہ قلق انگیز شے کا استرخاء کی حالت کے درمیان تصور کراتا ہے، اسی نہج پر علاج جاری رہتا ہے یہاں تک کہ مریض اپنے قلق سے مکمل گلوخلاصی حاصل کر لیتا ہے، ولبی وغیرہ نفسیاتی معالجین کا اپنایا ہوا یہ طریقہ بنیادی طور پر اشراط Conditioning کے اصول پر مبنی ہے، جس میں معالج کی کوشش ہوتی ہے کہ قلق انگیز مواقف اور قلق کے معارض رد عمل دونوں کے درمیان ربط پیدا کر دیا جائے

اور اسی کا نام استرخاء ہے لہ

نفسیاتی معالجین کے اپنائے ہوئے طریقہ علاج اور نماز سے پیدا ہونے والے معالجاتی اثرات کے درمیان نقطہ اشتراک و مماثلت واضح طور پر نظر آتا ہے، نماز سے پیدا ہونے والے استرخاء اور سکون نفس کی حالت کے ساتھ جب بار بار قلق انگیز امور وابستہ ہوتے ہیں، خواہ اسی وقت پیش ہوئے ہوں یا انہیں یاد کیا گیا ہو، نتیجہ کار وہ ان امور اور نماز سے پیدا ہونے والے استرخاء و سکون نفس کی کیفیت جو کیفیت قلق کے برعکس ہوتی ہے، کے درمیان جدید مشروط ارتباط پیدا کر دیتا ہے اور اس طرح انسان قلق سے نجات پا لیتا ہے، ٹھیک یہی اسلوب و طریقہ قلق کے علاج میں نفسیاتی معالج بھی اپناتے ہیں۔

نماز کے بعد فوراً انسان تسبیح و دعا میں مشغول ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے نماز کے بعد کچھ دیر تک سکون نفس اور استرخاء کی کیفیت برقرار رہتی ہے، دعا میں انسان اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اس کے حضور اپنی زندگی کی مشکلات، پریشانیاں اور شکایات رکھتا ہے، اور اپنی حاجت روی اور مشکلات کے حل کی گد اگری کرتا ہے، یہ گزارش، طلب و درخواست اور اپنی مشکلات کا اظہار ہی، جب کہ سکون نفس اور استرخاء کی کیفیت برقرار ہوتی ہے، قلق سے انسان کو نجات دلا دیتا ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی سکون نفس و استرخاء کی کیفیت اور مشکلات کے درمیان جدید مشروط ارتباط پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں ان مشکلات سے قلق انگیزی کی قوت بتدریج ختم ہو جاتی ہے اور وہ سکون نفس و استرخاء یعنی قلق کے برعکس کیفیت کے ساتھ مشروط ارتباط پیدا کر لیتی ہیں۔

ان سب سے قطع نظر اپنے غم و رنج اور مشکلات کا دوسرے کے سامنے اظہار ہی انسان کے لیے نفسیاتی راحت رساں ہوتا ہے۔ نفسیاتی معالجین کے نزدیک یہ معروف بات ہے کہ اپنی مشکلات کی یاد اور دوسرے سے تذکرہ نفسیاتی مریض کے قلق کی شدت میں تخفیف پیدا کر دیتا ہے، اگر اپنے جگری دوست، یا نفسیاتی معالج کے سامنے مسائل و مشکلات کا اظہار انسانی کیفیت کو بہترین بنا دیتا ہے، تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور اپنی

۱۔ رہنماد شوین: حوالہ سابق، صفحہ 846-854۔ روبرت ہابر، التحلیل النفسی و العلاج

النفسی، ترجمہ سعد جلال ہینہ مصریہ عامہ للکتاب قاہرہ 1974ء، صفحہ 167-169، شیلدان

کاشدان: حوالہ سابق صفحہ 232-235، جولیان روتر، حوالہ سابق صفحہ 184-185

درپیش مشکلات کا اظہار نفسیاتی کیفیت میں کس قدر خوبی و بہتری پیدا کر سکتا ہے، جب وہ ہر نماز کے بعد اپنے رب سے مناجاتیں کرتا ہو، دعائیں کرتا ہو، مدد اور استعانت طلب کرتا ہو۔

یہ بھی اضافہ کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور اس کے حضور گریہ و زاری ہی قلق کی شدت میں تخفیف پیدا کر دیتی ہے، اس لیے کہ مومن اس بات سے واقف ہوتا ہے کہ اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن-۲۰)

(تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں

گا۔)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ

الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ (بقرہ-۱۸۶)

(اور اے نبی، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو

انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا

ہے، میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔)

مومن چونکہ پر امید ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات حل فرمائے گا، اس کی حاجت روی کرے گا، اور رنج و قلق کو دور کرے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا اس کے قلق کی حدت کم کر دیتی ہے، قطع نظر اس سے کہ بارگاہ الہی میں اس کی دعا قبول ہوئی یا نہیں ہوئی، صرف اللہ تعالیٰ سے داد رسی اور قبولیت کی امید ہی امکان قبولیت کے اندرونی اشارے کی وجہ سے شدت قلق کو کم کر دیتی ہے۔

نفسیاتی کشمکش کو حل کر لینے سے محرومی انسان کے اندر قلق پیدا کرتی ہے اور نفسیاتی کشمکش انسان کی نفسیاتی طاقت کا بڑا حصہ ضائع کر دیتی ہے، اسی لیے نفسیاتی مریض اپنی صلاحیتوں اور امکانات کا صحیح بھرپور اظہار نہیں کر پاتے ہیں، نفسیاتی کشمکش میں ان کی طاقت ضائع ہو جاتی ہے، ان کی صلاحیتیں اور امکانات ناکارہ ہو جاتے ہیں، لیکن جب ان کا علاج ہو جاتا ہے، اور نفسیاتی طاقتوں کو نفسیاتی کشمکش کے بندھنوں سے آزادی مل جاتی ہے، تو عموماً وہ بہت زیادہ سرگرمی و نشاط کا اظہار کرتے ہیں اور عمل تخلیق کی قوت دوچند

ہو جاتی ہے۔

نماز وہی نتائج برپا کرتی ہے جو کامیاب نفسیاتی علاج سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ نماز سے پیدا ہونے والا احساس امن اور قلق سے دوری، قلق کے بوجھ تلے دبی انسان کی نفسیاتی طاقت کو آزادی عطا کرتی ہے، جس کی وجہ سے انسان اپنے وجود کے اندر بھرپور نشاط و تازگی اور امنڈتی ہوئی زندگی محسوس کرنے لگتا ہے۔

نماز کا اثر دوسرے پہلو سے نفسیاتی علاج کے اثر پر فوقیت رکھتا ہے، انسان کی نفسیاتی طاقت کو قلق کی بیڑیوں سے آزادی ملنے کے علاوہ نماز کے دوران انسان کا اپنے رب کے ساتھ قائم ہونے والا روحانی رابطہ اس کے اندر ایسی روحانی قوت پیدا کر دیتا ہے جو امید میں جدت اور عزم میں قوت اور نفس کے اندر مصائب و مشکلات سے نبرد آزما ہونے اور کارہائے نمایاں انجام دینے کی زبردست صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان کے اندرون میں طاقت و قوت کا عظیم سرچشمہ ہوتا ہے، جس کے بہت چھوٹے حصہ سے عموماً وہ کام لیتا ہے، ولیم جیمس اس سلسلہ میں کہتا ہے ”اگر ہم اپنا موازنہ اس بات سے کریں کہ ہم کو کیسا ہونا چاہئے تھا تو ہم آدھے انسان نظر آئیں گے، ہم اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے انتہائی معمولی حصہ کو استعمال کرتے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ انسان اپنے حقیقی دائرہ کے اندر اپنی خود ساختہ انتہائی تنگ دائرہ میں ہی زندگی گزارتا ہے، وہ زبردست اور مختلف صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے لیکن عموماً وہ ان کا ادراک نہیں رکھتا، یا ان کے استعمال میں ناکام رہتا ہے۔“ ۱۔ نماز کے دوران اپنے رب کے ساتھ انسان کا روحانی رشتہ اور روحانی فیض الہی کا حصول غالباً اس کی پوشیدہ روحانی طاقتوں کو ابھار دیتے ہیں، پھر اس کے عزم میں پختگی، ارادہ میں قوت اور ہمت میں بلندی آ جاتی ہے، علم و معرفت کو قبول کرنے اور کارِ عظیم انجام دینے کی صلاحیت دوچند ہو جاتی ہے، فرانسیسی معالج ایکسیس کاریل نے بھی اس بات کو محسوس کیا کہ نماز سے مخصوص روحانی نشاط پیدا ہوتا ہے جو حج و عبادات کے مقامات پر بعض مریضوں کو جلد شفا یاب کر سکتا ہے ۲۔ نماز کی اثر انگیزی سے متعلق ولیم جیمس کی رائے کے بعد انگریزی ماہر

۱۔ دہل کارنجی، حوالہ سابق صفحہ 239

۲۔ ایکسیس کاریل: الانسان ذلک الجہول، ایڈیشن سوم ترجمہ اسعد فرید، مکتبہ المعارف

بیروت 1980، صفحہ 170-171

نفسیات سیرل بیرٹ نے بھی وہی بات دہرائی، اس نے کہا کہ نماز کے ذریعہ ہم ”عقلی نشاط کے ایسے عظیم سرچشمہ میں داخل ہو سکتے ہیں جہاں تک رسائی عام حالات میں نہیں ہو سکتی ہے، ایک مشہور ماہر نفسیات ولیم جیمس کا بھی یہی حال ہے۔“ لہ

ان سب کے علاوہ باجماعت نماز علاج کے اندر اہم اثر رکھتی ہے، نماز جماعت کے لیے مسجد میں بار بار حاضری، اپنے پڑوسیوں اور اپنے محلہ کے لوگوں سے ملنے جلنے کے مواقع فراہم کرتی ہے جس سے دوسرے لوگوں کے ساتھ ربط و ضبط، سماجی تعلقات اور دوستانہ مراسم و تعلقات کی استواری ہوتی ہے، یہ سماجی تعلقات اور دوسروں کے ساتھ دوستانہ مراسم فرد کی شخصیت کے نمو اور انفعالی پختگی میں معاون بنتے ہیں، نیز سماجی وابستگی اور سماجی ہم آہنگی کی وجہ سے اس قلق سے تحفظ ہو جاتا ہے جس سے اپنے احساس تہائی و علاحدگی اور سماج سے دوری کے نتیجہ میں بعض لوگ دوچار ہوتے ہیں۔

جمعہ کی نماز علاج کے اندر اہم رول ادا کرتی ہے، جمعہ کے خطبہ میں خطیب حضرات لوگوں کے سماجی مسائل اور زندگی کی مختلف مشکلات کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں، ان کے اسباب اور علاج کے طریقے بیان کرتے ہیں، یہ خطبات اور تقاریر مصلیان کے لیے بہت مفید اور سودمند ہوتی ہیں، مسائل زندگی سے نبرد آزمائی اور صحیح طرز زندگی اپنا کر نفسیاتی امن و سکون قلب حاصل کرنے کے طریقہ اور مشورہ انہیں معلوم ہوتے ہیں۔

جمعہ کی نماز سے معالجاتی تحفظ بھی حاصل ہوتا ہے، کیونکہ بچپن سے نماز جمعہ کی پابندی کرنے کی وجہ سے مختلف قسم کی دینی معلومات اور صحیح رہنمائیاں حاصل ہوتی ہیں اور مشکلات زندگی کا سامنا کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے، دوسری جانب نماز جمعہ معالجاتی رول بھی ادا کرتی ہے، جمعہ کے خطبات فرد کو درپیش مسائل زندگی کے صحیح فہم اور ان پر کنٹرول کی بھرپور قوت عطا کرتے ہیں، کچھ لوگ نماز سے فراغت کے بعد اپنے مسائل سے متعلق امام سے مشورہ کرتے ہیں، اور امام کے مشوروں سے ان کے قلق کی شدت میں تخفیف پیدا ہوتی ہے، نیز ان کے ازالہ کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے، افراد کی شخصیت

کی درستگی اور علاج کے اندر جماعت کی نماز اور بالخصوص نماز جمعہ جو رول ادا کرتی ہے وہ بڑی حد تک اجتماعی نفسیاتی علاج کے مشابہ ہے، Klapman اور دیگر معالجین نے بھی ادھر تعلیمی و اجتماعی نفسیاتی علاج کا ایسا طریقہ لے اپنایا جو مریضوں کو اپنے مسائل، نفسیاتی کشمکش کی نوعیتوں، ان سے دفاعی طریقوں اور مشکلات پر قابو پانے کے دیگر طریقوں کے تئیں واضح رہنمائی و ادراک سے آراستہ کرنے والے موضوعات و معلومات پر بنیادی طور پر انحصار کرتا ہے۔

جدید تعلیمی و اجتماعی نفسیاتی علاج نوعیت زندگی کے دباؤ سے پیدا ہونے والی خفیف نفسیاتی مشکلات کے علاج اور ان سے تحفظ میں بنیادی طور پر خطبہ نماز جمعہ کے مشابہ ۲۷ رول ادا کرتی ہے۔

یہ بات غور کے قابل ہے کہ نفسیاتی علاج عموماً نفسیاتی مرض پیدا ہونے کے بعد اختیار کیا جاتا ہے، لیکن نماز اور بالخصوص نماز جمعہ نفسیاتی مرض سے فرد کو اولاً تحفظ عطا کرتی ہے، اور تحفظ یقیناً علاج سے بہتر ہے، اس لیے اس رخ سے نماز کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور بعض ماہرین نفسیات بھی اب نفسیاتی مرض سے تحفظ کے موضوع سے دلچسپی لینے لگے ہیں۔

نماز سے پہلے وضو نہ صرف جسم کو میل کچیل سے صاف بناتا ہے بلکہ نفس کو بھی گندگیوں سے پاک کرتا ہے، اچھی طرح وضو کرنے کے بعد جسمانی اور نفسیاتی نظافت کا احساس ہوتا ہے، اور محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گناہوں اور غلطیوں کی گندگیوں سے طہارت حاصل ہو گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ مومن وضو کرتا ہے اور چہرہ دھوتا ہے تو پانی یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ ہر وہ غلطی دھل جاتی ہے جو آنکھ نے کی ہو، جب دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ ہر وہ غلطی دھل جاتی ہے جو ہاتھوں نے کی ہو، جب دونوں پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے انجام پانے والی ہر غلطی پانی کے آخری قطرے کے ساتھ صاف ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو

۲۷ روبرت ہاربر، حوالہ سابق صفحہ 209-210 ۲۸ اب بیشتر مواقع پر جمعہ کے خطبات سے وہ فوائد نہیں حاصل ہو رہے ہیں جن کی جانب اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب خطبہ جمعہ کے لئے باقاعدہ تیاری نہیں کی جاتی، ضرورت ہے کہ اس پہلو پر توجہ دی جائے۔

کر نکل جاتا ہے۔“ لہ جسمانی اور نفسیاتی طہارت کا یہ احساس اللہ تعالیٰ سے روحانی رشتہ استوار اور دوران نماز جسمانی و نفسیاتی استرخاء کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

نفسیاتی تاثیر کے علاوہ وضو کے عضو یاتی اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں جن کی جانب بعض اہل قلم اور ڈاکٹروں نے اشارہ کیا ہے لہ کیونکہ واضح ہوا ہے کہ روزانہ اور مخصوص وقفہ سے پانچ بار پانی سے دھونا عضلات کے اندر استرخاء اور نفسیاتی و جسمانی تناؤ کی شدت میں تخفیف کا سبب بنتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے غصہ کے وقت وضوء کی تلقین فرمائی، ارشاد ہے: ”غصہ شیطان کی طرف سے ہے، اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے، اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لے“ (ابوداؤد) لہ

ب۔ روزہ

روزہ کے بہت سارے نفسیاتی فوائد ہیں، اس سے نفس کی تربیت و تہذیب ہوتی ہے اور جسم و نفس کے متعدد امراض کا علاج ہوتا ہے، ماہ رمضان کے تمام ایام میں فجر کے قبل سے غروب شمس تک کھانے پینے سے گریز انسان کو اپنی شہوات پر ضبط و کنٹرول کی مشق کراتا ہے، جس کے نتیجہ میں تقویٰ کی روح پیدا ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (بقرہ-۱۸۲)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کئے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔)

یعنی شاید کہ تم معاصی سے بچو، روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے، جس کا پیش خیمہ یہ

لہ حدیث نمبر 121، مختصر صحیح مسلم

لہ جمال ماضی ابوالعزائم: حوالہ سابق، اسامہ محمد الراضی: حوالہ سابق

لہ حدیث نمبر 4784، سنن ابوداؤد 249/3

معاصی ہوتے ہیں، لہٰذا بخاری اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے: ”روزہ ڈھال ہے اگر تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو نہ فحش کلامی کرے، نہ جہالت کرے، اگر کوئی اس سے جھگڑے یا گالم گلوچ کرے تو دو بار وہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بوالہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے، وہ اپنے کھانے پینے اور شہوت کو میری وجہ سے ترک کرتا ہے، روزہ میرے لیے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔“ ۱۷

ہر سال پورے ایک ماہ تک ضبط نفس اور شہوت پر کنٹرول کی یہ مسلسل مشق و تربیت بلاشبہ انسان کے اندر نہ صرف اپنی شہوات و خواہشات کو قابو میں رکھنے بلکہ زندگی کے عام اطوار و عادات، اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی اور ہر عمل میں حکم الہی کی رعایت رکھنے میں قوت ارادی اور صلابت عزم پیدا کر دیتی ہے اور اس طرح بھی ضمیر انسانی کی تربیت ہوتی رہتی ہے، پھر قانون کی لاشی نہیں بلکہ ضمیر کی پکار پر وہ اپنے ہر عمل کو پوری امانت اور خوبصورتی سے انجام دیتا رہتا ہے۔

روزہ انسان کے اندر بھوک و پیاس پر صبر اور شہوتوں پر ضبط کی عادت پیدا کرتا ہے، روزہ سے صبر کی تعلیم حاصل کر کے اسے اپنی زندگی کے دیگر تمام گوشوں تک وہ دراز کر لیتا ہے، تلاش معاش کی سختیوں، آلام مرض، مشکلات حیات اور مصائب زمانہ میں صبر اس کا شیوہ ہو جاتا ہے، صبر ایک اچھی انسانی خصلت ہے، اللہ اپنے بندوں کو اس سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، جدوجہد حیات، مجاہدہ نفس اور شہوات و خواہشات کو انگیز کرنے میں صبر کی قوت کا رول زبردست ہے۔

روزہ کا نفسیاتی فائدہ یہ ہے کہ وہ مال دار شخص کو آلام بھوک کا احساس دلاتا ہے، غریبوں اور محتاجوں کے لیے رحمت و شفقت کے جذبات بیدار کرتا ہے، اور ان کے ساتھ نیکی و حسن سلوک پر اسے آمادہ کرتا ہے، اس طرح معاشرہ میں تعاون، ہمدردی اور سماجی کفالت کی روح عام ہوتی ہے، ان میں نفسیاتی فوائد کے علاوہ روزہ کے طبی اور جسمانی

۱۷ تفسیر جلالین، صفحہ 25

۱۸ السید سابق: فقہ السنہ مجلد اول، دارالکتاب العربی بیروت، صفحہ 431

امراض سے علاج کے فوائد بھی ہیں اور نفسیاتی صحت پر جسمانی صحت کی اثر انگیزی تو معروف امر ہے، مشہور حکیمانہ جملہ ہے کہ ”صحت مند عقل صحت مند جسم کے اندر ہوتی ہے۔“

ج۔ زکوٰۃ

فریضہ زکوٰۃ کہ ہر مسلمان اپنے مال کا ایک مخصوص حصہ ہر سال فقیروں پر خرچ کرے، محتاجوں کے ساتھ ہمدردی و شفقت ان کا تعاون اور ان کی حاجت روی کی تربیت ہے، یہ فقراء و مساکین کے ساتھ وجدانی اشتراک کا شعور بیدار کرتی ہے، ان کے تئیں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتی ہے اور ان کے لیے بہبود و آسانی کی فراہمی پر آمادہ کرتی ہے، زکوٰۃ دوسروں سے محبت کرنا سکھاتی ہے انانیت، خود پسندی، بخل اور حرص و آرزو سے بچاتی ہے، اور پیچھے بات گزر چکی ہے کہ دوسروں سے محبت اور ان کی بہبود کے لیے کاوش و عمل انسان کے اندر سماجی وابستگی کا احساس پیدا کرتا ہے، معاشرہ کے اندر اپنے فعال رول کا احساس دلاتا ہے اور اندرونی خوشی بخشتا ہے، نفسیاتی صحت کے لیے یہ امور بڑی اہمیت رکھتے ہیں، صدقہ کے متعلق خواہ فریضہ زکوٰۃ ہو یا نفلی عطیات و خیرات، قرآن کے مطابق وہ نفس کی تطہیر و تزکیہ کرتا ہے:

تُحَدِّثُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

(توبہ-۱۰۳)

(اے نبی، تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو

اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ۔)

بخل، طمع، خود غرضی، خود پسندی اور فقیروں کے تئیں قساوت قلبی کی گندگیوں سے زکوٰۃ نفس کی تطہیر کرتی ہے اور اس کا تزکیہ کرتی ہے، ”یعنی اس کی افزائش، خلقی و عملی برکتوں کے ذریعہ اس کی بلندی کر کے دنیا و آخرت کی سعادت کا اہل اسے بناتی ہے۔“

۱۔ امام احمد حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے بنو تمیم کے ایک شخص نے پوچھا کہ وہ اپنا مال کیسے خرچ کرے، آپ نے فرمایا: ”اپنے مال سے زکوٰۃ

نکالو، وہ تمہارے لیے پاکیزگی ہے، تمہارے رشتہ داروں کے لیے صلہ رحمی ہے اور مسکین، پڑوسی و مسائل کے حقوق سے آگاہی ہے۔“ لہ

حج

حج کے بھی عظیم الشان نفسیاتی فوائد ہیں، مکہ مکرمہ میں کعبہ اللہ کی زیارت، اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت، وحی کے مقامات اور اسلامی جانفروشیوں کے مقامات کی زیارت مسلمان کے اندر ایسی عظیم روحانی طاقت پیدا کرتی ہے جو زندگی کے غم و الم کو دور کر کے امن و طمانیت اور راحت کے احساس سے بھر دیتی ہے۔

ان سب کے علاوہ حج کے اندر تکان و مصائب کو انگیز کرنے اور تواضع کی مشق و تربیت ہے، جہاں انسان اپنے زرق و برق اور خوشنما لباس اتار کر حج کے سادہ لباس پہنتا ہے، جس میں امیر اور غریب، آقا اور غلام، حاکم اور محکوم سب یکساں ہوتے ہیں، مختلف نسل و قوم اور طبقات کے تمام لوگوں میں اخوت کا رابطہ مضبوط ہوتا ہے، جہاں تمام لوگ ایک مقام پر جمع ہو کر اللہ کی عبادت بجالاتے ہیں، اس کے سامنے روتے اور گریہ و زاری کرتے ہیں، مختلف قومیتوں کے ان تمام مسلمانوں کا یہ زبردست اجتماع باہمی دوستی و تعلقات کی استواری اور تعارف و انسیت کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

حج کے اندر بھی ضبط نفس اور اپنی خواہشات و شہوات پر کنٹرول کی تربیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ حالت احرام میں حاجی عورتوں سے مباشرت، جھگڑے لڑائی، گالم گلوچ، معاصی اور اللہ کی منہیات سے گریز کرتا ہے، جو ضبط نفس، حسن سلوک اور حسن کردار کی تربیت سکھاتا ہے:

الْحَجُّ اشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ - (بقرہ- ۱۹۷)

(حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل کوئی بد عملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو، جو نیک کام تم کرو گے، وہ اللہ کے علم میں ہوگا سفر حج کے لیے زاد راہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زاد راہ پرہیزگاری ہے، پس اے ہوشمندو! نافرمانی سے پرہیز کرو۔)

اسی طرح حج نفس کا جہاد ہے، اس میں انسان اپنے نفس کی تہذیب اور اپنی خواہشات پر ضبط کی کوشش کرتا ہے، مشقت انگیزی، نیکی اور لوگوں سے محبت کی مشق حاصل کرتا ہے، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ میں بزدل ہوں، میں کمزور ہوں، آپ نے فرمایا: ”ایسا جہاد کرو جس میں طاقت آزمائی نہیں ہے، حج کرو۔“ لے

مسلمان آگاہ ہوتا ہے کہ حج مبرور سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اور حج سے مسلمان اس طرح پاک لوٹتا ہے جیسا وہ اپنی پیدائش کے دن تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ یکے بعد دیگرے کرو، یہ دونوں فقر اور گناہ کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی میں لوہا، سونا اور چاندی کا میل نکل جاتا ہے، اور حج مبرور کا ثواب تو صرف جنت ہے، (نسائی و ترمذی) لے حج مبرور سے گناہوں کی معافی کا علم لوٹتے وقت حاجی کے سینہ کو انشراح و اطمینان سے بھر دیتا ہے، اور اسے راحت قلب، امن اور طمانیت کا احساس رہتا ہے اور یہ احساس اس کے اندر ایسی روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے جس سے غم حیات غلط ہو جاتے ہیں اور اعصابی تناؤ و قلق دور ہو جاتا ہے۔

صبر

قرآن نے مسلمانوں کو صبر اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ تربیت نفس، شخصیت کی

لے سید سابق، حوالہ سابق صفحہ 626

لے سید سابق، حوالہ سابق صفحہ 626-627

قوت، مشکلات انگیزی، مصائب و ہجوم زمانہ سے نبرد آزمائی کی نئی قوت اور سر بلندی اسلام کی راہ میں برسر جہاد رہنے کی قدرت جیسے فوائد صبر سے وابستہ ہیں۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى
الْخَاشِعِينَ - (بقرہ-۳۵)

(صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر ان فرماں بردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ
اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ - (بقرہ-۱۵۳)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - (آل عمران-۲۰۰)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ، حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔)

مومن صادق درپیش اذیت پر دایلا نہیں مچاتا، مشکلات و مصائب پر پست ہمت اور شکست خوردہ نہیں ہوتا، اسے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی مصائب اللہ کی جانب سے آزمائش و ابتلا ہے:

وَكَابَلُونَكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَ
الصَّابِرِينَ وَنَبَلَّوْا خَبَارَكُمْ - (محمد-۳۱)

(ہم ضرور تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔)

وَكَابَلُونَكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ
الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا
أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ
عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ

(اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصان اور آمدنیوں کے گھائے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ”ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے“ انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔)

كَيْبَلُونَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْتَسْمَعْنَ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اٰذًى
كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ - (آل
عمران- ۱۸۶)

(مسلمانو، تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں پیش آ کر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خداترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔)

صبر کو صفات حمیدہ میں شمار کرتے ہوئے متعدد مواقع پر قرآن نے اسے سراہا ہے:

وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ، فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِی
مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مَسْكِيْنًا ذَا مَقْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰٓئِكَ
اَصْحَابُ الْمِيْمَنَةِ - (بلد- ۱۲، ۱۸)

(اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقہ کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی یہ لوگ ہیں دائیں بازو والے۔)

وَالْعَصْرِينَ الْإِنْسَانَ لِفِي خُسْبٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالْكَمِيلِ - (سورہ

عصر)

(زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان
لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک
دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔)

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُؤُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَ
الْكِتَابِ وَالرَّسُولِ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَ
الْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي
الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا
عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالصَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ
أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ - (بقرہ- ۱۷۷)

(نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا
مغرب کی طرف بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر کو اور ملائکہ
کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے
اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر،
مسکینوں اور مسافروں پر مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں
کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ
ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت
میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں، یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی
لوگ متقی ہیں۔)

صبر انسان کو عمل میں استقامت اور علمی و عملی مقاصد کی تکمیل کے لئے جہد و
کاوش کی تعلیم دیتا ہے، حیات انسانی کے بیشتر مقاصد خواہ سماجی، اقتصادی، سیاسی جیسے عملی
میدانوں سے متعلق ہوں یا علمی تحقیق کے میدان ہوں، کی رسائی و تکمیل کے لیے طویل
وقت اور سخت محنت کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی لئے محنت پر استقامت اور عملی

مشکلات و تحقیق پر صبر کامیابی سے ہمکناری اور مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری صفات میں شمار ہوتا ہے۔

صبر اور استقامت دونوں قوت ارادی سے مربوط ہوتی ہیں، صبر کرنے والا شخص قوی الارادہ ہوتا ہے، اس کے عزم کی کمزوری، یا اس کی ہمت میں پستی نہیں آتی ہے خواہ کتنی ہی مشکلات اور رکاوٹیں درپیش ہوں، قوت ارادی کے بل پر عظیم الشان کاموں کی انجام دہی اور بلند مقاصد کی تکمیل انسان کے لیے ممکن ہو جاتی ہے:

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ
يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَا يَفْقَهُونَ - (انفال - ۶۵)

(اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔)

جب انسان مشکلات حیات اور مصائب زمانہ پر صبر کرنا سیکھ لیتا ہے، لوگوں کی عداوت و اذیت پر صبر کر لیتا ہے، اللہ کی عبادت اور تقویٰ پر صبر کر لیتا ہے، اپنی شہوتوں اور جذبات پر صبر کر لیتا ہے، کاموں اور کارناموں پر صبر سیکھ لیتا ہے، پھر اس کی شخصیت پختہ، مکمل، متوازن، نتیجہ خیز اور فعال ہو جاتی ہے، وہ قلق پر مضبوط اور نفسیاتی اضطراب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ذکر

اللہ تعالیٰ کے ذکر، تسبیح و تکبیر، استغفار و دعا اور تلاوت قرآن کی پابندی مومن کو پاکیزگی نفس اور شعور امن و طمانیت بخشتی ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ
اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ - (رعد - ۲۸)

(ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنہوں نے (اس نبی کی دعوت کو) مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے، خردوار رہو اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔)

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ
طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ
أَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ - (طہ-۱۳۰)

(پس اے نبی، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو، اور اپنے
رب کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح کرو سورج نکلنے سے پہلے اور
غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں تسبیح کرو اور دن کے
کناروں پر بھی، شاید کہ تم راضی ہو جاؤ۔)

وَأُنزِلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ -

(اسراء-۸۲)

(ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو

ماننے والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دلوں کی شفاء ہے لہٰذا حضرت ابو ہریرہؓ
سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی قوم ذکر الہی میں مشغول ہوتی ہے تو
فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، ان پر سکینت کا نزول ہوتا
ہے اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس والوں میں کرتا ہے۔ ”(مسلم، ابو داؤد، ترمذی) لہٰذا
جب مومن اللہ کے ذکر کی پابندی کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے
قریب ہے اور اس کی حمایت و نگہبانی کے زیر سایہ ہے، یہ چیز اس کے اندر اعتماد و قوت کا
احساس اور امن و سکون و طمانیت کا احساس پیدا کرتی ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ - (بقرہ-۱۵۲)

(لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تک میرا بندہ میرا

۱۔ بروایت دہلوی دیکھئے، حسن محمد شرقاوی: نحو علم نفس اسلامی، بیسہ مصریہ عامہ للکتاب،
اسکندریہ، صفحہ 300

۲۔ بروایت ابن ماجہ دیکھئے: حسن محمد شرقاوی، حوالہ سابق صفحہ 299، نیز دیکھئے تیسرا اصول
الی جامع الاصول للشیخانی 15/2

ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹ حرکت میں رہتے ہیں، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں لہ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ”اللہ کا ذکر اور قرآن کی تلاوت کرو، یہ زمین میں نور اور آسمان میں تمہارا تذکرہ ہے۔“ ۱

ذکر الہی چونکہ نفس میں امن و سکون پیدا کرتی ہے، اس لیے بلاشبہ وہ اس قلق کا علاج ہے جو مسائل حیات اور مشکلات زندگی کے سامنے اپنی کمزوری و بے بسی کی وجہ سے انسان کو پیش آتا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا.

(طہ-۱۲۳)

(اور جو میرے ”ذکر“ (درست نصیحت) سے منہ موڑے گا اس

کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی۔)

ذکر افضل عبادات میں سے ہے ۲

ذکر کی فضیلت درج ذیل آیت سے واضح ہوتی ہے:

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَكَذِكْرُ اللَّهِ

أَكْبَرُ (عنکبوت-۳۵)

(یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس

سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے۔)

حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”جس گھر میں اللہ کا

ذکر ہوتا ہے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہیں ہوتا ہے

دونوں کی مثال زندہ اور مردہ شخص کی ہے۔“ (متفق علیہ)

حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام عبادات یا تو خود ذکر ہیں یا ذکر میں معاون، نماز کے

۱ امام شعرانی نے کشف النعمہ میں روایت کی ہے دیکھئے: حسن محمد شرقاوی، حوالہ سابق

صفحہ 299

۲ بروایت ابو یعلیٰ، دیکھئے: حسن محمد شرقاوی، حوالہ سابق صفحہ 203

۳ دیکھئے منصور علی ناصف، التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول، دار الفکر

قاہرہ 1975ء، 1/332 اور 5/87

اندر اللہ کی تکبیر قرآن کی تلاوت، رکوع و سجدہ تسبیحات الہی، اللہ کی حمد و ثناء اور نبی علیہ السلام پر درود پھر نماز کے بعد استغفار، اللہ کی تسبیح و حمد اور تکبیر و دعا ہے اور یہ تمام چیزیں ذکر ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نماز کے متعلق فرماتا ہے:

إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ
لِذِكْرِي - (طہ - ۱۳)

(میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔)

روزہ اللہ کی اطاعت، اس کے غضب سے دوری، اس کی تعظیم اور ہدایت پر شکر ہے، یہ بھی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَالتُّكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ - (بقرہ - ۱۸۵)

(اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔)

حج میں نماز، دعا، گریہ زاری اور مناسک حج کی ادائیگی ہے، وہ بھی ذکر ہے، ارشاد الہی ہے:

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ
يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا
اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةٍ
الْأَنْعَامِ - (حج - ۲۷، ۲۸)

(اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں، تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں اور چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں۔)

ری جمار کے سلسلہ میں ارشاد ہے:

وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ - (بقرہ- ۲۰۳)

(یہ گنتی کے چند روز ہیں جو تمہیں اللہ کی یاد میں بسر کرنے

چاہئیں۔)

مومن جو تقرب خداوندی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، صرف نماز کے دوران ہی ذکر پر اکتفاء نہیں کرتا ہے، بلکہ نماز کے علاوہ بھی ذکر میں مشغول رہتا ہے، تسبیح و تکبیر اور دعا و گریہ زاری کرتا رہتا ہے۔ عبادات، تلاوت قرآن، اوراد و اذکار اور دعاؤں کے ذریعہ اللہ کا تقرب دل میں ایمان کو پختہ اور نفس میں احساس امن و طمانیت کو اجاگر کرتا ہے۔

توبہ

احساس گناہ انسان کے اندر نقص و اضطراب کا احساس پیدا کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں بعض نفسیاتی امراض پیدا ہو جاتے ہیں، ان حالات میں نفسیاتی علاج کے اندر احساس گناہ سے پیدا ہونے والے سابقہ تجربات کے تئیں اس کا نقطہ نظر بدل دیا جاتا ہے تاکہ نئی نگاہ سے دیکھ کر احساس گناہ اور احساس نقص کا جواز اسے نظر نہ آئے، نفس کی ملامت کم ہو جائے، اور اپنی ذات کو وہ قبول کرنے لگے، اس طرح اس کا قلق اور نفسیاتی امراض ختم ہو جاتے ہیں۔

احساس گناہ کے علاج کا ایک کامیاب اور بے مثال اسلوب قرآن نے ہمیں بتایا ہے، وہ ہے توبہ، اللہ تعالیٰ سے توبہ گناہوں کو معاف کرا دیتی ہے، رضائے الہی کی امید بڑھا دیتی ہے، جس کی وجہ سے قلق کی شدت میں کمی آ جاتی ہے، پھر توبہ عموماً انسان کو اپنی اصلاح و درستگی پر آمادہ کرتی ہے، تاکہ دوبارہ وہ شکار معصیت نہ ہو جائے، اس طرح اپنی قدر، خود اعتمادی اور خوش دلی کے اضافہ میں یہ چیز معاون بنتی ہے اور نفس کے اندر امن و طمانیت کا احساس پیدا ہوتا ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلَىٰ انْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُورُ

الرَّحِيمُ - (زمر- ۵۳)

(اے نبی) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر

زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ تو غفور و رحیم ہے۔

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ
يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا۔ (نساء-۱۱۰)

(اگر کوئی شخص برا فعل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا۔)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ
يَشَاءُ۔ (نساء-۴۸)

(اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ
ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ
اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ (نساء-۱۱۷)

(ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔)

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ
عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (مائدہ-۳۹)

(پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ کی نظر عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔)

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ
كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

(جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو ”تم پر سلامتی ہے۔ تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے (یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔“)

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ - (اعراف - ۱۵۳)

(اور جو لوگ برے عمل کریں پھر توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً اس توبہ و ایمان کے بعد تیرا رب درگزر اور رحم فرمانے والا ہے۔)

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى - (طہ - ۸۲)

(البتہ جو توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھا چلتا رہے اس کے لیے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں۔)

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ فَرِحَ بِهِ وَاللَّهُ وَكَم يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ - (آل عمران - ۱۳۵، ۱۳۶)

(اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاف اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو اور وہ کبھی دانت اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزاء ان کے رب

کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا اچھا بدلہ ہے نیک اعمال کرنے والوں کے لیے۔

مسلمان کا یقین کہ اللہ جل شانہ توبہ قبول فرماتا ہے، گناہوں کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا، اسے استغفار، توبہ اور مغفرت و خوشنودی کی امید میں معاصی سے اجتناب پر آمادہ کرتا ہے، جب مسلمان سچی توبہ کرتا ہے، اللہ کی عبادت و اطاعت اور عمل صالح کی پابندی کرتا ہے تو دل کو راحت اور نفس کو اطمینان ملتا ہے اور قلق و اضطراب پیدا کرنے والا احساس گناہ ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے اس طرح عربوں کے نفوس کا علاج کیا اور متعدد طریقے اپنا کر ان کی شخصیتوں میں زبردست تبدیلی پیدا کر دی، وہ طریقے درج ذیل تھے۔
اول: نفوس کے اندر عقیدہ توحید اور دلوں میں تقویٰ پیدا کر کے شخصیت و کردار سازی۔

دوم: مختلف عبادات کے ذریعہ سابقہ غلط عادات و اطوار سے گلو خلاصہ اور صفات حمیدہ سے آراستگی کر کے معتدل و متوازن اور مکمل شخصیت کی تعمیر۔
سوم: صبر کی تعلیم۔ جو خوش دلی کے ساتھ مشکلات کو انگیز کرنے اور تناؤ و تنگی اور احساس غم و قلق کو کم کرنے میں معاون بننے والی صفت ہے۔
چہارم: ذکر الہی کی پابندی کی ترغیب، جو اللہ کے تقرب، اس کی حمایت اور تمہدائی کا شعور عطا کر کے امن و طمانیت کا احساس پیدا کرتی ہے۔
پنجم: استغفار و توبہ کی ترغیب، جو احساس گناہ سے ابھرنے والے قلق سے گلو خلاصی عطا کرتی ہے۔

ششم: کردار و عمل کی تبدیلی کے لیے متعدد فعال طریقے مثلاً شراب نوشی اور سود خواری کے علاج میں قرآن کا تدریجی طریقہ، ترغیب و ترہیب، قصص اور روزمرہ واقعات کے ذریعہ جذبات و محرکات انگیزی، فعال شرکت کا اسلوب، تقسیم تعلم کا اسلوب وغیرہ جن پر تفصیل کے ساتھ گذشتہ پانچویں فصل میں گفتگو ہو چکی ہے۔

ان طریقوں کے ذریعہ قرآن کریم نے کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کی شخصیتوں کے

کنزور پہلوؤں کا علاج کیا اور ان کے نفوس میں اچھی و پاکیزہ صفات کی تخم ریزی کی جو ان کی متوازن و مکمل شخصیات کی تعمیر میں معاون بنی، اور جزیرہ نمائے عرب کے معاشرہ اور پوری دنیا کے اسلامی معاشرہ میں زندگی کے تمام گوشوں کے اندر زبردست دور رس اثرات کی حامل تبدیلیاں رونما کرنے میں اس کا بہت زیادہ اثر رہا۔



العقائد
مقدس

علم
اور
مقدس

